تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی (علومِ اسلامیہ)

سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبۃ میں تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاستِ مدینہ کا اطلاق و تطبیق

(تبیان القرآن، ہدایت القرآن، تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن کے مشمولات کا علمی و تقابلی مطالعہ)

مقالہ نگار: گلالئی گل

نگران: ڈاکٹر محمد نواز

شعبہ اسلامیات' جامعہ پشاور

سیشن:22-2021ء

بسم الله الرحمن الرحيم

انتساب

محترم والدین، معزز اساتذہ کرام
اور اپنے بھائی کے نام جن کی شفقت، محبت، دعاؤں
اور رہنمائی نے مجھے اس مقام تک پہنچایا۔ اور قلم و
کتاب کے ساتھ میرا رشتہ استوار رکھا۔

Author's Declaration

I Gulalay Gul hereby state that my PhD thesis titled

سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبۃ میں تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاستِ مدینہ کا اطلاق و تطبیق
(تبیان القرآن، ہدایت القرآن، تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن کے مشمولات کا علمی و تقابلی مطالعہ)

is my own work and has not been submitted previously by me for taking any degree from this University of Peshawar Or anywhere else in the country/world. At any time if my statement is found to be incorrect even after my Graduate the university has the right to withdraw my PhD degree.

Gulalay Gul

Date: 28 July 2024

Department of Islamiyat
University of Peshawar

Plagiarism Undertaking

I solemnly declare that research work presented in the thesis titled

سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبۃ میں تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاستِ مدینہ کا اطلاق و تطبیق

(تبیان القرآن، ہدایت القرآن، تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن کے مشمولات کا علمی و تقابلی مطالعہ)

is solely my research work with no significant contribution from any other person. Small contribution/help wherever taken has been duly acknowledged and that complete thesis has been written by me.

I understand the zero-tolerance policy of the HEC and University of Peshawar, Khyber Pakhtunkhwa, Pakistan, towards plagiarism. Therefore, I as an Author of the above titled thesis declare that no portion of my thesis has been plagiarized and any material used as reference is properly referred/cited.

I undertake that if I am found guilty of any formal plagiarism in the above titled thesis even after award of PhD degree, the University reserves the rights to withdraw/revoke my PhD degree and that HEC and the University has the right to publish my name on the HEC/University Website on which names of students are placed who submitted plagiarized thesis.

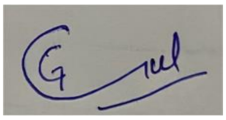

Student Signature:____________________

Name: Gulalay Gul PhD Scholar (Islamic Studies)

Department of Islamiyat

University of Peshawar

Dated: 28 July, 2024

حروفِ امتنان (Acknowledgements)

- میں اپنے ربِّ کریم کی بے حد شکر گزار ہوں جس نے اپنے لطف و کرم سے اولاً زندگی کی نعمت، پھر ایمان و اسلام کی بیش بہا نعمت اور اس کے بعد زندگی کے ہر موڑ پر بے انتہا انعامات واحسانات سے نوازا۔ اسی نے علم سے رشتہ جوڑ دیا جس کے نتیجے میں مجھے ایک چھوٹی سی علمی کاوش پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔
- اپنے تمام اساتذہ کرام کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ جن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے اس مقام تک پہنچی۔ خاص طور پر اپنے نگرانِ مقالہ ڈاکٹر محمد نواز لیکچرر شعبہ اسلامیات جامعہ پشاور کی خدمت میں خصوصی تشکر پیش کرتی ہوں، جن کی بھرپور رہنمائی اور نگرانی سے نہ صرف مقالہ بروقت تکمیل کو پہنچا، بلکہ مقالہ سے ہٹ کر بھی ان سے میدانِ تحقیق و عمل میں بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ نیز جامعہ پشاور شعبہ اسلامیات کے تمام اساتذہ کرام کی نہایت ممنون ہوں، جنہوں نے نہ صرف موضوعِ مقالہ کے انتخاب میں رہنمائی کی، بلکہ ان کی توجہ خاکہ تحقیق سے لے کر مقالہ کی تکمیل تک شامل رہی۔ ان کے وقتاً فوقتاً مفید مشوروں اور علمی و تکنیکی تربیت سے مجھ جیسی ناچیز بھی آج اس کام کی تکمیل کے لائق ہوئی۔
- میں اپنے مشفق والدین اور فیملی ممبران خصوصاً اپنے بھائی کا بھی از حد ممنون ہوں، جنہوں نے زندگی کے ہر موڑ اور ہر مشکل میں میری مدد کی۔
- میں آخر میں جامعہ پشاور کی انتظامیہ کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں، جن کے تعاون سے یہ مقالہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان سب کو دارین کی سعادتیں نصیب فرمائے۔ آمین

گلالئی گل

پی۔ ایچ۔ ڈی سکالر، شعبۂ علومِ اسلامیہ

یونیورسٹی آف پشاور

فہرس مندرجات

انتساب 3

Author's Declaration 4

Plagiarism Undertaking 5

مقدّمہ 18

باب اول: تعارفِ موضوع، تفاسیر، مفسرین کا اجمالی تعارف اور تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاستِ مدنیہ کا تعارف اور تاریخی پس منظر 26

فصل اول: تفسیر تفہیم القرآن، فی ظلال القرآن، تبیان القرآن اور ہدایت القرآن کا اجمالی منہج، اسلوب اور مفسرین کا تعارف اور علمی خدمات 27

سید قطب شہید اور ان کی تفسیر "فی ظلال القرآن" کا تعارف 27

خاندانی پس منظر 27

سوانح عمری 28

تعلیم 30

قاہرہ کی طرف ہجرت 30

امریکہ کا سفر 30

آزمائشیں 31

عدالتی شکنجہ 32

معالم فی الطریق کا تعارف 33

علمی آثار 33

گرفتاری 34

شہادت 34

تفسیر "فی ظلال القرآن" کا تعارف و خصوصیات 36

سید ابو الاعلیٰ مودودی اور ان کی تفسیر "تفہیم القرآن" کا تعارف 40

پیدائش 40

تعلیم وتربیت..........40
صحافتی زندگی:..........42
سیاسی خدمات:..........44
علمی خدمات:..........45
علالت ورحلت:..........46
تفہیم القرآن کا تعارف وخصوصیات..........47
تفہیم القرآن کا تعارف..........47
آغاز:..........47
تکمیل:..........47
تفہیم القرآن کا منہج وخصوصیات..........48
مولانا سعید احمد پالن پوری اور ان کی تفسیر "ہدایت القرآن" کا تعارف..........51
ولادت باسعادت اور نام..........51
تعلیم وتربیت..........51
مظاہر علوم میں داخلہ..........51
دارالعلوم دیوبند میں داخلہ..........52
دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر..........55
حضرت مفتی سعید صاحب کا انداز خطابت اور تصنیفی خصوصیات..........56
تصنیفی خدمات..........59
ہدایت القرآن کے امتیازات وخصوصیات..........64
مولانا غلام رسول سعیدی اور ان کی تفسیر "تبیان القران" کا تعارف..........69
ولادت:..........69
تحصیل علم:..........69
تدریس:..........70
بیرون کا سفر:..........72

معمولات زندگی: 73

تصنیفات: 74

وصال: 77

تفسیر تبیان القران کا تعارف و خصوصیات 78

سبب تالیف: 78

خصوصیات: 78

فصل دوم: فلسفہ عملی کی تین اقسام: تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے عناوین کا تعارف اور تاریخی جائزہ 81

فلسفہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف: 81

فلسفہ کی شاخیں: 83

فلسفہ عملی کی اقسام: 83

تہذیب الاخلاق 84

تدبیر منزل 90

تدبیر منزل کے تقاضے 92

سلام کہنا 92

طلب اجازت 92

حفاظت نظر 93

مخفیات کی کُرید سے بچنا 94

تدبیر منزل کی تقسیم 95

پہلا حصہ: ازدواج و نکاح 95

حکم نکاح 95

فضیلت نکاح (از روئے قرآن و سنت) 95

نیک بیوی کی خصوصیات 97

نیک شوہر کی خصوصیات 99

طریقہ نکاح اور اس کے متعلقات 100

تدبیر منزل کی خرابیوں کے ازالہ کے ذرائع 109

اولاد کے حقوق 110

اچھی تربیت 111

والدین کے حقوق 112

مالک و مملوک 114

تحفظ غلامان کے اہم ضابطے 115

مالک و مملوک کے بہتر تعلقات سے متعلق اُصول 120

سیاستِ مدنیہ 120

سربراہ مملکت کی ضرورت 121

نظام مملکت میں خلل ڈالنے والی چیزیں 122

ملک کی حفاظت کے لئے انتظامات 124

سربراہ مملکت کے لئے ضروری اوصاف 125

فصل سوم: قرآن مجید میں مذکورہ عنوانات کا عمومی مطالعہ اور سورۃ المائدۃ و سورۃ التوبۃ میں خصوصی مطالعہ کی اہمیت 127

تہذیب الاخلاق کے مطالعہ کی اہمیت قرآن کریم کی روشنی میں 127

اخلاقی فضائل پر قرآنی آیات: 127

سورۃ التوبہ اور سورۃ المائدۃ 131

مطابقت اور عصری اہمیت: 132

2. تدبیر منزل کے مطالعہ کی اہمیت قرآن کریم کی روشنی میں 133

تدبیر منزل پر روشنی ڈالنے والی قرآنی آیات: 133

تدبیر منزل کی اہمیت 137

گھریلو انتظام پر اسلامی نقطہ نظر: 137

انفرادی اور خاندانی زندگی میں اہمیت: 138

سورۃ المائدۃ کا خصوصی مطالعہ 139

تدبیر منزل کا تجزیہ: 139

سورۃ التوبہ کا خصوصی مطالعہ 140

تدبیر منزل کا تجزیہ: 140

3. سیاست مدنیہ کے مطالعہ کی اہمیت 141

اسلام میں سیاستِ مدنیہ کی اخلاقی بنیادیں 143

باب دوم: تبیان القرآن اور ہدایت القرآن کے مشمولات کی روشنی میں سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبۃ میں مذکور تین عنوانات کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ 147

فصل اول: تبیان القرآن اور ہدایت القرآن میں تہذیب الاخلاق کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ 148

پہلا حکم: ایفائے عہد 149

دوسرا حکم: صبر 152

تیسرا حکم اللہ کے عہد و میثاق کا معنی 154

چوتھا حکم: جھوٹ اور جھوٹی گواہی 156

پانچواں حکم: یہود کے عہد و پیمان کا حال 157

چھٹا حکم: عیسائیوں کے عہد و پیمان کا حال 158

ساتواں حکم: اخلاص اور حسد 160

آٹھواں حکم: معافی 161

نواں حکم: سخاوت اور بخل 162

دسواں حکم: نفرت کا سبب 164

سورۃ التوبۃ کا پہلا حکم: مشرکین کی طرف سے معاہدہ حدیبیہ کی عہد شکنی 165

دوسرا حکم: خطا پر تنبیہ کا لطیف پیرایہ 167

تیسرا حکم: توکل 168

چوتھا حکم: زکوۃ کی حکمتیں اور مصلحتیں 169

پانچواں حکم: حیا اور کریم النفسی 171

چھٹا حکم: صدقہ کی ترغیب 172

ساتواں حکم: ریاکاری اور نام و نمود 174

فصل دوم: تبیان القرآن اور ہدایت القرآن میں تدبیر منزل کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ 175

پہلا حکم: باہم تعاون و تناصر کا معیار..176

دوسرا حکم: پاک دامن کتابیہ عورت سے نکاح 178

تیسرا حکم: دین کا تعلق رشتہ داری اور دوستی سے مقدم.. 181

چوتھا حکم: بھائیوں کے درمیان تعلقات 183

پانچواں حکم: انسانی زندگی کا احترام 184

چھٹا حکم: زنا کا سدِ باب 186

سورۃ التوبۃ میں پہلا حکم: دغاباز اور مکار لوگوں سے لاتعلقی 188

دوسرا حکم: تعلق کا بنیاد اللہ کی خوشنودی..190

تیسرا حکم: سچوں سے تعلقات رکھنا...190

فصل سوم: تبیان القرآن اور ہدایت القرآن میں سیاست مدنیہ کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ.............................192

پہلا حکم: احکام شرعیہ میں عذر کا لحاظ 194

دوسرا حکم: سچی شہادت کی اہمیت...194

تیسرا حکم: طلبِ منصب کی تحقیق...196

چوتھا حکم: دشمنوں سے حفاظت 198

پانچواں حکم: حکومت کے خلاف بغاوت 201

چھٹا حکم: حدود کا حکم 203

ساتواں حکم: فتنہ کی سرکوبی کے لیے جہاد...203

آٹھواں حکم: حدِ سرقہ کا قیام 205

نواں حکم: رشوت کا سدِ باب اور غیر مسلموں کے متعلق فیصلے..208

دسواں حکم: قانونِ قصاص کا قیام..210

گیارہواں حکم: عدل وانصاف کا قیام 213

بارہواں حکم: وضعی اور شرعی قوانین میں فرق..215

تیرہواں حکم: امر بالمعروف و نہی عن المنکر..215

چودہواں حکم: نظام مملکت کے لیے نقصان دہ چیزیں 217

پہلا حکم: کفار کو ویزا دینا 221

دوسرا حکم: اسلامی ملک میں غیر مسلم کے توہینِ رسالت کی سزا 222

تیسرا حکم: مشروعیت جہاد کی حکمت 224

چوتھا حکم: قانونِ جزیہ 225

پانچواں حکم: جہاد کے لیے نکلنے کا وجوب 227

چھٹا حکم: اسلامی حکومت کا فریضہ: زکوۃ کا نظام 228

ساتواں حکم: قیادت کے اوصاف 229

خلاصہ باب 232

باب سوم: تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن (تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن) کے مشمولات کی روشنی میں سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبۃ میں مذکور تین عنوانات کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ 234

فصل اول: تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن میں تہذیب الاخلاق کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ 235

تفسیر ظلال القرآن اور تفسیر تفہیم القرآن میں تہذیب الاخلاق کا اطلاق و تطبیقی جائزہ 238

پہلا حکم: ایفائے عہد 238

دوسرا حکم: عفو و درگزر کی اہمیت 239

اطلاق و تطبیق 241

تیسرا حکم: اسلام کا کریمانہ اخلاق 241

چوتھا حکم: اللہ تعالیٰ کا عہد و میثاق اور اس کی اہمیت 242

پانچواں حکم: یہود کی عہد شکنی اور خیانت 242

چھٹا حکم: یہود کی خیانت کا حال 244

ساتواں حکم: امتِ مسلمہ کی موجودہ حالتِ زار 245

آٹھواں حکم: نصاریٰ کی عہد شکنی اور خیانت کا حال 245

نواں حکم: یہودیوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف بخل کی نسبت 246

سورۃ التوبہ میں پہلا حکم: مشرکین مکہ کی عہد شکنی کا حال 247

دوسرا حکم: منافقین کی عہد شکنی کا حال 249
تیسرا حکم: بخل کا بنیادی سبب اور اس کا علاج 250
چوتھا حکم: معاشرے میں رہائش پذیر طبقات اور ان کی نگہداشت 251
فصل دوم: تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن میں تدبیر منزل کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ 255
پہلا حکم: باہمی تعاون و تناصر کا معیار 255
دوسرا حکم: اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح 256
تیسرا حکم: معاشرے میں امن و امان کا قیام بصورتِ انسدادِ قتل 258
چوتھا حکم: معاشرے میں امن و امان بصورتِ انسدادِ سرقہ 260
پانچواں حکم: یہودیوں سے رفاقت 261
چھٹا حکم: اجتماعی ضمیر کو زندہ رکھنا 263
ساتواں حکم: ممنوعات سے احتراز 264
سورۃ التوبۃ میں پہلا حکم: اسلامی بھائی چارہ 266
دوسرا حکم: مسلمانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات 268
فصل سوم: تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن میں سیاست مدنیہ کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ 270
پہلا حکم: اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ 270
دوسرا حکم: ملک کی مخصوص علامت اور اس کا اعزاز واکرام 272
تیسرا حکم: عدل وانصاف پر مبنی نظام کا قیام 272
چوتھا حکم: امتِ مسلمہ کی پوری دنیا کی قیادت کا راز 273
پانچواں حکم: ملک و قوم کی سلامتی کا راز 274
چھٹا حکم: قانون قصاص 275
ساتواں حکم: دار الاسلام اور دار الحرب کے درمیان فرق 276
آٹھواں حکم: بغاوت کی سرکوبی 276
نواں حکم: اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کے فیصلے 278
دسواں حکم: قانون ساز اللہ تعالیٰ 280

سورۃالتوبۃ میں پہلا حکم: اہل کتاب کے ساتھ قتال کے اسباب و شرائط 281

دوسرا حکم: نظام زکوۃ 283

تیسرا حکم: تقسیم اموال میں امیر پر اعتراضات کی حقیقت 284

باب چہارم: (تبیان القرآن، ہدایت القرآن، تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن) کے مشمولات کی روشنی میں سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبہ میں مذکورہ تین عنوانات کے اطلاق و تطبیق کا تقابلی مطالعہ 289

فصل اول: تبیان القرآن، ہدایت القرآن، تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن میں تہذیب الاخلاق کے اطلاق و تطبیق کا تقابلی مطالعہ 290

پہلا حکم: ایفائے عہد 291

دوسرا حکم: اللہ تعالیٰ کا عہد و میثاق 292

تیسرا حکم: یہود کے عہد و پیمان کا حال 293

چوتھا حکم: نصاری کے عہد و پیمان کا حال 294

پانچواں حکم: اللہ تعالیٰ کی طرف بخل کی نسبت 295

سورۃالتوبۃ میں پہلا حکم: مشرکین کے عہد و پیمان کا حال 297

دوسرا حکم: منافقین کی عہد شکنی کا حال 298

تیسرا حکم: زکوۃ کی حکمت و مصلحت 301

مشترکات: 302

اختلافات: 302

فصل دوم: تبیان القرآن، ہدایت القرآن، تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن میں تدبیرِ منزل کے اطلاق و تطبیق کا تقابلی مطالعہ .. 305

پہلا حکم: باہمی تعاون و تناصر کا معیار 306

دوسرا حکم: اہل کتاب کی خواتین سے نکاح 309

تیسرا حکم: امن و امان کا قیام 311

چوتھا حکم: زنا کا سدِباب 313

پانچواں حکم: معاشرے میں امن و امان بصورتِ انسدادِ سرقہ 315

چھٹا حکم: غیر مسلموں سے رفاقت کے اصول 317

ساتواں حکم: ممنوعات سے احتراز 318

سورۃ التوبۃ میں پہلا حکم: اسلامی بھائی چارہ 320

دوسرا حکم: مسلمانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات 321

تیسرا حکم: دغابازوں سے لاتعلقی 323

چوتھا حکم: تعلق کا بنیاد اللہ کی خوشنودی 324

پانچواں حکم: سچے لوگوں سے تعلقات رکھنا 325

فصل سوم: تبیان القرآن، ہدایت القرآن، تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن میں سیاستِ مدنیہ کے اطلاق و تطبیق کا تقابلی مطالعہ 327

پہلا حکم: اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ 328

دوسرا حکم: ملک کی مخصوص علامت اور اس کا اعزاز و اکرام 329

تیسرا حکم: طلب منصب کی تحقیق 330

چوتھا حکم: دشمنوں سے حفاظت 331

پانچواں حکم: امت مسلمہ کی پوری دنیا کی قیادت کا راز 332

چھٹا حکم: ملک و قوم کی سلامتی کا راز 332

ساتواں حکم: بغاوت کی سرکوبی 333

آٹھواں حکم: فتنہ کی سرکوبی کے لیے جہاد 335

نواں حکم: رشوت کا سدِباب 336

دسواں حکم: غیر مسلموں کے متعلق فیصلے 337

گیارہواں حکم: قانون قصاص 340

بارہواں حکم: عدل و انصاف پر مبنی نظام کا قیام 341

سورۃ التوبۃ میں پہلا حکم: اسلامی حکومت کا فریضہ: زکوۃ کا نظام 342

خلاصہ باب 345

نتائج بحث 346

تجاویز و سفارشات 349

فنی فہارس 351

فہرست آیات.....352
فہرست احادیث.....354
فہرست اعلام.....356
فہرست بلاد واماکن.....358
مصادر ومراجع.....359
ویب سائٹس.....362

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

مقدّمہ

1. تعارفِ موضوع [Introduction]

"اسلام" ایک جامع اور مکمل نظامِ حیات ہے، جس میں انسانی زندگی کے مختلف اور متنوع گوشوں پر سیر حاصل ہدایات موجود ہیں، انسان اپنی زندگی کے کسی موڑ اور کسی مرحلہ میں کسی ایسی الجھن میں مبتلا نہیں ہوتا، جس میں اسلام نے اس کی راہنمائی نہ کی ہو۔ عقائد واعمال اور اخلاق ومعاملات کے سبھی پہلوؤں پر حسب ضرورت روشنی نہ ڈالی ہو، اس وقت دنیا میں کوئی مذہب اور قانون ایسا نہیں بتایا جاسکتا، جو اپنی جامعیت میں اسلام کے ہم پلہ تو کُجا اس کا عُشر عشیر بھی ثابت ہو سکے۔ اور ماضی میں بھی تاریخ شاہد ہے کہ اسلامی حکومت اپنے سنہرے دور میں نہایت وسیع تھی، جس کا رقبہ مشرق میں ملک چین سے لے کر مغرب میں اسپین کے پہاڑوں تک تھا، اللہ تعالیٰ نے سربراہانِ لشکر کے ہاتھوں ملکوں کو فتح کرایا، تو علماء کرام کے ذریعہ قانون سازی کے لیے اجتہاد واستنباط کے دروازے کھول دئے؛ چنانچہ کسی بھی ضرورت کے متعلق اسلامی شریعت کا دامن تنگ نہیں رہا اور نہ کسی شعبہ میں کوتاہ دستی رہی۔

اگر ہم غور کرلیں تو تین چیزیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں: ایک تہذیبِ نفس یعنی اپنی شخصیت کو نکھارنا، منفی پہلوؤں سے تطہیر اور مثبت پہلوؤں کو اجاگر کرنا، تصوف میں اسے تخلیہ اور تجلیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔[1] اس فکری ریاضت کو عمل کے سانچے میں ڈھالنے سے نفس اور شخصیت کی تہذیب ہوتی ہے[2]، گویا انسانی شخصیت کے اندر جو خیر وشر کی کشمکش بپا رہتی ہے، بشری استطاعت کے مطابق نفس انسانی میں شر کو مغلوب اور خیر کو غالب کرنا بھی سیاست کا ایک شعبہ ہے۔ دوسری قسم تدبیر منزل[3] ہے، یعنی ایک گھر یا ایک خاندان جو افراد کا مجموعہ ہوتا ہے کے نظم کو اپنی بشری استطاعت کے مطابق عدل وانصاف کے ساتھ متوازن رکھنا۔ تیسری قسم

---

[1] اسماعیل حقی، روح البیان، طبع اول (بیروت: دار احیاء التراث العربی، سن ندارد)، ج6، ص414

[2] پالن پوری، سعید احمد، رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجۃ اللہ البالغہ، طبع اول (کراچی: زمزم پبلشرز، 2005ء)، ج1، ص334

[3] تدبیر منزل وہ ہے جو ترقی یافتہ تمدن میں خاندانی تعلقات کی نگہداشت سے بحث کرتا ہے یعنی اس فن میں ان مصلحتوں کو بیان کیا جاتا ہے جن کا تعلق ایک گھر میں بسنے والے افراد کی اجتماعی زندگی سے ہوتا ہے۔ تدبیر کے معنی ہیں انتظام کرنا۔ اس فن کا خلاصہ چار مسائل ہیں۔ 1: نکاح، 2۔ ولادت، 3۔ ملکیت یعنی غلام اور آقا کے معاملات، 4۔ تعاون باہمی کی ضرورت اور اس کی شکلیں۔ (شاہ ولي اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، طبع اول (قاہرہ: دار الکتب الحدیثۃ، 1407ھ)، ج1، ص87)

"سیاست مدن[1]" ہے، یعنی کسی ریاست یا حکومت کے اجتماعی نظم کو توازن اور حکمت و تدبیر کے ساتھ قائم رکھنا کہ جس میں ہر حق دار کو اس کا جائز حق ملے، کسی کی حق تلفی نہ ہو، حفظ مراتب کا پاس ہو۔ قرآن کریم نے ان تینوں کے لیے الگ الگ احکام و ہدایات دیئے ہیں۔ چنانچہ اسلام میں انسان کی انفرادی زندگی، تزکیہ نفس اور ذاتی اخلاق[2] سے لے کر معاشرے کی اصلاح اور ریاستی امور سے متعلق ہدایات اور اصول و ضوابط موجود ہیں، چنانچہ قرآن مجید اور رسول بھیجنے کا مقصد تزکیہ نفس بھی بتایا گیا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾[3]

"تحقیق ہم نے اہلِ ایمان پر احسان کیا کہ ان میں ایک رسول بھیجا، جو انھیں میں سے ہے، ان پر اس کی کتاب کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے"

اسی طرح قرآن کریم نے جگہ جگہ تدبیر منزل (گھریلو نظم و نسق) اور خاندانی نظام کو درست چلانے کے لیے ہدایات پر زور دیا ہے اور حتی الامکان تدبیر منزل (خاندان کی تباہی و بربادی) سے بچانے کی کوشش کی ہے کیونکہ یہی خاندان معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔ اسی طرح سیاست مدن (ملکی اور انتظامی معاملات) میں دین کا کردار بنیادی اہمیت کا حامل ہے حضور اکرم ﷺ نے اپنے عمل سے دین اور سیاست کی تفریق مٹادی۔ چنانچہ آپ ﷺ ایک طرف نبی و رسول بھی تھے تو دوسری طرف عظیم قائد و رہنما بھی۔

مذکورہ دونوں سورتوں (سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبۃ) کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں نزول کے اعتبار سے آخری دو بڑی سورتیں ہیں اس لیے اس میں نسخ کا احتمال کم ہے نیز اس وقت ایک اسلامی معاشرہ اور

---

[1] سیاسۃ المدینہ (نظام حکومت) وہ فن ہے جس میں ایک شہر یا ایک ملک کے لوگوں کے درمیان پائے جانے والے ربط و تعلق کو محفوظ رکھنے کے طریقوں سے بحث کی جاتی ہے۔ "ساس الامر" کے معنی ہیں انتظام کرنا اور "ساس القوم" کے معنی ہیں لوگوں کے امور کی تدبیر کرنا۔ اور مدینہ (شہر) سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں تعلقات پائے جاتے ہوں جن میں باہم معاملات ہوتے ہیں اور جو جدا جدا مکانوں میں بود و باش رکھتے ہوں، خواہ ایک شہر اور ایک بستی میں رہتے ہوں یا مختلف بستیوں میں۔ پس ارتفاق ثالث نام بلدیہ اور نظام مملکت دونوں کو شامل ہے۔ (شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج1، ص92)

[2] اخلاق کی لغوی اور اصطلاحی تعریف صفحہ نمبر 81 پر آرہی ہے۔

[3] سورۃ آل عمران:3:164

سلطنت قائم ہو چکی تھی جس کے لیے اصول وضوابط کی اشد ضرورت تھی اسی بناء پر ان سورتوں میں مذکورہ عنوانات سے متعلق احکام اور اصول وضوابط کا زیادہ احتمال ہے۔ اسی طرح تفسیر تبیان القرآن، ہدایت القرآن، تفہیم القرآن اور تفسیر فی ظلال القرآن کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ یہ چاروں مفسرین زمانہ قریب اور مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں، نیز ان میں سوائے "فی ظلال القرآن" کے بقیہ تین تفاسیر اردو میں ہیں، اس لیے زبان کی مناسبت قائم کرنے کے لیے مواد "فی ظلال القرآن" کے اردو مترجم نسخے سے لیا گیا ہے، چنانچہ اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر پی ایچ۔ڈی کے لیے زیر نظر عنوان "**سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبۃ میں تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدینہ کا اطلاق و تطبیق: (تبیان القرآن، ہدایت القرآن، تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن) کے مشمولات کا علمی و تقابلی مطالعہ**" کا انتخاب کیا گیا۔

2. اہمیتِ موضوع [Significance]

مذکور بالا چاروں تفاسیر (تفسیر تبیان القرآن (سعیدی[1])، ہدایت القرآن (پالنپوری[2]) تفہیم القرآن (از سید مودودی[3])، اور تفسیر فی ظلال القرآن (از سید قطب شہید[4]) میں ان دونوں سورتوں (سورۃ المائدۃ اور سورۃ

---

[1] علامہ غلام رسول سعیدی 14 ستمبر 1937ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ آپ اہل سنت وجماعت (بریلوی مکتب فکر) کے نمائندہ عالم دین اور ایک عظیم محقق ہیں۔ آپ نے قرآن پاک کی دو تفاسیر لکھیں ایک تبیان القرآن دوسری تبیان الفرقان۔ یہ شرح بھی اردو میں بخاری شریف کی بے مثل شرح ہے، آپ نے اس میں چاروں فقہی مذاہب، حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی کو بیان کیا ہے۔ جامع نعیمیہ کراچی کے شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی 79 برس کی عمر میں مورخہ 5 فروری 2016ء انتقال کر گئے۔(سعیدی، غلام رسول، مقدمہ، نعمۃ الباری، طباعت اول (لاہور: رومی پبلی کیشنز، 2007ء)، ج1، ص53)

[2] سعید احمد پالن پوری 1362ھ مطابق 1942ء میں شمالی گجرات میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ تحفۃ القاری، تحفۃ الالمعی، زبدۃ الطحاوی، تفسیر ہدایت القرآن، مفتاح التہذیب، تحفۃ الدرر اور دیگر تلخیصات ان کی مشہور تالیفات وتصنیفات ہیں ۔ پالن پوری 80 برس کی عمر میں 19 مئی 2020 میں انتقال کر گئے -(آفتاب غازی قاسمی؛ عبد الحسیب قاسمی. "مفتی سعید احمد پالن پوری". فضلائے دیوبند کی فقہی خدمات (ایڈیشن فروری 2011). دیوبند: کتب خانہ نعیمیہ، صفحہ 374-377)

[3] سید مودودی 3 رجب 1321ھ (ستمبر 1903ء) کو اورنگ آباد انڈیا میں پیدا ہوئے۔ جماعت اسلامی کے بانی تھے۔ تفہیم القرآن سمیت کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ 22 ستمبر 1979ء کو وفات ہوئے، 5-اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور میں مدفون ہے۔(نعیم صدیقی، المودودی، اشاعت چہارم (لاہور: الفیصل، 1989ء)، ص392)

[4] ان کا اصل نام سید ہے، قطب ان کا خاندانی نام ہے۔ ان کے آباء واجداد اصلاً جزیرۃ العرب کے رہنے والے تھے۔ سید قطب کی پیدائش 1906ء میں مصر کے ضلع اسیوط کے موشا نامی گاؤں میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں ہوئی اور بقیہ تعلیم قاہرہ یونیورسٹی سے حاصل کی اور بعد میں یہیں پروفیسر ہو گئے۔ کچھ دنوں کے بعد وزارت تعلیم کے انسپکٹر آف اسکولز کے عہدے پر فائز ہوئے اور اس کے بعد ''اخوان المسلمین'' سے وابستہ ہو گئے اور آخری دم تک اسی سے وابستہ رہے۔ ان کی اہم ترین تصنیف قرآن کریم کی تفسیر ہے جو ''فی ظلال القران'' کے نام سے عربی میں لکھی گئی ہے۔ اسلام کے اس عظیم مفکر، داعی اور مفسر قرآن کو مصری حکومت کے خلاف سازشیں کرنے کی تہمت میں گرفتار کر لیا گیا اور 29 اگست 1966ء کو انھیں پھانسی دے دی گئی۔ (ڈاکٹر عادل صلاحی، ماہنامہ ترجمان القرآن، سید قطب سے لوگ ناواقف ہیں، نومبر، 2021ء، ص35)

التوبۃ) سے متعلق تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے متعلق احکام اور اصول وضوابط زیادہ موجود ہیں۔ چنانچہ ان مذکورہ عنوانات کے حوالے سے چاروں مفسرین کا منہج، طریقہ استدلال، تعبیرات اور ان کے اطلاق کا جائزہ لیا گیا ہے۔

چنانچہ ان بکھرے ہوئے موضوعات کو ایک جگہ جمع کرنے سے اس کا افادہ واستفادہ عام ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے تحقیقی مقالہ کے لئے زیر نظر عنوان **"سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبۃ میں تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدینہ کا اطلاق وتطبیق: (تبیان القرآن، ہدایت القرآن، تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن) کے مشمولات کا علمی وتقابلی مطالعہ"** کا انتخاب کیا گیا۔

3. جائزہ ادب [Literature Review]

تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدنی پر مختلف جامعات میں دیگر حضرات نے کام کیا ہے، اسی طرح مذکورہ تفاسیر پر بھی کئی جہتوں سے کام ہوا ہے، جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

1. فقہی مسائل کے بارے میں تفاسیر معارف القرآن اور تبیان القرآن کے اسالیب ورجحانات کا تقابلی جائزہ[1]
2. تبیان القرآن میں تفسیر آیات کے ضمن میں سائنسی توجیہات کا تحقیقی مطالعہ[2]
3. تفسیر تبیان القرآن کی فقہی مباحث کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ[3]
4. شادی شدہ خواتین پر گھریلو تشدد کے اسباب واثرات: کراچی کے حوالے سے ایک عمرانیاتی مطالعہ[4]
5. مثالی خاندان کا تصور (قرآن وحدیث کے حوالے سے تجزیاتی مطالعہ)[5]
6. خاندان کی تشکیل: قرآن وحدیث کے حوالے سے تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ[6]

---

[1] خٹک، محمد شہاب اشرف، نگرانِ تحقیق: ڈاکٹر محمد عبد اللہ عابد، شعبہ عربیہ علوم اسلامیہ وتحقیق، گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان صوبہ خیبر پختونخوا، پاکستان، سن تکمیل: 2014ء

[2] عطاء اللہ شاہ، نگران تحقیق: ڈاکٹر شہباز، شعبہ علوم اسلامیہ، سرگودھا یونیورسٹی، بھکر، صوبہ پنجاب، پاکستان، سیشن: 2016ء

[3] حافظ عون محمد سعیدی بن اللہ وسایا، نگران تحقیق: ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن، شعبہ علوم اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور، صوبہ پنجاب، پاکستان، سیشن: 2012ء۔2014ء

[4] مسرت پروین، شعبہ عمرانیات، کراچی یونیورسٹی، صوبہ سندھ، پاکستان، سن تکمیل: 2015ء

[5] محمد لقمان یار خان، نگرانِ تحقیق: عبد الرشید، کلیہ معارف اسلامیہ (اسلامک لرننگ)، یونیورسٹی آف کراچی، صوبہ سندھ، پاکستان، سن تکمیل: 2008ء

[6] ایم ایل یار خان، کلیہ معارف اسلامیہ، (فیکلٹی آف اسلامک لرننگ)، یونیورسٹی آف کراچی، صوبہ سندھ، پاکستان

7. اسلامی اجتماعیت میں خاندان کا کردار[1]

خلاصہ یہ کہ مذکورہ موضوعات پر مختلف زاویوں سے کام ہوا ہے، تاہم مذکورہ موضوع پر ابھی تک کام نہیں ہوا ہے، اسی لیے ان دو سورتوں میں تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے مشمولات کو ان چار تفاسیر (تفہیم القرآن، فی ظلال القرآن، تبیان القرآن اور ہدایت القرآن) کی روشنی میں یکجا جمع کرنا بہت فائدہ مند ہو گا، اسی وجہ سے موضوع کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کو پی ایچ۔ڈی علوم اسلامیہ کے مقالے کے لیے اختیار کیا گیا۔

4. **سوالاتِ تحقیق [Research Questions]**

1. قرآن مجید کی آخری نازل کردہ سورتوں میں شامل سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبۃ (جن میں منسوخ احکام کا احتمال نہ ہونے کے برابر ہے) میں فرد کی اصلاح، گھر کی اصلاح اور ملک کی اصلاح کے حوالے سے کیا کیا احکامات دیئے گئے ہیں؟
2. برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں میں اہل سنت کے کچھ مذہبی گروہ نمایاں ہیں: مثلاً بریلوی مکتب فکر، دیوبندی مکتب فکر، جماعت اسلامی مکتب فکر۔ اور اسی طرح سیاسی اور مذہبی مقاصد پر مبنی تحریک اخوان المسلمون۔ جس نے مسلمانوں خصوصاً نوجوان طبقہ پر دور رس نتائج چھوڑے ہیں۔ عصر حاضر میں فرد کی اخلاقیات، تدبیر منزل اور ملک کی اصلاح یعنی سیاست مدینہ کے حوالے ان کی کیا کاوشیں ہیں۔ ان مکاتب فکر کے چار جلیل القدر معاصر علماء کا انتخاب کیا گیا ہے۔ دیوبند مکتب فکر سے سعید احمد پالنپوری (ہندوستان) اور بریلوی مکتب فکر سے غلام رسول سعیدی (پاکستان) جماعت اسلامی کے سرخیل سید ابو الاعلیٰ مودودی اور اخوان المسلمون کی معروف صاحبِ تصنیف شخصیت سید قطب شہیدؒ۔ زیر نظر مقالہ میں مذکورہ علماء کی آراء کا ایک تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے کہ متذکرہ علماء کو عصر حاضر کے مسائل کا کتنا ادراک ہے اور اس سلسلے میں ان کی سوچ کس حد تک پہنچی ہوئی ہے؟
3. چاروں تفاسیر کا مذکورہ عناوین ثلاثہ میں منہج اور اسلوب کیا ہے اور ان کے مابین اتفاقی اور اختلافی پہلو کیا ہیں؟
4. چاروں تفاسیر کی روشنی میں مذکورہ سورتوں میں فلسفہ تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدنی کی تعلیمات کا اطلاق و تطبیق کس حد تک کیا گیا ہے؟

---

[1] حافظ حسین اظہر، نگرانِ تحقیق: ڈاکٹر نصیر احمد اختر، شعبہ علوم اسلامیہ، کلیہ معارف اسلامیہ، یونیورسٹی آف کراچی، صوبہ سندھ، پاکستان، سن تکمیل: 2009ء

5. مفروضہ تحقیق [Hypothesis]

قرآن و سنت میں اصلاحِ نفس سے لے کر اصلاحِ معاشرہ وملک تک کے لیے اصول وضوابط واضح طور پر بیان کیے گئے ہیں، تاکہ انسانِ مکلف اس پر عمل پیرا ہو کر دنیا وآخرت میں سرخرو ہو سکے۔ چنانچہ تہذیبِ نفس یعنی اپنی شخصیت میں نکھار پیدا کر کے پروان چڑھانا، منفی پہلوؤں سے تطہیر اور مثبت پہلوؤں کو اجاگر کرنا، اسی طرح تدبیر منزل ہے، یعنی ایک گھر یا ایک خاندان جو افراد کا مجموعہ ہوتا ہے کے نظم کو اپنی بشری استطاعت کے مطابق عدل و انصاف کے ساتھ متوازن رکھنا۔ اور سیاست مدن یعنی کسی ریاست یا حکومت کے اجتماعی نظم کو توازن اور حکمت و تدبیر کے ساتھ قائم رکھنا کہ جس میں ہر حق دار کو اس کا جائز حق ملے، کسی کی حق تلفی نہ ہو، قرآن کریم نے ان تینوں کے لیے الگ الگ احکام وہدایات دیئے ہیں۔

مذکور بالا چاروں تفاسیر (تبیان القرآن ،ہدایت القرآن تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن ،)میں ان دونوں سورتوں (سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبۃ) سے متعلق تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے متعلق احکام اور اصول وضوابط زیادہ موجود ہیں۔ چنانچہ ان مذکورہ عنوانات کے حوالے سے چاروں مفسرین کا منہج، طریقہ استدلال، تعبیرات اور ان کے اطلاق و تطبیق کا جائزہ لیا گیا ہے۔

یوں ان بکھرے ہوئے موضوعات کو ایک جگہ جمع کرنے سے اس کا افادہ واستفادہ عام ہو جائے گا۔ نیز درج بالا چاروں تفاسیر میں اصل مصادر کی طرف رہنمائی تو کی گئی ہے مگر احادیث واقوال وغیرہ کی عبارات کی تخریج وتحقیق نہیں کی گئی۔ اسی طرح چونکہ یہ چاروں تفاسیر مختلف مکاتب فکر کی نمائندہ تفاسیر ہیں اس لیے اس سے مذکورہ بالا اصطلاحات تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاستِ مدنیہ سے مستنبطہ تعلیمات اور ان کے مشمولات کا علمی وتقابلی مطالعہ مذکورہ بالا چاروں تفاسیر (تبیان القرآن ،ہدایت القرآن ، تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن) کی روشنی میں جائزہ پیش کیا گیا ہے جو کہ اس موضوع پر ایک نہایت اہم اور مفید کام ثابت ہو گا اور اہل علم اس سے یقیناً مستفید ہوں اور اس کے دوررس اور خوشگوار علمی اثرات مرتب ہوں گے (ان شاء اللہ)۔

6. اہدافِ تحقیق [Objectives]

زیرِ نظر تحقیقی کاوش کے بنیادی اہداف مندرجہ ذیل ہیں:

1. تفسیر تبیان القرآن (سعیدی) ،ہدایت القرآن (پالنپوری) تفہیم القرآن(سید مودودی)اور فی ظلال القرآن(سید قطب)

کے فلسفہ عملی کے منہج واسلوب کا جائزہ لینا۔

2. مختلف مکاتب فکر کے نمائندہ جید علماء کرام کا عصر حاضر کے مسائل کا تدارک رکھنے کی نشاندہی کرنا۔

3. ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے منتخب سورتوں میں فرد کی اصلاح اور معاشرہ کی اصلاح کے حوالے سے مختلف مذہبی مکاتب فکر کا جائزہ لینا۔

4. قرآن مجید کے آخری دو سورتوں میں فلسفہ عملی اور ارتقاقات کی عصر حاضر میں اطلاق اور تطبیق کا جائزہ لینا (منتخب تفاسیر کی روشنی میں)

5. متذکرہ امور کے حوالے سے چاروں تفاسیر کے اتفاقی اور اختلافی پہلوؤں کو اجاگر کرنا۔

8. منہج تحقیق [Research Methodology]

1. چونکہ زیرِ نظر تحقیقی مقالے میں کچھ مباحث سے متعلق چار تفاسیر کا علمی و تقابلی جائزہ لینا مقصود ہے، اس لیے اصولِ تحقیق کے مطابق اس کام میں جائزاتی و تقابلی منہج اپنایا گیا ہے جس میں کسی علمی اور تحقیقی موضوع کے ظاہری ہیئت کو منظّم انداز میں پیش کیا جاتا ہے اور باہم تقابل بھی کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ منہج وصفی اور لائبریری بیسڈ ریسرچ بھی ہے۔ اسی طرح چونکہ اس میں متعلقہ موضوعات کے معاصر تطبیقات کا بھی علمی جائزہ لیا گیا ہے، اس لیے اس میں اطلاقی (Applied methods) طرزِ تحقیق کو بھی اپنایا گیا ہے۔

زیر نظر مجوزہ تحقیقی مقالہ کے آغاز میں موضوع تحقیق کی اہمیت کے بیان پر مشتمل ایک مقدمہ ہے۔ یہ مقالہ چار ابواب اور ذیلی فصول پر مشتمل ہے۔ باب اول چاروں تفاسیر کا تعارف، منہج، مفسرین کے تعارف اور فلسفہ عملی کی تینوں اقسام یعنی تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدینہ کے تاریخی جائزے پر مشتمل ہے۔ دیگر ابواب میں تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے متعلق چاروں تفاسیر کے مشمولات اور ان کے تطبیق کا علمی و تقابلی صورت میں جائزہ لیا گیا ہے۔ خاتمۃ البحث کے عنوان سے تحقیقی کاوش سے اخذ شدہ نتائج اور ان کی روشنی میں سامنے آنے والی تجاویز کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ علمی فہارس کے عنوان کے تحت فہرس آیات، فہرس احادیث، شخصیات واماکن کی فہرست اور فہرس مصادر و مراجع کو الف بائی ترتیب سے درج کیا گیا ہے۔

زیرِ نظر تحقیقی مقالہ میں حوالہ جات کے اندراج میں شعبۂ علومِ اسلامیہ پشاور یونیورسٹی کا مقرر کردہ ریسرچ فارمیٹ برائے تحقیقی مقالات ایم۔ فل و پی۔ ایچ۔ ڈی اختیار کیا گیا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

حوالہ جاتی مواد کے اندراج میں حوالہ بندی کا بین الاقوامی طرز "شکاگو رہنمائے کتابت[1]" اختیار کیا گیا ہے جس میں پہلے مصنف کا نام، اس کے بعد ماخذ و مرجع یعنی کتاب کا نام، اس کے بعد مقامِ طبع، ناشر اور سنِ اشاعت، اس کے بعد جلد اور صفحہ نمبر درج کیا گیا ہے۔ سنِ اشاعت معلوم نہ ہونے کی صورت میں "بدون تاریخ" لکھا گیا ہے۔

- مقالہ میں پہلی مرتبہ کسی کتاب کا حوالہ دیتے وقت اس کے تمام متذکرہ بالا اشاعتی کوائف کا اندراج کیا گیا ہے۔ دیگر مقامات پر اسی کتاب کے بار بار حوالہ دیتے وقت صرف مصنف کا مشہور نام، کتاب کے نام اور جلد اور صفحہ کے اندراج پر اکتفا کیا گیا ہے۔
- حواشی اور حوالہ جات ہر صفحہ کے آخر میں ذیلی حواشی (Footnote) کی صورت میں درج کیے گئے ہیں۔
- کسی شخصیت کا "ترجمہ (Biography)" مختصر مگر جامع انداز میں باحوالہ تحریر کرنے کی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے۔
- مقالہ کے تمام ابواب و فصول میں یکسانیت کی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے، البتہ بعض ابواب اندرونی مواد کے باعث تطویل کا شکار ہوئے ہیں۔
- قرآنی آیات کے ترجمہ کے لیے "آسان ترجمۂ قرآن" از مفتی محمد تقی عثمانی[2] پر انحصار کیا گیا ہے۔
- مقالہ کے مواد تحریر کرنے کے لئے ایم ایس ورڈ (MS Word) پروگرام استعمال کیا گیا ہے۔ اردو عبارت کے لیے "Jameel Noori Nastaleeq" جب کہ قرآنی آیات کے لیے "Muhammadi Quranic Font" احادیث نبویہ اور عربی عبارت کے لیے "Traditional Arabic" فونٹ کا انتخاب کیا گیا ہے۔ غرض تمام امور یونیورسٹی کے مقررہ کردہ منہج اور فارمیٹ کے عین مطابق ہیں۔

---

[1] حوالہ بندی اور مصدر نویسی کا شکاگو اسلوب، اس کو مختصراً CMS یا CMOS کہتے ہیں جو Chicago Manual of Style کا مخفف ہیں۔ اس اسلوب میں متن میں متعلقہ جگہ حوالہ نمبر لکھ کر زیریں حاشیہ میں مختصر حوالہ جات کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس میں پہلے مصنف / مؤلف کا نام، پھر کامہ، پھر جلی حروف میں کتاب کا نام، پھر قوسین میں مقامِ اشاعت، ناشر اور سنِ اشاعت دیا جاتا ہے، پھر بریکٹ کے بعد کامہ اور اس کے بعد جلد اور صفحہ نمبر دیا جاتا ہے۔ [ڈاکٹر نیاز محمد، ڈاکٹر سعید الرحمٰن، اسلامی تحقیقات میں حوالہ نگاری و مصادر نویسی کے معاصر اسالیب کے اطلاق کا ناقدانہ جائزہ، ص10، 9]

[2] مفتی محمد تقی عثمانی کی ولادت 5 شوال 1362ھ مطابق 03 اکتوبر 1943ء کو ضلع سہارنپور کے قصبہ دیوبند میں ہوئی۔ دینی اور عصری علوم کی جامع بین الاقوامی شخصیت کے مالک ہیں۔ عربی، اردو اور انگریزی زبان میں کئی کتابیں تحریر کی ہیں۔ چند تصنیفات یہ ہیں: تکملۃ فتح الملہم بشرح صحیح مسلم، بحوث في قضايا فقهية معاصرة، أحكام الذبائح، توضیح القرآن وغیرہ۔ [لقمان حکیم، **لمحات من حياة القاضي محمد تقي العثماني** تلخيصًا، (کراچی: مكتبة الحكمة، 1420ھ)، ص6 تا 10]

باب اول: تعارفِ موضوع، تفاسیر، مفسرین کا اجمالی تعارف اور تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاستِ مدنیہ کا تعارف اور تاریخی پس منظر

فصل اول: تفسیر تفہیم القرآن، فی ظلال القرآن، تبیان القرآن اور ہدایت القرآن کا اجمالی منہج، اسلوب اور مفسرین کا تعارف اور علمی خدمات

فصل دوم: فلسفہ عملی کی تین اقسام: تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے عناوین کا تعارف اور تاریخی جائزہ

فصل سوم: قرآن مجید میں مذکورہ عنوانات کا عمومی مطالعہ اور سورۃ المائدۃ وسورۃ التوبۃ میں خصوصی مطالعہ کی اہمیت

خلاصہ باب

فصل اول: تفسیر تفہیم القرآن، فی ظلال القرآن، تبیان القرآن اور ہدایت القرآن کا اجمالی منہج، اسلوب اور مفسرین کا تعارف اور علمی خدمات

سید قطب شہید اور ان کی تفسیر "فی ظلال القرآن" کا تعارف

شہید اسلام سید قطب کا شمار امت مسلمہ کی ان چند برگزیدہ ہستیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے تاریک ادوار میں روشنی کے چراغ جلائے اور اسلامی نظام زندگی کو اپنے خون سے سینچا۔ سید قطب ایک مشہور مصری ادیب، مصنف اور اسلامی نظریہ دان تھے۔ ان کے افکار اور نظریات اپنے ہم عصر مفکرین جیسے ابوالاعلیٰ مودودی کے افکار سے متاثر تھے اور انہوں نے آٹھویں صدی کی بنیاد پرست سوچ جیسے ابن تیمیہ کے افکار کے احیاء میں اہم کردار ادا کیا۔ 1970 کی دہائی میں، ایک صاحب نظر کے طور پر، انہوں نے اخوان المسلمین کی بنیاد پرستی کی قیادت کرنے کا کردار ادا کیا اور 1960 کی دہائی کے اوائل میں اخوان کے دوبارہ ابھرنے میں کلیدی کردار ادا کیا، اور اخوان المسلمین کے دوبارہ اتحاد کے اہم عوامل میں سے ایک بن گیا۔ آج مصر اور عرب ممالک میں سید قطب کے افکار اور ان کے بعد کے اسلام پسندوں کے افکار پر اثرات کو تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ ان کی پھانسی کے برسوں گزرنے کے ساتھ، ان کا کردار اور فکر ایک مبارزہ اور جہاد کے نمونہ کے طور پر اسلام پسند گروہوں کے ذہنوں اور اعمال میں زندہ ہے، اور کچھ اسلام پسند گروہ اب بھی انہیں اپنا روحانی پیشوا اور جدوجہد کا نمونہ مانتے ہیں۔

خاندانی پس منظر

سید قطب کا اصل نام سید ہے قطب ان کا خاندانی نام ہے ان کے والد کا نام حاجی قطب ابراہیم اور والدہ کا نام فاطمہ حسین عثمان تھا۔ دونوں عربی النسل تھے۔ سید قطب اپنے والدین کے سب سے بڑے لڑکے تھے۔ اور ان کے آباء و اجداد جزیرۃ العرب کے رہنے والے تھے۔ ان کے خاندان کے ایک بزرگ وہاں سے ہجرت کرکے بالائی مصر کے علاقے میں آباد ہوگئے۔ ان کا کنبہ ایک زمیندار گھرانہ تھا اور آپ کے والد محترم کا شمار اپنے خاندان اور علاقہ کے بڑے بزرگوں میں ہوتا تھا، جملہ سیاسی وسماجی وانتظامی مسائل میں آپ کے والد بزرگوار کی رائے کو ایک طرح سے فیصلہ کن مقام حاصل تھا۔ گویا قیادت کی صلاحیت سید قطب کو خاندانی وراثت سے ہی ملی تھی۔ آپ کے والد کی ایک خاص بات ہفتہ وار مجالس ہیں جن میں اس وقت کے سیاسی و قومی معاملات کو قرآن کی روشنی میں سمجھا جاتا تھا۔ اس

طرح گویا قرآن فہمی بھی آپ کو اپنے بابا کی طرف سے علمی وراثت میں ملی تھی۔ اسی کے باعث لڑکپن سے ہی روایتی ملائیت کے خلاف ان کے اندر شدید نفرت کی آگ بھڑک اٹھی تھی، کیونکہ روایتی مذہبی تعلیم کے مدارس قرآن مجید کی انقلابی تعبیر سے بہت بعید ہوتے ہیں آپ بچپن سے ہی کتب کے بہت شوقین تھے، اپنی جیب خرچ سے پیسے بچاتے ہوئے اپنے ہی گاؤں کے کتب فروش 'المصالح' سے کتابیں خرید لیتے تھے اور بعض اوقات شوق مطالعہ انہیں ادھار پر بھی مجبور کر دیتا تھا۔[1]

بارہ سال کی عمر میں ان کے پاس پچیس کتابوں کی لائبریری مرتب ہو چکی تھی، گویا امت مسلمہ کا یہ یکے از مشاہیر اپنی جسمانی عمر سے دوہری نوعیت کی ذہنی و فکری عمر کا حامل تھا۔ اس چھوٹی عمر میں بھی لوگ ان سے اپنے سوالات کیا کرتے تھے اور بعض اوقات بڑی عمر کے لوگوں کی ایک مناسب تعداد ان سے اجتماعی طور پر کسب فیض بھی کرتے تھے تاہم خواتین کو ان کی اسکول کی چھٹی کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔[2]

سوانح عمری

ان کی پیدائش 9 اکتوبر 1906ء میں مصر کے ضلع اسیوط[3] کے موشا نامی گاؤں میں ہوئی اور ان کے والد ایک سمجھدار اور عاقل اور نیشنل پارٹی کی کمیٹی کے رکن تھے، اور ان کے خاندان کے بزرگ تھے، جو کہ ان کی عزت اور زندہ دل تھے، اس کے علاوہ وہ اپنے طرز عمل میں بھی مذہبی تھے۔ سید قطب نے اپنی کتاب "مشاهد القيامة في القرآن" قرآن میں قیامت کے مناظر اپنے والد کے نام منسوب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"إلى روحك يا أبي أتوجه بهذا العمل . لقد طبعت في حسي – وأنا طفل صغير – مخافة اليوم الآخر . لم تعظني أو تزجرني ، ولكنك كنت تعيش أمامي ، واليوم الآخر في حسابك ، وذكراه في ضميرك وعلى لسانك ... كنت تعلل تشددك في الحق الذي عليك ، وتسامحك في الحق الذي لك بأنك تخشى اليوم الآخر .

---

[1] ترجمة الأستاذ الشهيد سيد قطب (شہید سید قطب کی زندگی نامہ)-odabasham.net-(عربی زبان)- شائع شدہ از: 25 اکتوبر 2010ء-، تاریخ رسائی، 20 اپریل 2024ء

[2] ابو طالب انصاری، اجالے ماضی کے، طبع اول (بھیونڈی: مکتبہ اسلامی، 2006ء)، ص 22

[3] اسیوط دریائے نیل کے مغرب میں صعید کے علاقے کا ایک شہر ہے جو ہموار زمین پر واقع ہے، بہت سی نعمتوں اور حیرت انگیز تفریحی مقامات سے بھرپور ہے۔ جب ہارون الرشید کے لیے دنیا کی تصویریں بنائی گئیں، تو اسے صرف اسیوط کا علاقہ پسند آیا، کیونکہ وہاں بے شمار نعمتیں اور تفریحی مقامات تھے۔ اس شہر میں عیسائیوں کے 57 گرجا گھر موجود ہیں۔ اسیوط مصری افیون کی پیداوار کے لیے مشہور ہے۔ [قزوینی، ابو عبداللہ بن زکریا، آثار البلاد و أخبار العباد (بیروت: دار عالم الکتب)، ج 1، ص 58]

وكنت تعفو عن الإساءة وأنت قادر على ردها ، لتكون لك كفارة في اليوم الآخر . وكنت تجود أحياناً بما هو ضرورة لك لتجده ذخراً في اليوم الآخر....
وإن صورتك المطبوعة في مخيلتي ، ونحن نفرغ كل مساء من طعام العشاء ، فتقرأ الفاتحة وتتوجه بها إلى روح أبويك في الدار الآخرة ، ونحن أطفالك الصغار نتمتم مثلك بآيات منها متفرقات ، قبل أن نجيد حفظها كاملات"[1]

"اے میرے باپ! اس عمل کے ساتھ میں آپ کی روح سے مخاطب ہوں۔ یقیناً آپ نے مجھ میں یوم آخرت کا خوف نقش کر دیا تھا، درآں حالیکہ اس وقت میں بچہ تھا۔ اور آپ نے مجھے نصیحت نہیں کی اور نہ ہی ملامت کی، بلکہ آپ میرے سامنے رہتے تھے، اور آخرت کا دن آپ کے حساب، پ کے ضمیر میں اور آپ کی زبان پر اس کی یاد رہتی تھی۔ آپ نے اپنے حقوق میں اپنی سختی اور اپنے حقوق کی رواداری کو یہ کہہ کر واضح کیا کہ آپ کو روزِ آخرت کا خوف ہے۔ آپ گناہ کو معاف فرما دیتے اور آپ اس کو دفع کرنے پر قادر تھے، تاکہ آپ کو قیامت کے دن کفارہ مل جائے۔ بعض اوقات آپ وہ چیز دیتے جو آپ کے لیے ضروری تھا صرف آخرت کے دن اسے بطور اثاثہ تلاش کرنے کے لیے۔ اور آپ کی تصویر میرے تخیل میں نقش ہے جب ہم ہر شام رات کا کھانا ختم کرتے تھے تو آپ سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں اور اسے آخرت میں اپنے والد کی روح کے لیے ہدیہ کرتے، اور ہم، آپ کے چھوٹے بچے، آپ کی طرح، متفرق آیات اس سے پہلے کہ ہم انہیں مکمل طور پر حفظ کرنے میں اچھے ہوں"[2]

جب آپ اسکول گئے تو ایک نئی خوبی نمودار ہوئی، اس کے علاوہ اس کی والدہ کی طرف سے خود اعتمادی اور والد کی طرف سے یہ ایک پختہ ارادہ تھا، جس کا ثبوت صرف دس سال کی عمر میں ان کا پورا قرآن پاک حفظ کرنا تھا۔ احساس اور خود اعتمادی کے عروج نے 1919 کے انقلاب کی راہ ہموار کرنے والی سیاسی اور سماجی جدوجہد نے ان پر وطن کی محبت کے جذبے کے ساتھ اثر ڈالا۔ اور وہ آزادی کے جذبے سے بھی متاثر ہوئے۔ ان کے گھر میں رائے کا سمپوزیم تھا،

---

[1] سید قطب، مشاهد القيامة في القرآن، چودھویں طباعت (مصر: دار الشروق، 2002ء)، ص 5

[2] ترجمة الأستاذ الشهيد سيد قطب (شہید سید قطب کی زندگی نامہ) -odabasham.net (عربی زبان) - شائع شدہ از: 25 اکتوبر 2010ء -، تاریخ رسائی، 20 اپریل 2024ء

جس میں سید قطب نے نیشنل پارٹی کا اخبار پڑھا اور پھر تقریریں اور نظمیں لکھ کر عبادت گاہوں اور مساجد میں پھینکتے تھے۔

تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کرنے کے بعد ثانوی تعلیم تجہیزیہ دارالعلوم نامی ایک اسکول میں حاصل کی۔ اس اسکول میں طلباء کو دارالعلوم میں داخلہ کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر آپ 1929ء میں قاہرہ کے دارالعلوم میں داخل ہوئے۔ 1932ء میں آپ نے بی۔ اے کی ڈگری اور ڈپلومہ ان ایجوکیشن حاصل کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے محکمہ تعلیم میں بحیثیت انسپکٹر آف سکولز ملازمت اختیار کرلی اور 1952ء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اسی دوران 1954ء میں آپ اخوان المسلمون سے متعارف ہوئے۔ اور آخری دم تک اسی سے وابستہ رہے اور 2 جولائی 1954ء میں آپ کو اخوان کے شعبہ نشر واشاعت نے اخبار ''الاخوان المسلمون'' کا ایڈیٹر مقرر کیا[1]۔

قاہرہ کی طرف ہجرت

سید قطب چودہ سال کی عمر میں قاہرہ گئے اور تقدیر نے انہیں ایک باضمیر خاندان کے ساتھ رہائش کی ضمانت دی جس نے انہیں تعلیم کی ہدایت کی، جو کہ ان کے چچا کا خاندان تھا، جو ایک استاد اور صحافی کے طور پر کام کرتے تھے، اس لڑکے میں سیکھنے کا شدید شوق تھا۔ 1929ء سے 1933 کے دوران برطانوی تعلیمی اداروں سے عصری تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ایک معلم کی حیثیت سے کیا۔ پیشہ ورانہ زندگی کی ابتدا میں ہی ادیب اور نقاد ہونا آپ کی پہچان بن گئی تھی۔ اگرچہ کچھ ناول بھی لکھے لیکن زیادہ تر ادیبوں، شاعروں اور عربی ناول نگاروں کی مدد کرتے رہے۔ علوم و معارف میں ترقی آپ کی پیشہ ورانہ ترقی کا باعث بھی بنی اور 1939ء میں مصر کی وزارت تعلیم جس کا مقامی نام 'وزارت معارف' ہے، میں انتظامی عہدوں پر تعینات ہو کر اعلی افسر بن گئے[2]۔

امریکہ کا سفر

1948 تا 1950 سید قطب نے امریکہ میں قیام کیا، جس کا مقصد وہاں کے تعلیمی نظام سے آگاہی حاصل کرنا تھا۔ ان کا کسی بھی مغربی ملک میں یہ پہلا دورہ تھا۔ نام نہاد سیکولر معاشرہ کی قباحتیں آپ نے بہت گہرائی سے محسوس کیں اور خاص طور پر مغربی دنیا کا جو روشن چہرہ سارے عالم کے سامنے ہے اس کے اندرون میں چنگیز سے تاریک تر تاریکی

---

[1] شہید سید قطب (آیت جہاد)-taqribstudies.ir (فارسی زبان)-، تاریخ رسائی، 21 اپریل 2024ء

[2] عفت علی پور، اندیشہ سیاسی سید قطب، تہران، احسان 1388، ص 55

آپ نے بنظر خود مشاہدہ کی، دل میں موجود ایمان بھڑک اٹھا اور اسی دورہ کے موقع پر آپ کی پہلی شہرہ آفاق تصنیف "العدل الاجتماعیة فی الاسلام" 1949ء میں شائع ہوگئی۔ امریکہ میں دو سالہ قیام کے دوران کے تاثرات اور مشاہدات بھی امریکہ، جو میں نے دیکھا کے عنوان سے کتاب میں شائع ہوئے۔ علامہ اقبال کی طرح انتہائی دیانت داری سے سید قطب نے امریکی معاشرے کا تجزیہ پیش کیا، جہاں خامیوں اور کمزوریوں پر تنقید کی جب کہ اس معاشرے کی خوبیوں کو بھی واضح کر دیا۔

انہیں ایک پرائمری اسکول ٹیچر کے طور پر کام کرنے پر مجبور کیا گیا تھا تاکہ وہ اپنی تنخواہ اور اپنی پرانی وراثت کے علاوہ کسی کی پرواہ کیے بغیر اپنی اعلیٰ تعلیم مکمل کر لے یہ تبدیلی کمیونٹی کے ساتھ براہ راست رابطے کی ایک وجہ تھی، جس سے نمٹنے کا طریقہ گاؤں والوں کے انداز اور تجربے سے مختلف تھا۔ جس نئے معاشرے میں انہوں نے زندگی گزاری اس نے صحت مند شہر میں زندگی کے ترازو کو بدل دیا اور قاہرہ میں غیر ملکی قبضوں کی برائیاں اور سیاست کی خرابیاں عیاں ہوئیں، جہاں طبقاتی تقسیم اور متعصبانہ تصادم کے عوامل غالب تھے، اور خود غرضی اور اس کے نتیجے میں منافقت اور طرف داری مروجہ روح بن گئی[1]۔

آزمائشیں

1950ء کے آغاز سے ہی اس ذہین انسان کو مذہب نے اپنی طرف کھینچ لیا اور انہوں نے اخوان المسلمین میں شمولیت اختیار کر لی۔ ابتداء میں آپ کی علمی استعداد کے باعث اخوان المسلمین کے ہفتہ وار رسالے کا مدیر اور مسوول مقرر کیا گیا بعد میں اخوان المسلمین کے مرکزی ذمہ دار برائے نشرواشاعت منتخب ہوئے اور پھر ان کا خلوص اور تقویت ایمان انہیں اس تنظیم کے اعلیٰ ترین مشاورتی ادارے کی رکنیت تک لے آئے۔ ان دنوں جمال عبد الناصر نے حکومت کے خلاف تحریک چلا رکھی تھی پہلے اخوان المسلمین اور جمال عبد الناصر کے تعلقات بہت اچھے رہے تھے اور ایک بار تو جمال عبد الناصر خود چل کر سید قطب کے گھر بھی گئے تاکہ انقلاب کی کامیابی کیلئے تفصیلی منصوبہ تیار کیا جائے۔

اس کے بعد بارہ بارہ گھنٹے طویل نشستوں میں جزیات پر بھی بحث کی جاتی رہی اور اس دوران شہید قطب کو آنے والی

---

[1] شہید سید قطب « شاهد بیدار »; (1906-1966م) (شہید قطب، شہید بیدار) -hawzah.net (فارسی زبان) شائع شدہ از: 18 مئی 2018ء-، تاریخ رسائی، 21 اپریل 2024ء

حکومت میں وزارتوں کی پیشکش بھی کی جاتی تھی۔ جمال عبد الناصر[1] کے ان اقدامات کے باعث اخوان المسلمین کی اکثریت بہت خوش ہو گئی تھی کہ شاید اب نفاذ اسلام کی راہ ہموار ہو رہی ہے۔1952ء کے دوران جمال عبدالناصر نے ایک بغاوت کے ذریعے مصری حکومت کو چلتا کر دیا اور خود اقتدار کے ایوانوں پر قابض ہوگئے اور نفاذ شریعت کے تمام وعدوں سے منحرف بھی ہو گئے۔ بہت جلد جمال عبد الناصر کو سیکولرازم کی روایتی بدعہدی نے اخوان المسلمین سے بہت دور کر دیا کہ مسلمانوں کو پہلے دن سے ہی {لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ}[2] "تمہارے لیے تمہارا دین ہمارے لیے ہمارا دین" کا سبق پڑھا دیا گیا تھا۔

اسلام اور سیکولرازم اکٹھے نہ چل سکے۔ اس کے باوجود بھی اخوان المسلمین عوام کے اندر نظریاتی اور خدمت خلق کا کام کرتی رہی اور عوام الناس میں مقبول تر ہوتی رہی۔ بہت جلد مصر کے سیکولر حکمرانوں کیلئے 'اخوان المسلمین' کا وجود ہی ناقابل برداشت ہو گیا اور 1954ء کے دوران بغاوت کے جھوٹے الزامات کے تحت سید قطب شہید سمیت 'اخوان المسلمین' کے ہزارہا کارکنوں اور مقتدر رہنماؤں کو قید و بند میں ڈال دیا گیا اور انہیں بدترین تشدد اور انتہائی غیر اخلاقی اور غیر انسانی بہیمانہ مار پیٹ کا نشانہ بنایا گیا کہ سیکولرازم کو یہی رویہ ہی زیب دیتا تھا۔[3]

عدالتی شکنجہ

تین سال کی طویل مدت تک جب طاغوت اپنی پوری کوشش کے باوجود اخوان المسلمین کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہ کر سکا تو استعمار کی رگیں ڈھیلی پڑ گئیں اور سید قطب کو محدود نقل و حرکت اور لکھنے کی اجازت مل گئی۔ مصر میں "فی ظلال القرآن" پس دیوار زنداں سے منظر عام پر آئی اور آہنی سلاخون کا دوسرا عرق "معالم فی الطریق" کے عنوان سے امت کو میسر آیا۔ اب تک ان کتب کے بے شمار طباعتیں اور بہت ساری زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔

---

[1] جمال عبد الناصر 15 جنوری 1918ء کو مصر کے شہر اسکندریہ میں پیدا ہوئے۔ 1954ء سے 1970ء میں اپنی وفات تک مصر کے صدر رہے۔ وہ عرب قوم پرستی اور نو آبادیاتی نظام کے خلاف اپنی پالیسی کے باعث مشہور ہوئے۔ عرب قوم پرستی انہی کے نام پر ناصر ازم کہلاتی ہے۔ ناصر 28 ستمبر 1970ء کو قاہرہ میں عرب ممالک کے رہنماؤں کے اجلاس کے بعد دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔(https://www.britannica.com/biography/Gamal-Abdel-Nasser — تاریخ رسائی، 13 ستمبر 2024ء)

[2] سورۃ الکافرون: 6:109

[3] سید قطب، (مترجم) حامدی، خلیل احمد، معالم فی الطریق، ترجمہ: جادہ و منزل، طبع چہارم (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، 1975ء)، ص 21

1964ء کے دوران انہیں عراق کے صدر عبد السلام عارف[1] کی سفارش پر رہا کر دیا گیا یہ ایک اورامر تعجب ہے کہ مصر کے مشاہیر کو عالمی حمایت تو حاصل ہوتی ہے لیکن اپنے ہی وطن کے حکمران ان کی نہایت ناقدری پر ہی کمربستہ رہتے ہیں۔ محض آٹھ ماہ کی مختصر مدت کے بعد ہی انہیں "معالم فی الطریق" جیسی کتاب لکھنے کے جرم میں دھر لیا گیا جب کہ اس مرد مجاہد نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر عدالت میں اپنی تحریر کردہ کتاب پر کسی طرح کا معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے کی بجائے ڈنکے کی چوٹ پر اپنے موقف کے حق میں پُرزور دلائل پیش کئے۔[2]

معالم فی الطریق کا تعارف

معالم فی الطریق 12 ابواب پر مشتمل 160 صفحات کی مختصر سی کتاب ہے، لیکن محققین کے مطابق گزشتہ صدی میں عربی زبان میں اس سے عمدہ کتاب شاید نہیں لکھی گئی۔ اس کتاب میں امت کو جھنجوڑا گیا ہے کہ قرآن مجید کی فراہم کردہ بنیادوں پر ایک نئی فکر اور نئے معاشرے کا قیام عمل میں لایا جائے۔ اس کتاب کے مضامین کافی حد تک محمد اقبال کے خطبات فکر اسلامی کی تجدید نو سے ملتے جلتے ہیں۔ ان کی بنیادی اٹھان تو ادیب اور شاعر کی حیثیت سے ہی تھی اور قرآن مجید جیسی الہامی کتاب میں بھی صرف ایک چیلنج ہے اور ادیبوں اور شاعروں کو ہے کہ اس جیسی کوئی کتاب یا سورہ یا آیت ہی بنا کر دکھادو۔ مصر کی تاریخ گواہ ہے کہ جب ادب و نقد اور قرآن مجید یکجا ہو گئے تو معالم فی الطریق جیسی مختصر کتاب سے ہی باطل شکست کھا گیا۔ سیکولرازم جیسے انسان دشمن نظریہ کی عدالتوں سے انصاف کی توقع رکھنا گویا اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے[3]۔

علمی آثار

سید قطب شہید کی شہرہ آفاق تصانیف شائع ہو کر شرق و غرب میں پھیل چکی ہیں، چند تصانیف درج ذیل ہیں:

(1) في ظلال القرآن. (2)مشاهد القيامة فی القرآن. (3) التصوير الفني في القرآن

(4)معالم علی الطريق (5)خصائص التصور الإسلامی. (6)اولیات هذا الدين

---

[1]عبد السلام محمد عارف الجمیلی 21 مارچ 1921ء میں پیدا ہوئے تھے۔ 1963ء سے لے کر 1966ء تک عراق کے صدر تھے۔ انھوں نے 14 جولائی کے انقلاب میں اہم کردار ادا کیا، جس میں 14 جولائی 1958ء کو فیصل دوم شاہ عراق (ہاشمی) بادشاہت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ مئی 1964ء کو عارف نے مصر کے ساتھ مشترکہ صدارتی کونسل قائم کی۔ 1966ء میں طیارے کے حادثے میں فوت ہوئے۔ (: https://www.britannica.com/biography/Abd-al-Salam-Arif، تاریخ رسائی، 13 ستمبر 2024ء)

[2]سید قطب، (مترجم) حامدی، خلیل احمد، معالم فی الطریق، ترجمہ: جادہ و منزل، ص 29-32

[3]نصیر زرواق، مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ فی فکر الامام سید قطب، دار السلام مصر، 2009ء، ص 665۔

(7)فی موکب الایمان (8) مهمة الشاعر فی الحیاة، وشعر الجیل الحاضر(9) فی ظلال الیسیر
(10)الشاطئ المجهول (11)المدينة المسحورة (12)نقد كتاب مستقبل الثقافة في مصر
(13)أمريكا التي رأيت (14)الصبح يتنفس (15)النقد الأدبي: أصوله ومناهجه.
(16)طفل من القرية (17)مقومات التصور الإسلامي. (18)الدلاله النفسیه للالفاظ والتراكيب العربية
(19)نحو مجتمع الاسلامی (20)دراسات الاسلامیه (21)العدالة الاجتماعية فی الإسلام.
(22)المستقبل لهذا الدين (23)معركة الاسلام ، الراسمالية (24)معركتنا مع اليهود
(25)قيمة الفضيلة بين الفرد والجماعة،حدثيني(26)السلام العالمی والاسلام (27)فی التاریخ فكرة و منهاج
(28)هل نحن متحضرون؟ (29)شیلوک فلسطین او قضية فلسطين (30)وظيفة الفن والصحافة العدالة الاجتماعية
(31)هم الحياة (32)این انت یا مصطفی کامل؟ (33)كيف وقعت مراكش تحت الحماة الفرنسية؟
(34)هتاف الروح (35)فلنعتمد علی انفسنا (36)ضريبة الذل (37)این الطریق؟[1]

گرفتاری

مصر کے صدر جمال ناصر کے تاریک دور آمریت میں کئی بار آپ کو پابند سلاسل کیا گیا۔ اخوان المسلمین سے آپ کی وابستگی مصری حکومت کو بہت کھٹکتی تھی۔ جمال ناصر کے دور میں جب آپ کو گرفتار ہوئے تقریبا10 سال ہو چکے تھے۔ مصر کی حکومت نے یہ پیشکش کی کہ آپ چند سطور لکھ دیں جن میں مصری حکومت سے معافی کی درخواست کی گئی ہو آپ نے کہا کہ "مجھے تعجب ہوتا ہے ان لوگوں پر جو یہ کہتے ہیں کہ باطل سے معافی مانگ لے۔ اگر میری گرفتاری قدرت کی طرف سے ہے تو میں اسی میں خوش ہوں اور اگر میری گرفتاری باطل کی طرف سے ہے تو میں باطل سے رحم کی بھیک مانگنے کیلیئے ہرگز تیار نہیں۔" اس کے بعد آپ پر ظلم وستم کا سلسلہ مزید تیز کر دیا گیا[2]۔

شہادت

تاریخ شاہد ہے کہ دور غلامی کے بدترین اثرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قوموں کو ماضی کے صفحات میں دفن کر

---

[1] شہید سیروس، اندیشه ھای سیاسی سید قطب، انتشارات مرکز اسناد انقلاب اسلامی، 1383، ص40۔

[2] مروری برزندگانی شہید سید قطب (شہید سید قطب کی زندگی پر ایک نظر)-okhowah.com (فارسی زبان)- شائع شد از تاریخ 20:جون 2015ء- اخذ شدہ بہ تاریخ: 21اپریل 2024ء۔

کے اس دنیا سے ان کا وجود نابود کر دیتا ہے لیکن امت مسلمہ تاریخ انسانی وہ محترم و متبرک گروہ ہے جس کی کو دور غلامی میں بھی علمیت و قیادت کے بارآور ثمرات سے سرسبز و شاداب رہی ہے۔ سید قطب اس امت وسط کے وہ مایہ ناز سپوت ہیں جنہوں نے دور غلامی کے پروردہ استعمار کے سامنے سپر ڈالنے کی نسبت شہادت کے اعلی ترین منصب کو پسند کیا۔ سید قطب مصر کے نامور ماہر تعلیم، مسلم دانشور اور عربی کے معروف شاعر تھے۔ اخوان المسلمین سے وابستگی ان کے لیے جہاں باشعور مسلمان حلقوں میں تعارف کا باعث بنی وہاں امت مسلمہ کو ذہنی طور پر دور غلامی سے نکالنے کے لیے انہوں نے قلم کے ہتھیار کو بھی استعمال کرنا شروع کر دیا۔ مصر کے غلامی زدہ سامراج کو سید قطب کی قلمی کاوشوں کے نتیجہ میں مسلمانوں کا باشعور ہونا پسند نہ آیا اور وقت کے طاغوت نے اس بطل حریت کو راہی ملک عدم کر دیا۔ انبیا کرام علیہم السلام کے بعد، انسانی تاریخ میں یہ آسمان شاید پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا کہ ملزم کس شان سے نہ صرف اعتراف جرم کر رہا ہے بلکہ اپنے جرم کے حق میں مضبوط ترین دلائل بھی بیان کر رہا ہے۔ اسلام کے اس عظیم مفکر، داعی اور مفسر قرآن کو ان کی شہرہ آفاق کتاب "معالم علی الطریق" لکھنے پر مصری حکومت کے خلاف سازشیں کرنے کے بے بنیاد الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ چنانچہ پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے مطابق شہید سید قطب سمیت چھ اور اسلامیان مصر کو سزائے موت سنا دی گئی اور 25 اگست 1966 کو پھانسی دے دی گئی۔ آپ پھانسی کے پھندے پر جھول کر ابدی حیات جاوداں کے راستہ پر ہمیشہ کیلئے کامیاب و کامران ہو گئے۔

تفسیر "فی ظلال القرآن" کا تعارف و خصوصیات

مصنف نے فی ظلال القرآن میں قرآن پاک کی اثر انگیزی، جس نے عرب کی کایا پلٹ دی تھی، کی راہ میں حائل پردوں کو چاک کر دیا ہے۔ اس کے ذریعے قرآن پاک کا مطالعہ کرنے والا اس تحریک کے ساتھ جا کھڑا ہوتا ہے جو ہبوط آدم علیہ السلام کے وقت سے روئے زمین پر برپا ہوئی اور انبیاء علیہم السلام کی قیادت میں چلتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے دور تک آ پہنچی۔ آپ ﷺ کے بعد بھی یہ تحریک زندہ اور قیامت تک جاری رہی۔

قرآن کریم کے فہم و تدبر کی کوششیں زمانہ قدیم سے جاری ہیں، چنانچہ مختلف زمانوں اور زبانوں میں سیکڑوں مکمل اور ہزاروں جزوی تفاسیر معرضِ وجود میں آئی ہیں۔ خاص طور سے عربی زبان ایسی قیمتی کتبِ تفسیر سے مالامال ہے۔ بیسویں صدی عیسوی میں عربی زبان میں لکھی جانے والی تفسیروں میں شہید سیّد قطب کی تفسیر "فی ظلال القرآن" متعدد پہلوؤں سے خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

سید قطب مصر کے مشہور دانش ور، مفکّر، ادیب، صحافی اور ماہر تعلیم تھے۔ سید قطبؒ نے اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لیے سرگرم زندگی گزاری اور قید و بند کی مشکلات جھیلیں، لیکن ان کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی۔ ان کا علمی کام مختلف جہات میں ہے۔ ان کی تفسیر 'فی ظلال القرآن' کو عالمی سطح پر شہرت حاصل ہوئی اور دنیا کی متعدد زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس تفسیر کا زیادہ تر حصہ انہوں نے قید و بند کے دوران ہی لکھا تھا۔

فی ظلال القرآن تفسیری سرمایہ کی قابلِ قدر، عظیم اور انفرادی اہمیت کی حامل تفسیر ہے۔ اس کا تعارف کراتے ہوئے پاکستان کے مشہور عالم و مصنف اور تحریک اسلامی کے سرخیل مولانا خلیل احمد حامدی[1] نے لکھا ہے:

> "سید قطب کا سب سے عظیم کارنامہ ان کی تفسیر 'فی ظلال القرآن' ہے۔ یہ اصطلاحی معنوں میں تفسیر نہیں ہے اور نہ متداول تفاسیر کے اسلوب میں اسے لکھا گیا ہے۔ یہ در اصل ان تاثرات سے عبارت ہے جو مطالعہ قرآن کے دوران ان پر طاری ہوئے، لیکن

---

[1] خلیل احمد حامدی 10 اپریل کو موضع حامد کے ضلع فیروز پور ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ 1949 کو جماعت اسلامی کے رکن بنے جماعت کے ماہنامہ المنصور کے مدیر بنے بین الاقوامی سید مودودی انسٹی ٹیوٹ کے بانی تھے جامعہ منصورہ کے ناظم بھی رہے اسلامک ایجوکیشن سوسائٹی کے چیئرمین بھی مقرر کیے گئے۔ عالم اسلام اور اس کے افکار و سائل، ترقی قدیم و جدید، سرخ اندھیروں میں، جہاد اسلامی، اخوان المسلمین تاریخ اور دعوت وغیرہ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ 25 نومبر 1994ء کو ٹریفک حادثے میں وفات پا گئے۔ [قاضی، حسین احمد، یادِ رفتگاں، خلیل احمد حامدی کی یاد میں، ترجمان القرآن، جنوری 1995ء، ص65-75]

ان تاثرات کو مصنف نے اس طرح پیش کیا ہے کہ قرآن کی ایک ایک آیت کے اندر دعوت واصلاح اور تنبیہ و تذکیر اور نورِ عرفان کے جو سمندر موج زن ہیں ان کا عکس کاغذ کے صفحات پر منتقل ہو گیا ہے"[1]

مولانا خلیل حامدی نے اس تفسیر کی چھ خوبیاں بیان کی ہیں:

1. بلند پایہ اسلوب، جس میں سید قطب اکثر قدیم مفسرین و محدثین سے بھی بڑھ گئے ہیں۔
2. تمام معروف تفاسیر سے انہوں نے استفادہ کیا ہے اور ان سے اخذ کردہ معلومات کو اپنی تفسیر میں اس عالمانہ انداز میں سمو دیا ہے کہ یہ تفسیر ادبی مقالات کا مجموعہ نہیں بلکہ معلومات کا دائرۃ المعارف بن گئی ہے۔
3. اسرائیلیات سے یہ تفسیر مکمل طور پر خالی ہے۔
4. معتزلہ، خوارج، اشاعرہ، ماتریدیہ اور فقہ کے مختلف مکاتبِ فکر کے نزاعات سے جو عام عربی تفسیروں میں ملتے ہیں، یہ تفسیر خالی ہے۔
5. پوری جامعیت اور تفصیل کے ساتھ ہر بحث کو ادا کیا گیا ہے۔
6. پوری تفسیر کے اندر ایک ایسی شفّاف اور پاکیزہ روح جلوہ گر نظر آتی ہے جو یقین واذعان کی دولت اور ایمان وعقیدہ کی گہرائی اور صبر وعزیمت کی نعمت سے لب ریز ہے۔ اس چیز نے تفسیر کو ایک متحرک زندگی اور رواں دواں اسلامی تحریک کی کتابِ ہدایت کی شکل دے دی ہے۔"[2]

ہندوستان کے معروف عالمِ دین اور تحریک اسلامی کے رہ نما مولانا سید حامد علی نے فی ظلال القرآن کی خصوصیات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے اس کی درج ذیل خصوصیات بیان کی ہیں:

- یہ ایک علمی و فکری تفسیر ہے۔ اس میں قرآنی آیات اور قرآنی تعلیمات پر علمی انداز میں گفتگو کی گئی ہے۔ اس کے مطالعہ سے جاہلی و مغربی افکار کا لچر ہونا بھی واضح ہو گا۔
- یہ ایک سائنٹفک تفسیر ہے۔ اس میں سائنس اور مغربی علوم کی معلومات کو قرآنی تعلیمات کی تفہیم و تائید کے لیے بہت عمدگی اور احتیاط کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔
- یہ تفسیر فہمِ قرآن کے پہلو سے بہت مفید ہے۔ مفسر پہلے پوری سورت پر اجمالی نظر ڈالتے ہیں، پھر آیات کے مختلف گروپ بنا کر ہر گروپ پر الگ الگ بحث کرتے ہیں، پھر ہر آیت پر گفتگو کرتے ہیں۔ اس طرح ایک ایک آیت کئی بار زیر بحث آتی ہے اور اس کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

---

[1] سید قطب، (مترجم) حامدی، خلیل احمد، معالم فی الطریق، ترجمہ: جادہ ومنزل، ص 42-43

[2] سید قطب، (مترجم) حامدی، خلیل احمد، معالم فی الطریق، ترجمہ: جادہ ومنزل، ص 42-43

- ❖ تفسیر کا انداز جدید ہے اور وہ جدید طبقے کو بہت زیادہ اپیل کرنے والی ہے، مگر اسی کے ساتھ اس کی خوبی یہ ہے کہ وہ سلف کے مسلک سے سرِ مو تجاوز نہیں کرتی۔
- ❖ یہ بہترین دعوتی تفسیر ہے۔ مفسر آیت کی مجمل تشریح پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کے مضمون کو بنیاد بنا کر ایک مختصر سی تقریر کر دیتے ہیں۔ وہ اسلام کی دعوت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔
- ❖ یہ ایک تحریکی و انقلابی تفسیر ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مفسر کی مشہور انقلابی کتاب 'معالم فی الطریق'، جس کی بنیاد پر انہیں حکومت کا تختہ الٹنے کا الزام لگا کر تختۂ دار پر چڑھایا گیا تھا، اس کے چار ابواب اسی تفسیر سے ماخوذ ہیں۔
- ❖ یہ بہترین تربیتی تفسیر ہے۔ اس میں تعلق باللہ، توکل علی اللہ، خشیت، انابت، اللہ کی رضاجوئی، فکرِ آخرت، اتباعِ رسول، اسلامی کردار و اخلاق اور اسلام کے تقاضوں کی ادائیگی پر اتنا زور اور ذہن، قلب، روح، ضمیر اور وجدان ہر ایک کی تربیت کا اتنا سامان ہے کہ دل ایمانی جذبات سے معمور ہو جاتا، روح جھوم اٹھتی اور ضمیر و وجدان کو ان کی بھرپور غذا ملتی ہے اور مومن اسلام کے تقاضے پورے کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔
- ❖ یہ ایک ادبی و ذوقی تفسیر ہے۔ مفسر نے قرآن کے ادبی حسن اور اس کے اعجاز کو بہت عمدگی سے واضح کیا ہے۔ یہ قیمتی بحثیں اردو تفاسیر تو کجا، عربی تفاسیر میں بھی نہیں مل سکتیں۔ مفسر نہ صرف قرآنی آیات اور ان کے اسالیب کا حسن، بلاغتِ کلام اور ادبی اعجاز واضح کرتے ہیں، بلکہ قرآنی آیات کے آہنگ کی نغمگی و ترنم کو بھی نمایاں کرتے ہیں اور آیت کے مضمون سے اس کے ربط کو واضح کرتے ہیں۔[1]

فی ظلال القرآن کا اردو ترجمہ پاکستان میں جناب سید معروف شاہ شیرازی[2] نے کیا تھا۔ ہندوستان میں یہ سعادت مولانا سید حامد علی کے حصے میں آئی۔ دونوں تراجم کا موازنہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا حامد علی کا ترجمہ زیادہ سلیس اور بہتر ہے۔ انہوں نے ذیلی عناوین کا اضافہ کیا ہے۔ تفسیر کا ترجمہ کرنے کے ساتھ اپنی طرف سے متنِ قرآن کا بھی

---

[1] سید حامد علی، مقدمہ، مترجم فی ظلال القرآن، ج1، ص9

[2] ممتاز عالم دین، شیخ القران والحدیث، مصنف اور مترجم مولانا سید معروف شاہ شیرازی مولانا سید معروف شاہ شیرازی امیر جماعت اسلامی ضلع راولپنڈی سید عارف شیرازی اور امیر جماعت اسلامی ضلع مانسہرہ ڈاکٹر طارق شیرازی کے والد تھے۔ سید معروف شاہ شیرازی بانی جماعت اسلامی مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کے دیرینہ ساتھیوں میں سے تھے۔ وہ مولانا مودودی کی ہدایت پر جماعت اسلامی کے شعبہ دار العروبہ کے ساتھ بھی منسلک رہے ہیں۔ معروف شاہ شیرازی 15 اپریل 2022ء بروز جمعہ مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے۔("تعارف و تبصرہ - ادارہ"۔ alsharia.org، تاریخ رسائی، 14 ستمبر، 2024ء)

ترجمہ کیا۔ ساتھ ہی تقابل و موازنہ کے لیے شاہ عبد القادر[1]، ڈپٹی نذیر احمد، شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا اشرف علی تھانوی[2]، مولانا فتح محمد جالندھری، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی کے ترجموں کا فرق بھی واضح کیا ہے۔ انہوں نے جابجا اپنی طرف سے نوٹ بھی لگائے ہیں۔ مولانا حامد علی نے پہلے فی ظلال القرآن کے تیسویں پارے کا ترجمہ کیا۔ اس کی اشاعت 1984ء میں ہوئی۔ اس کے بعد ابتدا سے ترجمہ شروع کیا۔ جلد اول سورۃ البقرۃ، جلد دوم سورہ آل عمران، جلد سوم سورہ النساء اور جلد چہارم سورہ المائدۃ کے ترجمے پر مشتمل تھی۔ یہاں تک ترجمہ سے مولانا جون 1990ء میں فارغ ہوئے۔ اس کے بعد ان کی طبیعت خراب رہنے لگی جس کی وجہ سے ترجمہ کا کام جاری نہ رہ سکا، یہاں تک کہ 3/ مارچ 1993ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ تین برس کے تعطل کے بعد قرعہ فال دیوریا (اترپردیش) کے نوجوان عالم مولانا مسیح الزماں فلاحی ندوی کے نام نکلا۔ انہوں نے بہت محنت اور لگن کے ساتھ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ فی ظلال القرآن نیو کریسنٹ پبلشنگ کمپنی دلی (گائیڈنس پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرس نئی دلی) سے اٹھارہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

---

[1] شاہ عبد القادر کی ولادت 1166ھ، مطابق 1753ء کو دہلی ہندوستان میں ہوئی آپ شاہ ولی اللہ دہلوی کے تیسرے صاحبزادے تھے۔ تمام علوم آپ نے بھائی شاہ عبد العزیز سے حاصل کیے، موضح القرآن کے نام سے قرآن مجید کا اردو ترجمہ و تشریح کی۔ شاہ عبد القادر نے 63 سال کی عمر میں 19 رجب 1230ھ بمطابق 1814ء کو دہلی میں وفات ہوئی۔ [ندوی، ابو الحسن علی، تاریخ دعوت و عزیمت، (کراچی: مجلس نشریات اسلام، سن ندارد)، ج5، ص385-378]

[2] اشرف علی تھانوی: آپ کی ولادت 5 ربیع الثانی 1280ھ میں ہوئی۔ خاندانی اعتبار سے آپ فاروقی النسل شیخ ہیں۔ ذیقعدہ 1295ھ میں آپ بغرض تحصیل و تکمیل علوم دینیہ دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ اور 1301ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ حکیم الامت چاروں سلسلوں میں بیعت فرماتے تھے۔ درس و تدریس اور وعظ و نصیحت کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف سے خاص مناسبت تھی۔ تقریباً ڈیڑھ ہزار سے زائد تصانیف چھوڑی۔ 83 سال کی عمر میں 6 رجب 1362ھ مطابق 19 جولائی 1943ء کی درمیانی شب میں رحلت فرما گئے۔ (بخاری، محمد اکبر شاہ، اکابر علماء دیوبند، (لاہور: ادارہ اسلامیات، 1999ء)، ص60-72)

سید ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کی تفسیر "تفہیم القرآن" کا تعارف

پیدائش

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی 3 رجب 1321ھ مطابق 25 ستمبر 1903ء کو اورنگ آباد[1] دکن میں پیدا ہوئے۔ اس نام کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ میری ولادت سے تین چار سال قبل ایک بزرگ نے والد صاحب سے ملاقات کر کے میری پیدائش کی پیش گوئی کی تھی، اور میرا نام ابوالاعلیٰ رکھنے کو فرمایا تھا۔ چونکہ اس نام کا ایک بزرگ ہمارے خاندان میں گزر چکے تھے، اس لیے والد صاحب[2] نے میرا نام اسی نام سے موسوم کیا[3]۔

تعلیم و تربیت

ابوالاعلیٰ ابتداء ہی سے انتہائی ذہین و فطین تھے۔ نیز انہوں نے ایک مذہبی ماحول میں آنکھ کھولی۔ خاندانی روایت کے مطابق چار سال کی عمر میں رسمِ بسم اللہ کی تقریب منعقد کی گئی۔ جس میں انہوں نے استاد کی مدد کے بغیر بسم اللہ خود پڑھی۔ پانچ سال کی عمر میں انہوں نے تین آیات بامعنیٰ یاد کر لی تھی۔ نیز ایک مرتبہ مسجد میں مؤذن کی غیر موجودگی میں صحیح تلفظ کے ساتھ اذان دی۔ اس وقت ان کی عمر صرف پانچ سال تھی[4]۔

ابتداء ہی سے والد مرحوم نے مجھے مولوی بنانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اسی لیے مجھے انگریزی علوم و خیالات سے دور رکھنے کے لیے کسی مدرسے میں داخل نہیں کرایا۔ اور میرے اخلاق و تہذیب سنوارنے اور مذہبی رنگ چڑھانے کے لیے

---

[1] بھارت کے صوبہ مہاراشٹر کا ایک تاریخی شہر ہے۔ اورنگ آباد مشہور مغل بادشاہ حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ تاریخی ہر سیاحوں کا مرکز سمجھا جاتا ہے۔ اورنگ آباد مختلف تاریخی مقامات سے گھرا ہوا ہے۔ اس کو دروازوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے۔ حال ہی میں اورنگ آباد کو مہاراشٹر کا سیاحتی کیپیٹل قرار دیا گیا ہے۔ (دائرۃ المعارف، طبع دوم، لاہور، 2001ء، ج2، ص236)

[2] ان کے والد کا نام سید احمد حسن تھا۔ 1855ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے ابتدائی طالب علموں میں سے تھے۔ علی گڑھ سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے الہٰ آباد میں وکالت کی تعلیم حاصل کی۔ (عبد، چوہدری عبدالرحمان، ابوالاعلیٰ مودودیؒ، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، 1978ء، ص 50)

[3] بھٹہ، محمد یوسف، مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں، طبع چہارم (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، مارچ 2018ء)، ص31

[4] بھٹہ، محمد یوسف، مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں، ص31

رات کو انبیاء کرام و بزرگانِ دین کے قصے سناتے تھے[1]۔

سید ابوالاعلیٰ نے ابتدائی تعلیم و تربیت گھر پر حاصل کی۔ نو سال کی عمر تک مولانا حالی کی شکوہ ہند، مسدس حالی، گلستان، بوستان، صرف و نحو، فقہ اور حدیث کی کتابیں گھر پر پڑھیں۔ اس کے بعد مولوی ندیم اللہ حسینی کے مشورے سے مجھے اورنگ آباد کے مدرسہ فوقانیہ کی جماعت رشدیہ (آٹھویں جماعت) میں داخل کرایا گیا۔ داخلہ کے چند مہینے بعد رشدیہ کے امتحان میں شریک کر لیا گیا، مگر ناکام ہوا۔ جس کی وجہ ریاضی میں عدم دلچسپی اور کم مدت تعلیم تھی۔ اس کے باوجود صدر مدرس ملا داؤد صاحب نے مجھے مولوی جماعت میں شریک کر لیا[2]۔

یہی وہ تعلیم و تربیت کا ورثہ تھا۔ جس کے بارے میں مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں، کہ:

"مادی لحاظ سے والد صاحب نے میرے لیے کوئی ورثہ نہیں چھوڑا۔ لیکن ان کا بہترین ورثہ جو میرے حصے میں آیا ہے، وہ ان کی اخلاقی تربیت ہے۔ ان کی ابتدائی تربیت نے ایک ایسی سیرت کی بنیادیں مضبوط کر دی تھیں، جو دوسروں کے اثرات کو بلا امتیاز اور بلا ارادہ قبول نہ کر سکتی تھی۔ اس کا فائدہ مجھے چند سال بعد محسوس ہوا، جب میں اپنی زندگی میں کلیۃً آزاد و خود مختار ہو گیا۔ اور کوئی دوسرا نگرانی کرنے والا نہ رہا۔ اس وقت صرف یہی چیز تھی، جس نے مجھ کو گمراہ ہونے سے بچایا۔ حالانکہ جب میں آزاد ہوا، اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی۔ جس میں عام طور پر نوجوانوں کے لیے گمراہی کی بڑی صلاحیت ہوتی ہے[3]"

اس تعلیم و تربیت کے بارے میں سید مودودی کے بڑے بھائی ابوالخیر مودودی[4] فرماتے ہیں۔

> "اورنگ آباد کے جس ماحول میں ہم تھے، وہاں بننے کے اسباب کم اور بگڑنے کے زیادہ تھے۔ لیکن ماں باپ کے سائے اور چھوٹی عمر میں والد صاحب کی تربیت نے ہمارا مزاج ایسا بنا دیا، کہ اس پر باہر کے ماحول کا اثر نہ ہو سکا۔ اور اس کے بعد ابوالاعلیٰ جو کچھ بنے، وہ اللہ تعالیٰ

---

[1] بھٹہ، محمد یوسف، مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں، ص31

[2] ایضاً

[3] آباد شاہ پوری، تاریخ جماعت اسلامی، حصہ اول، اشاعت اول (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، 1989ء)، ص188

[4] مولانا ابوالخیر مودودی 25 دسمبر 1899ء کو پیدا ہوئے تھے وہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن کے دار الترجمہ سے وابستہ رہے اور تقسیم ہند کے بعد لاہور میں اقامت پزیر ہوئے ان کے تراجم میں علامہ بلاذری کی فتوح البلدان اور ابو الفرخ قدامہ بن جعفر کی کتاب الخراج وصنعۃ الکتابت کے نام شامل ہیں اس کے علاوہ انہوں نے مطالع المقدود کے نام سے بھی ایک کتاب تحریر کی ۔ 28 اگست 1979ء کو لاہور میں وفات پا گئے لاہور میں آسودہ خاک ہیں۔(-https://www.aasheyaan.com/yadish bakhair-abu-al-khair-mododi/ تاریخ رسائی، 8 اپریل 2024ء)

نے بنایا۔ ورنہ حقیقت یہی ہے، کہ امکانات بگڑنے کے زیادہ تھے "[1]

صحافتی زندگی:

اللہ تعالیٰ نے سید مودودی کو تحریر وانشاء کا ملکہ راسخہ عطا فرمایا تھا۔ اس لیے مولانا موصوف نے قلم کے ذریعے اپنے خیالات وافکار کو لوگوں تک پہنچانے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ نیز جناب نیاز فتح پوری[2] سے دوستانہ تعلقات اور ان کی صحبت بھی صحافتی زندگی کے آغاز کی وجہ بنی۔ چنانچہ پندرہ سال کی عمر میں مولانا مودودی نے صحافتی زندگی کا آغاز کیا، ان کے بڑے بھائی ابوالخیر مودودی بجنور[3] سے نکلنے والے اخبار "مدینہ" کے ایڈیٹر تھے چنانچہ مولانا مودودی نے ان کے ساتھ بطور معاون کام شروع کیا۔ لیکن اس کی مدت ڈیڑھ دوماہ سے زیادہ نہ رہی۔ اور وہاں سے دہلی[4] چلے گئے۔

اس کے بعد سید مودودی کی ملاقات صوبہ متوسط کے رہنے والے اور "انجمن اعانت نظر بندان اسلام" کے روح رواں تاج الدین صاحب سے ہوئی۔ انہوں نے 1919ء میں جبل پور سے "تاج" نامی ہفتہ وار اخبار نکالا۔ اور اس کی ایڈیٹری دونوں بھائیوں ابوالاعلیٰ اور ابوالخیر کی سپرد کی۔ مگر چند ماہ بعد یہ رسالہ بند ہوا۔ اور یہ دونوں بھائی جبل پور سے بھوپال[5] اور وہاں سے دہلی چلے گئے۔

---

[1] آتش فشاں، لاہور، نومبر 1979ء، ص10

[2] ان کی ولادت 1884ء یوپی میں ہوئی مدرسہ اسلامیہ فتح پور اور دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو سے تعلیم حاصل کی 1922ء میں اردو کا معروف ادبی وفکری رسالہ "نگار" جاری کیا ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں 1962ء میں بھارت کو "پدما بھوشن" کے خطاب سے نوازا، 31 جولائی 1962ء کو ہجرت کر کے کراچی تشریف لائے ان کی تصانیف میں سے "من ویزداں، استفسارات، نگارستان، جمالستان" وغیرہ مشہور ہیں، سرطان کے مرض سے 24 مئی 1966ء کو انتقال کر گئے۔ (https://www.rekhta.org/authors/niyaz-fatehpuri/profile?lang=ur / تاریخ رسائی، 8 اپریل 2024ء)

[3] بجنور ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش میں قسمت رہیلکھنڈ کے ایک شہر اور ضلع کا نام ہے جس کا کل رقبہ 1867 مربع میل اور 1951ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی 984196 تھی اس میں چھتیس فیصد مسلمان ہیں، 1399ء میں تیمور نے اسے تاراج کیا اکبر کے زمانے میں یہ صوبہ دہلی میں سنبھل کی سرکار کا ایک حصہ تھا (دائرہ معارف اسلامیہ، طبع دوم، لاہور، 2001ء، ج4، ص46)

[4] یہ ہندوستان کا ایک پرانا اور تاریخی شہر ہے۔ قدیم زمانے سے بادشاہوں کا دارالحکومت ہوا کرتا تھا۔ اب بھی یہ شہر نئی دہلی کے نام سے بھارت کا دارالحکومت ہے۔ مغل فن تعمیر کی کاریگری کے نمونے، جامع مسجد، قطب مینار اور دہلی کے لال قلعہ وغیرہ کی صورت میں آج بھی موجود ہیں۔ (دائرۃ المعارف، ج 5، ص 213)

[5] بھوپال بھارت کی ایک سابقہ نوابی ریاست ہے۔ اس کا کل رقبہ 6878 مربع میل ہے ہندوستان میں حیدر آباد دکن کے بعد یہ سب سے اہم مسلم ریاست تھی بھوپال کی بنیاد ایک سپاہی پیشہ بخت آزمادوست محمد خاں نے رکھی تھی جو تیراء (جو آج کل پاکستان کے قبائلی علاقے میں ہے) کا باشندہ اور آفریدی پٹھانوں کے قبیلہ سرزی خیل سے تھا۔ (دائرہ معارف اسلامیہ، ج5، ص340)

1920ء کے بعد جب دوبارہ جبل پور سے تاج رسالے کا اجراء ہونے لگا تو تاج الدین صاحب سید مودودی کو اپنے ساتھ لے گئے اور اس کا ایڈیٹر مقرر کیا مگر رسالے پر بطور ایڈیٹر تاج الدین کا نام چھپتا رہا اس لیے اس انگریز مخالف رسالے کے ایک مضمون پر جب حکومت نے گرفت کی تو تاج الدین صاحب اس کا نشانہ بنے اور ان پر مقدمہ چلایا گیا۔[1]

1921ء کی ابتداء میں سید مودودیؒ کی ملاقات مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب[2] سے ہوئی۔ اور سید مودودی کو اپنے زیرِ اہتمام اخبار "مسلم" کا ایڈیٹر مقرر کیا۔ آخر تک مولانا مودودی اس کے ایڈیٹر تھے۔ یہ اخبار 1923ء میں بند ہوا۔ اس کے بعد مولانا محمد علی جوہر[3] مرحوم سے تعلقات پیدا ہوئے، اور انہوں نے ان کو اپنے اخبار "ہمدرد" میں اپنا معاون بنانے کی آفر کی۔ مگر 1925ء میں مولانا احمد سعید صاحب[4] نے جمیعت علمائے ہند کی جانب سے "الجمعیۃ" نامی اخبار نکالا، اور قدیم تعلقات کی بنیاد پر مولانا مودودی کو اس کا ایڈیٹر مقرر کیا۔ اور 1928ء کے اختتام تک وہ اکیلا اس کی ذمہ داری سنبھالتے رہے۔ اس کے بعد مولانا ابو محمد مصلح صاحب نے حیدرآباد دکن سے ماہنامہ ترجمان القرآن جاری کیا۔ پہلے پہل مولانا مودودی اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ پھر انہوں نے اس کو خرید لیا، اور آخری عمر تک اس کی ذمہ داری سنبھالی۔ مدینہ، تاج، مسلم، الجمیعۃ اور ترجمان القرآن کے علاوہ مولانا مودودی دوسرے مشہور و معروف رسائل و جرائد میں بھی اپنے مضامین شائع کرواتے رہے۔ ان میں صدق، رہبر، طلوع اسلام، معارف، نگار، ہمایوں،

---

[1] جمیل احمد رانا، سلیم منصور خالد، تذکرہ سید مودودی، طبع اول (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، 1998ء)، ج2، ص129

[2] آپ کی ولادت محلہ زئی ضلع شاہجہاں پور، یوپی میں 1292ھ مطابق 1875ء میں ہوئی، فقہ و فتاویٰ میں آپ کو خاص امتیاز حاصل تھا، ان کی تصانیف میں سے کفایت المفتی، النفائس المرغوبۃ، دلیل الخیرات، البیان الکافی، اصول اسلام وغیرہ کافی مشہور ہیں، ربیع الثانی 1372ھ مطابق 21 دسمبر 1952ء فوت ہوئے اور دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ (محمد اکبر شاہ، اکابر علماء دیوبند، طباعت جدید (لاہور، ادارہ اسلامیات، 1999ء) ص128 و کذا فی: آفتاب غازی، عبد الحسیب، فضلاء دیوبند کی فقہی خدمات، طبع اول (یوپی: نعیمیہ، 2011ء)، ص249)

[3] برعظیم پاک و ہند میں برطانوی حکومت کے خلاف تحریک آزادی کے ممتاز اور نامور مسلمان رہنما 10 دسمبر 1878ء کو بمقام نجیب آباد ریاست رام پور میں پیدا ہوئے۔ 1896ء میں وہ آلہ آباد یونیورسٹی کے بی اے امتحان میں اول آئے اور 1898ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے یکم جنوری 1911ء کو کلکتہ سے ایک ہفت روزہ Comrade جاری کر دیا 4 جنوری 1931ء کو لندن میں وفات پا گئے۔ (دائرۃ معارف اسلامیہ، ج19، ص496)

[4] آپ کی ولادت 1883ء میں دہلی میں ہوئی والد کا نام محمد نواب مرزا تھا مفتی کفایت اللہ ان کے اساتذہ میں سے تھے اور ان ہی کی زیر صدارت عرصہ دراز تک جمیعۃ علماء ہند کی قیادت کرتے رہے، ان کا ترجمہ قرآن مع کشف الرحمٰن کافی اہمیت کا حامل ہے۔ 4 دسمبر 1959ء کو فوت ہوئے۔ (عطاء الرحمٰن، دہلی میں دفن خزینے، اشاعت اول (لاہور: طیب پبلشرز، 2002ء)، ص269)

مخزن، اور ساقی خاص طور قابل ذکر ہیں۔ ان کا پہلا مضمون 1918ء میں "برق یا کہربا" میں معارف، اعظم گڑھ [1] کے شمارہ اکتوبر میں شائع ہوا تھا[2]۔

سیاسی خدمات:

سید مودودی نے بزورِ قلم برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا کیا۔ اور ان کے اندر جداگانہ مسلم مملکت کے حصول کا جذبہ ابھارا۔ آپ کی تحریر وتقریر سے مسلم لیگ کو تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں بہت مدد ملی۔ انہوں نے مولانا ابو محمد مصلح صاحب سے ماہنامہ ترجمان القرآن خرید کر اسلامی دعوت و تبلیغ کے لیے وقف کر دیا [3]۔ اس رسالے میں انہوں نے اپریل 1941ء میں "ایک مصلح جماعت کی ضرورت" عنوان کے تحت ایک مضمون شائع کیا۔ ان کی اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے کچھ افراد پر مشتمل ایک اجلاس 25 اگست 1941ء کو اسلامیہ پارک لاہور [4] میں منعقد ہوا۔ اور یوں 26 اگست 1941ء کو جماعتِ اسلامی کی بنیاد پڑی۔ سب نے اتفاق رائے سے سید ابوالاعلیٰ کو اس جماعت کا امیر منتخب کیا۔ اس جماعت کا مقصد قرآن کریم کے الفاظ میں یہ تھا: "﴿أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ [5] جماعت اسلامی کے اس تاسیسی اجلاس میں پورے ملک سے 75 افراد شریک ہوئے [6]۔ اور اجتماعی سعی و کوشش کا آغاز ہوا۔ اس جماعت نے اب تک دینی، علمی، سیاسی اور سماجی میدانوں میں بے شمار کارنامے سرانجام

---

[1] اعظم گڑھ اترپردیش بھارت میں ایک شہر جو اسی نام کے ضلع کا صدر مقام بھی ہے یہ شہر دریائے تونس کے کنارے پر واقع ہے اس شہر کو راجپوتوں کے ایک بارسوخ خاندان کے ایک فرد اعظم خان اول نے 1076ھ مطابق 1666ء میں آباد کیا اس خاندان کے مورث اعلیٰ ابھیمان سنگھ نے جہانگیر کے عہد میں دین اسلام قبول کر لیا تھا اعظم گڑھ اپنی علمی اور ثقافتی سرگرمیوں کی بدولت مشہور ہے یہاں دار المصنفین شبلی اکیڈمی قائم ہے۔ (دائرہ معارف اسلامیہ، ج2، ص884)

[2] مولانا مودودی کی نثر نگاری، ص30

[3] ثروت صولت، مولانا مودودی کی تقاریر، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، 1976ء)، ص13

[4] لاہور صوبہ پنجاب کا دار الحکومت اور صدر مقام ہے، یہ شہر قدیم وجدید روایات، علمی وثقافتی، سیاسی اور مذہبی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے بعض نے اس کی تاسیس رام چندر کے بیٹے "لو" جب کہ بعض دوسروں نے ایاز کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کے کئی اہم مقامات میں سے مسجد وزیر خان، شاہی قلعہ، مقبرہ جہانگیر، شالامار باغ، انار کلی، مزار اقبال، مینار پاکستان وغیرہ مشہور ہیں۔ آبادی کے لحاظ سے یہ پاکستان کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ (دائرہ معارف اسلامیہ، ج18، ص34)

[5] سورۃ الشوریٰ: 13

[6] مریم جمیلہ، اسلام ایک نظریہ ایک تحریک، ترجمہ: شاہ پوری آباد (دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی، 2006ء)، ص228

دیئے ہیں[1]۔ سید مودودی یہ سیاسی افکار رکھتے تھے، کہ بذریعہ حکومت اسلامی نظام کا نفاذ بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ اور یہی سوچ نے انہیں سیاست کی راہ دکھائی۔ اگرچہ ان کی اس سوچ نے ان کے دشمنوں میں اضافہ کر دیا۔ طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانی پڑی، یہاں تک کہ سزائے موت تک نوبت پہنچی۔ جس سے ان کی علمی و دینی خدمات میں رکاوٹیں پیش آتی رہی، مگر انہوں نے صبر و تحمل کا دامن نہ چھوڑا[2]۔

علمی خدمات:

سید مودودی صاحب نے علمی و دینی میدان میں جو خدمات سرانجام دیئے ہیں، وہ ناقابلِ فراموش ہیں۔ ان کی علمی خدمات کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ ان کی تصنیفات و تالیفات سے ان کے علمی کارناموں کی ہمہ جہتی اور وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے ایک نئے انداز میں دین کی تفہیم و تشریح کر کے مسلمانوں کے اندر دینی شعور پیدا کیا۔ اور اصطلاحاتِ دین کی تشریح و تفہیم روایتی انداز سے ہٹ کر بیان کیں۔ ان کی کثرتِ تصانیف سے اندازہ ہوتا ہے، کہ ان کو الفاظ و اصطلاحات کے بیان پر کس قدر دسترس حاصل تھی[3]۔

مولانا مودودی کا ایک علمی کارنامہ چھ جلدوں میں ان کی شہرہ آفاق تفسیر "تفہیم القرآن" ہے۔ جو 30 سال کی شب و روز محنت کے بعد پایہ تکمیل کو پہنچی۔ سید مودودی نے تفہیم القرآن کی تفسیر کے دوران اکتوبر 1959ء سے فروری 1962ء تک ان تاریخی مقامات کا سفر کیا، جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔ ان میں سیرتِ رسول سے متعلق مقامات، سابقہ ہلاک شدہ اقوام کے کھنڈرات، سرزمین حجاز، مصر[4]، فلسطین[5]، اور غزوات کے میدان شامل تھے[6]۔

---

[1] تاریخ جماعت اسلامی، ص689

[2] عبد، عبد الرحمٰن، مفکر اسلام سید ابوالاعلیٰ مودودی، اشاعت اول (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، 1988ء)، ص16

[3] فہیم الدین احمد، سید مودودی عہد جدید میں تحریک اسلامی کے امام (حیدرآباد، ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹر، 2006ء)، ص153

[4] براعظم افریقہ کے شمال مشرق میں واقع ہے اس کے مغرب میں لیبیا، جنوب میں سوڈان، شمال مشرق میں اسرائیل اور شمال میں بحیرہ روم واقع ہے مصر تقریباً تین ہزار برس سے تہذیب و ثقافت کا گہوارہ رہا ہے۔ (دائرہ معارف اسلامیہ، ج21، ص186)

[5] رومی سلطنت کے جس صوبے کا نام Palestina Prima تھا اور جو عملاً یہودیہ Judaeu اور سامریہ Samaria کی ولایتوں پر مشتمل تھا اسے عربوں نے فلسطین کا نام دیا 2 نومبر 1917ء کو اعلان بالفور کے ذریعے فلسطین میں یہودیوں کے قومی وطن کے قیام کا وعدہ کیا 1928ء، 1929ء، 1933ء اور 1939ء میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان خونریز فسادات ہوئے، آج کل اس کا اکثر حصہ یہودیوں کے زیر اثر ہے۔ (دائرہ معارف اسلامیہ، ج15، ص468)

[6] ترابی، الیف الدین، سید مودودی کا تفسیری اسلوب، ماہنامہ ترجمان القرآن (ادارہ ترجمان القرآن، مئی 2004ء)، ص300

علالت ورحلت:

مسلسل دماغی وجسمانی سعی وکوششوں نے ان کے اعضاء واعصاب کو بری طرح متاثر کیا تھا۔ راتوں کو دیر تک بیٹھے رہنے اور تصنیف وتالیف سے ان کی آنکھیں شدید متاثر ہوئی تھی۔ اور بعد میں جوڑوں کا درد پیدا ہونے لگا۔ نیز دل اور گردے کی تکلیف سے بھی عمر بھر پریشان رہے، کئی مرتبہ گردے کا آپریشن کروانے کے بعد بھی اس میں پتھریاں بن رہی تھیں۔ آخر کار علاج کے لیے لندن جانا پڑا، جہاں پر ایک ڈاکٹر صاحب نے متاثرہ گردہ نکال دینے کو ہی بہتر سمجھا۔ اس کے بعد ان کے صاحبزادے ڈاکٹر سید احمد فاروق مودودی اور دوسرے رفقاء کے مشورے سے علاج کے لیے انہیں 29 جون 1979ء کو امریکہ لے جایا گیا۔ اور وہاں جدید آلات کے ذریعے بفیلو ہسپتال میں ان کے جوڑوں کے درد کا علاج کرایا گیا۔ مگر 22 ستمبر کو دل کا تیسرا شدید دورہ پڑا، جو جان لیوا ثابت ہوا۔

23 ستمبر 1979ء کو بفیلو میں دوبار ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اس کے بعد نیویارک کے کنیڈی ایئر پورٹ پر نماز جنازہ ادا کی گئی۔ 24 ستمبر کو کراچی[1] ائیر پورٹ پر جماعتِ اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد نے نماز جنازہ پڑھائی۔ شرکاء کی تعداد تقریباً پچاس ہزار تھی۔ اس کے بعد 26 ستمبر کو جنازہ لاہور لایا گیا۔ جہاں پر قذافی سٹیڈیم میں مشہور مفکر اور سابق صدر اخوان المسلمون علامہ یوسف قرضاوی[2] نے نماز جنازہ پڑھائی۔ 5-اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور میں تدفین ہوئی[3]۔

---

[1] کراچی صوبہ سندھ کا دار الخلافہ ہے اس کا پرانا دیبل ہے بلوچوں کے ایک قبیلہ "کلاچی" کے یہاں آباد ہونے کی وجہ سے اس کا نام کراچی پڑ گیا پاکستان میں آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا شہر ہے آبادی کے لحاظ سے پوری دنیا میں چھٹی نمبر پر ہے بحیرہ عرب کے کنارے واقع ہے اس میں دو بندر گائیں کراچی پورٹ اور بن قاسم پورٹ ہیں اس میں 6 اضلاع ہیں اس کا رقبہ 3780 مربع کلو میٹر ہے۔ (دائرہ معارف اسلامیہ، ج17، ص133)

[2] ان کی ولادت 9 ستمبر 1926ء کو مصر میں ہوئی دس برس سے کم عمر میں قرآن کریم حفظ کیا 1944ء سے لے کر 1958ء تک جامعۃ الازہر مصر میں زیر تعلیم رہے، اخوان المسلمون کے ساتھ تعلق کی بنیاد پر انہیں پہلی بار 1949ء میں جیل جانا پڑا۔ 120 سے زائد کتب ورسائل کے مصنف ہیں آپ کی مشہور تصانیف میں سے "تنبیہ المسلمین، الحلال والحرام فی الاسلام، موقف الاسلام، السیاسۃ الشرعیۃ، اخلاق الاسلام، الایمان والحیاۃ" وغیرہ ہیں۔) (یوسف القرضاوی/ www.marefa.org/ تاریخ رسائی 10 اپریل، 2024ء)

[3] نعیم صدیقی، المودودی، اشاعت چہارم (لاہور: الفیصل اردو بازار، 1989ء)، ص392

تفہیم القرآن کا تعارف و خصوصیات

تفہیم القرآن کا تعارف

تفہیم القرآن سید مودودی صاحب کا انقلاب آفرین علمی وادبی کارنامہ ہے۔ جو ان کی تدبر و تفکر فی الاٰیات، فہمِ قرآن، عمق و وسعتِ مطالعہ اور مجتہدانہ بصیرت کی ایک بہترین مثال ہے۔ یہ تفسیر چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ ان کی سالہاسال محنت اور ساری زندگی کے مطالعے کا نچوڑ ہے۔ سید صاحب فرماتے ہیں۔

"میں نے پچھلے 55 سال کے دوران فلسفہ تاریخ سائنس اجتماعی علوم اور دینی علوم کا جتنا مطالعہ کی اہے، اس سب سے اس تفسیر کے لکھنے میں کام لیا گیا ہے[1]"

جس کی تالیف کا مقصد عام تعلیم یافتہ لوگوں تک اس کتاب عظیم کا حقیقی مدعا پہنچانا تھا۔ دنیا کے بیشتر زبانوں میں اس کے تراجم ہو چکے ہیں۔ اس کی اشاعت کی ابتداء 1951ء میں ہوئی۔ اب تک اس کے اکیس ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں۔

آغاز:

سید مودودی نے تفہیم القرآن کی تالیف کا آغاز محرم 1361ھ مطابق فروری 1942ء میں کیا تھا۔ مگر پانچ، چھ سال میں سورۃ یوسف کے آخر تک ترجمہ و تفسیر لکھنے کے بعد گوں ناگوں مصروفیات اور کچھ دوسرے عوارض کی بناء پر مزید لکھنے کا موقع ہاتھ نہ آسکا۔ یہاں تک کہ جب اکتوبر 1948ء میں انہیں سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا گیا، تو جیل کے اندر ہی اس پر نظر ثانی کر کے چھپنے کے قابل بنایا گیا[2]۔

تکمیل:

30 سال اور چار مہینے کے کٹھن سفر کے بعد سید مودودی کی شاہکار تفسیر تفہیم القرآن 24 ربیع الثانی 1392ھ مطابق 7 جون 1972ء کو پایہ تکمیل تک پہنچی۔ جو یقیناً ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے[3]۔

---

[1] رسالہ الحسنات، یادگار مودودی نمبر، ص312

[2] سید ابوالاعلیٰ مودودی، دیباچہ تفہیم القرآن، سطن (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن)، ص10

[3] گیلانی، سید اسعد، سید مودودی بچپن، جوانی، بڑھاپا، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 2014ء)، ص نمبر 170

تفہیم القرآن کا منہج و خصوصیات

تفہیم القرآن آسان اور سادہ اردو زبان میں تحریر کی گئی ہے۔ قرآن مجید کے متن کے ساتھ آزاد ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ اور حاشیے میں آیات کی تفسیر و تشریح کی گئی ہے۔ ہر سورت کے آغاز میں دیباچہ درج ہے، جو زمانہ نزول، وجہ تسمیہ اور پس منظر پر مشتمل ہوتا ہے۔ آیات کی تفسیر کرتے ہوئے جگہ جگہ احادیث مبارکہ، اقوال صحابہ، ائمہ ومفسرین کی آراء نقل کی گئی ہیں۔ تفہیم القرآن کے طرز و اسلوب اور منہج و خصوصیات کے متعلق چند نکات درج ذیل ہیں۔

تفسیر القرآن بالقرآن:

تفہیم القرآن کی ایک خصوصیت تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔ اور سید صاحب مشکلاتِ قرآن کا حل تلاش کرتے وقت پہلے قرآن کریم کی رہنمائی لیتے ہیں۔ اس کے لیے احادیث مبارکہ اور اقوالِ صحابہ سے مدد لیتے ہیں۔ اس بارے میں اپنے طرز و اسلوب کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> " قرآن کی تفسیر کے معاملے میں میرا مسلک یہ ہے، کہ قرآن کے الفاظ میں جس حد تک وسعت ہے، میں اس کے حدود میں رہ کر ہی تفسیر کرتا ہوں۔ ان حدود سے باہر جاکر اپنے تخیل سے کوئی ایسی بات حتی الامکان بیان نہیں کرتا، جس کی گنجائش الفاظ قرآن میں نہ ہو[1] "

تفسیر القرآن بالحدیث:

سید مودودی کے نزدیک تفسیرِ قرآن کا دوسرا بڑا و مستند ماخذ حدیث و سنت ہے۔ چنانچہ سید مودودی لکھتے ہیں:

> "میں نے جگہ جگہ قرآن مجید کی آیات اور احکام کی تشریح میں معتبر احادیث نقل کی ہیں۔ جن سے قرآن و حدیث کا تعلق بھی اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ اور اس غلط فہمی کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، کہ حدیث کے بغیر بھی قرآن کو سمجھا جا سکتا ہے۔ بلکہ پڑھنے والے کو یقین ہو جاتا ہے، کہ قرآن کے بکثرت ارشادات و احکام کو حدیث کے بغیر آدمی سمجھ ہی نہیں سکتا[2]"

جامعیت:

سید مودودی کے نزدیک قرآن مجید کا طرز و انداز عام کتابوں کی طرح نہیں، جن میں ترتیب وار ابواب اور فصول اور

---

[1] عاصم نعمانی، مکاتیب سید ابوالاعلیٰ مودودی، حصہ دوم، ص310

[2] آئین، تفہیم القرآن نمبر، ص ۱۱۴

مسائل پر بحث کی جاتی ہے۔ بلکہ تیئس سال کے عرصے میں مختلف النوع ضرورتوں کے مطابق وقتا فوقتا مخاطبین کے حالات کے اعتبار سے اس کے مختلف حصے نازل ہوتے رہے [1]۔ چنانچہ سید مودودی نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ایک جامع دستورِ حیات کی حیثیت سے اس کی تفسیر و تفہیم بیان کی ہے۔ تفہیم القرآن نے ان تمام منتشر شہ پارے جمع کرکے ایک ترتیب کے ساتھ منظم انداز میں پیش کیے ہیں [2]۔

روایات کی تخریج:

تفہیم القرآن کی ایک انفرادیت یہ بھی ہے، کہ سید مودودی صاحب احادیث نقل کرتے وقت حوالہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ بعض اوقات کتاب کا نام، باب اور راوی کا نام جب کہ کہیں پر صرف راوی اور کتاب کے نام پر اکتفاء کرتے ہیں۔ وہ انتہائی دقتِ نظر سے کسی موضوع پر قوی تر احادیث جمع کرتے ہیں۔ مثلا مسیح موعود کے عنوان سے متعلق سورۃ الاحزاب میں اکیس احادیث مکمل باحوالہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> "یہ جملہ 21 روایات ہیں۔ جو صحابیوں کے ساتھ حدیث کی معتبر کتابوں میں وارد ہوئی ہیں۔ اگرچہ ان کے علاوہ دوسری بہت سی احادیث میں بھی یہ ذکر آیا ہے، لیکن طولِ کلام سے بچنے کے لیے ہم نے ان سب کو نقل نہیں کیا ہے۔ بلکہ صرف وہ روایتیں لے لی ہیں، جو سند کے لحاظ سے قوی تر ہیں [3]"

لفظی ترجمہ کی بجائے آزاد ترجمہ:

تفہیم القرآن کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے، کہ اس میں بین السطور لفظی ترجمہ کی بجائے آزاد ترجمہ کو ترجیح دی گئی ہے۔ تاکہ قاری ترجمہ قرآن پڑھتے ہوئے قرآن کے مفہوم و مدعا کو سمجھ کر وہی اثر قبول کرے، جو قرآن اس پر ڈالنا چاہتا ہے۔ نیز لفظی ترجمہ میں زبان کی بلاغت، کلام کی تاثیر کا فقدان نظر آتا ہے۔ لفظی ترجمہ کی بے جان عبارت سے نہ تو روح میں وجد آتا ہے۔ اور نہ پڑھنے والے کے رونگھٹے کھڑے ہو کر اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔ اور نہ اس کے اندر جذبات کا طوفان برپا ہوتا ہے۔ اس لیے سید مودودی نے عبارت کا مفہوم اردو زبان میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور لفظی پابندیوں سے نکل کر عربی مبین کی ترجمانی اردو مبین میں آزاد ترجمانی کی گئی ہے [4]۔

---

[1] مقدمہ تفہیم القرآن، ص25

[2] نعیم صدیقی، آئین، تفہیم القرآن نمبر، ص226

[3] مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ضمیمہ الاحزاب (لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، 1952ء)، ج4، ص162

[4] سید مودودی، ترجمہ قرآن مع مختصر حواشی، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 2001ء)، ص5

جدید وقدیم علوم کا امتزاج:

سید مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں جدید وقدیم علوم جمع کیے ہیں۔ ان کی تفسیر میں جہاں متقدمین مفسرین کے اقوال ملتے ہیں، وہی وہ جدید سائنسی علوم، عمرانیات، تاریخ وجغرافیہ، ساجیات وسیاسات کا ایک مکمل انسائیکلوپیڈیا بھی ہے۔ اسی طرح وہ جدید تہذیب کے جان لیوا لادین نظریات اور خیالات وافکار پر بھی بروقت گرفت کر کے منطقی انداز میں ان کا ابطال کرتے ہیں۔ اور فرق باطلہ کے شبہات کا جواب قوی عقلی دلائل سے دیتے ہیں۔

نقشہ جات وتصاویر:

تفہیم القرآن کی ایک انفرادی خصوصیت یہ ہے، کہ انہوں نے قرآن کریم کے تاریخی مقامات، حجاز، مصر وشام [1]، غزوات اور سابقہ ہلاک شدہ اقوام کے مقامات کا خصوصی سفر کیا۔ اس سفر کے ذریعے حاصل شدہ معلومات اور وہاں کھینچی گئی تصاویر ونقشہ جات کی وجہ سے تفہیم القرآن کو دوسری تفاسیر پر فوقیت حاصل ہے [2]۔ چنانچہ نعیم صدیقی [3] فرماتے ہیں، کہ "یہ نقشوں سے مزین پہلی تفسیر ہے [4]"

---

[1] شام کے مغرب میں بحیرہ روم اور لبنان جنوب میں اسرائیل اور اردن مشرق میں عراق اور شمال میں ترکی ہے اس کا موجودہ رقبہ 71772 مربع میل ہے بیشتر آبادی سنی مسلمانوں کی ہے جب کہ شیعہ اسماعیلی، دروز اور عیسائی بھی بڑی تعداد میں آباد ہے قاہرہ کے بعد دمشق دنیائے عرب کا دوسرا علمی وثقافتی مرکز ہے شام بنیادی طور پر زرعتی ملک ہے شام صدیوں سے ریشمی مصنوعات اور کانچ کے کام کے لیے مشہور رہا ہے۔ (دائرہ معارف اسلامیہ، ج11، ص605)

[2] ترابی، الیف الدین، سید مودودی کا تفسیری اسلوب، ماہنامہ ترجمان القرآن (ادارہ ترجمان القرآن، مئی 2004ء)، ص300

[3] ان کا اصل نام فضل الرحمٰن تھا آپ 4جون 1914ء کو چکوال کے گاؤں خانپور میں پیدا ہوئے آپ 20 سے زائد کتابوں کے مصنف تھے جن میں محسن انسانیت، المودودی، حق وباطل، تحریکی شعور افشاں، کمیونزم یا اسلام وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ 25 ستمبر 2002ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ (ایم آر شاہد، لاہور میں مدفون مشاہیر، اشاعت دوم، (لاہور: الفیصل، 2007ء)، ج1، ص338)

[4] آئین، تفہیم القرآن نمبر 6، ص230

مولانا سعید احمد پالن پوری اور ان کی تفسیر "ہدایت القرآن" کا تعارف

ولادت باسعادت اور نام

آپ کی تاریخ ولادت محفوظ نہیں، البتہ والد محترم نے اندازے سے، آپ کا سن پیدائش 1940ء کا آخر مطابق 1360ھ بتایا ہے، آپ موضع "کالیڑہ" ضلع بناس کانٹھا (شمالی گجرات) میں پیدا ہوئے، آپ کا نام والدین نے "احمد" رکھا تھا، سعید احمد آپ نے اپنا نام خود رکھا ہے، آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی "یوسف" اور دادا کا نام "علی" ہے، جو احتراماً "علی جی" کہلاتے تھے، آپ کا خاندان "ڈھکا" اور برادری "مومن" ہے، جس کے تفصیلی احوال "مومن قوم اپنی تاریخ کے آئینہ میں" مذکور ہیں۔[1]

تعلیم و تربیت

جب آپ کی عمر پانچ، چھ سال کی ہوئی، تو والد صاحب نے آپ کی تعلیم کا آغاز فرمایا، لیکن والد مرحوم کھیتی باڑی کے کاموں کی وجہ سے، موصوف کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکتے تھے، اس لئے آپ کو اپنے وطن "کالیڑہ" کے مکتب میں بٹھا دیا وہاں مولانا داؤد صاحب چودھری رحمہ اللہ تعالیٰ، مولانا حبیب اللہ صاحب چودھری رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب جونکیہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے مکتب کی تعلیم مکمل کر کے، موصوف اپنے ماموں مولانا عبدالرحمن صاحب شیر اقدس سرہ کے ہمراہ "چھاپی" تشریف لے گئے، اور دارالعلوم چھاپی میں اپنے ماموں، اور دیگر اساتذہ سے فارسی کی ابتدائی کتابیں، چھ ماہ تک پڑھیں، چھ ماہ کے بعد، آپ کے ماموں دارالعلوم چھاپی کی تدریس چھوڑ کر گھر آ گئے، تو آپ بھی اپنے ماموں کے ہمراہ آ گئے، اور چھ ماہ تک اپنے ماموں سے ان کے وطن "جونی سیندھی" میں فارسی کی کتابیں پڑھتے رہے۔ اس کے بعد مصلحِ امت حضرت مولانا نذیر میاں صاحب پالن پوری قدس سرہ کے مدرسہ پالن پور میں داخلہ لیا، اور چار سال تک حضرت مولانا مفتی محمد اکبر میاں صاحب پالن پوری، اور حضرت مولانا ہاشم صاحب بخاری رحمہما اللہ سے، عربی کی ابتدائی اور متوسط کتابیں پڑھیں۔

مظاہر علوم میں داخلہ

شرح جامی تک پالن پور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد، مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ نے 1377ھ میں

---

[1] مصطفیٰ امین، حیات سعید ایک نظر میں، طبع اول (دیوبند: مکتبہ دار العرفان،)، ص6

سہارنپور (یوپی) کا سفر کیا، اور مظاہر علوم میں داخلہ لے کر، تین سال تک امام النحو والمنطق حضرت مولانا صدیق احمد[1] صاحب قدس سرہ سے، نحو اور منطق وفلسفہ کی اکثر کتابیں پڑھیں، نیز حضرت مولانا مفتی یحییٰ صاحب سہارنپوری، حضرت مولانا عبد العزیز صاحب رائے پوری[2] اور حضرت مولانا وقار صاحب بجنوری رحمہم اللہ سے بھی کتابیں پڑھیں۔[3]

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

پھر فقہ، حدیث، تفسیر اور فنون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے 1380ھ میں دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا، دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر، پہلے سال حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب بلند شہری رحمہ اللہ تعالیٰ سے، تفسیر جلالین مع الفوزالکبیر، حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی قدس سرہ سے ہدایہ اولین وغیرہ پڑھیں اور 1382ھ میں موافق 1962ء میں، جو کہ دارالعلوم دیوبند کا سوواں سال ہے، دورۂ حدیث کی تکمیل فرمائی، آپ بچپن سے ہی نہایت ذہین وفطین، کتب بینی، اور محنت کے عادی تھے، اس پر دارالعلوم دیوبند کے اساتذۂ کرام کی تعلیم وتربیت نے، آپ کی استعداد وصلاحیت کو بائیس سال کی عمر میں ہی، بام عروج پر پہنچادیا تھا، چنانچہ دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم دینی درسگاہ کے، سالانہ امتحان میں آپ نے اول نمبر سے کامیابی حاصل کی تھی۔[4]

---

[1] مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی کی ولادت 11 شوال 1341ھ مطابق 1923ء کو بروز جمعہ اترپردیش کے باندہ ضلع کے ہتورا قصبہ میں ہوئی تھی۔ 16 سال کی عمر میں مظاہر علوم سہارنپور 1358ھ میں داخلہ لیا اور یہاں 4 سال تک اپنی تعلیم حاصل کی اس کے بعد 1362ھ میں مدرسہ شاہی مرادآباد میں دورہ حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخلہ لیا اور اسے مکمل کیا۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی وفات 28 اگست 1997 کو لکھنؤ میں ہوئی تھی۔ [ندوی، محمد زید مظاہری، حیات صدیق، طبع اول (انڈیا: مکتبہ عثمانیہ، 2014ء)، ص15-23]

[2] عبد العزیز رائے پوری: ان کی ولادت ۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ / 16/ جولائی 1905ء بروز جمعتہ المبارک کو ہوئی۔ 1924ء میں مظاہر العلوم سہارن پور سے فراغت ہوئی۔ مسلسل 45 سال انھوں نے حضرت شاہ عبد القادر رائے پوریؒ کے خادم کی حیثیت سے امور سرانجام دیے۔ 1970ء کی دہائی میں پاکستان میں قادیانیت کے خلاف تحریک میں سرپرستی اور قائدانہ کردار ادا کیا۔ 3/ جون 1992ء کو فوت ہوئے۔ (https://rahimia.org/articles/maulana-shah-abdul-aziz-raipuri/، تاریخ رسائی، 14 ستمبر 2024ء)

[3] https://darululoom-deoband.com/urduarticles/archives/3351، تاریخ رسائی، 4 جنوری، 2024

[4] مصطفیٰ امین، حیات سعید ایک نظر میں، ص8

دارالافتاء میں داخلہ

دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد، آپ نے شوال 1382ھ میں تکمیل افتاء کے لئے درخواست دی، یکم ذیقعدہ 1382ھ کو آپ کا دار افتاء دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ہو گیا، اور حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری[1] رحمہ اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں کتب فتاوی کا مطالعہ اور فتوی نویسی کی مشق کا آغاز فرمایا۔ آپ اپنے بھائی بہنوں میں سب سے بڑے ہیں، اس لئے دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد اپنے بھائیوں کی تعلیم وتربیت کی طرف خصوصی توجہ فرمائی، اسی سال آپ نے سماحۃ الشیخ محمود عبد الوہاب مصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس حفظ بھی شروع کیا، جو قرآن کریم کے جید حافظ اور مصری قاری تھے، الغرض 1382ھ اور 1383ھ میں آپ ایک طرف کتب فتاوی کا مطالعہ، فتوی نویسی کی مشق کرتے تھے، دوسری طرف اپنے بھائی کو حفظ کراتے تھے اور خود بھی حفظ کرتے تھے، اور ان کاموں میں ایسے مصروف ومنہمک تھے، کہ رمضان المبارک میں بھی وطن تشریف نہیں لے گئے، ادھر افتاء کمیٹی نے آپ کی صلاحیتوں کو مزید پروان چڑھانے کے لئے، دارالافتاء کے داخلہ میں ایک سال کی توسیع کر دی، چھ ماہ بعد دارالعلوم دیوبند کے ارباب انتظام نے، آپ کا معین مفتی کی حیثیت سے دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں تقرر کر دیا۔[2]

عزم واستقلال کا پیکر

حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری عزم واستقلال کے پیکر تھے، طالبِ علمی کے زمانے سے لیکر ان کی وفات تک ان کی زندگی اس بات کی گواہی دیتی ہے، کہ وہ علمی وتحقیقی کاموں میں تھکنے اور ہارنے کے قائل نہیں، ان کے عزم وہمت کے بے شمار واقعات میں سے نمونے کے طور پر ان کی طالبِ علمی کے آخری سال کا ایک منظر، اور اسی طرح فارغ ہونے کے بعد، جب مدرس ہو کر دارالعلوم اشرفیہ راندیر سورت تشریف لے گئے، اس زمانے کا بھی صرف ایک ہی روح پرور منظر، ان کے بھتیجے مولانا مفتی مصطفیٰ امین صاحب پالن پوری کی کتاب آبِ حیات کے حوالے سے پیش کیا جارہا ہے:

---

[1] مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری: ان کی ولادت جمادی الثانی ۱۳۰۱ھ میں ہوئی۔ 1328ھ میں آپ مدرسہ امینیہ سے فارغ ہوئے۔ 1330ھ میں مدرسہ اشرفیہ راندیر ضلع سورت، گجرات میں صدر مدرس کے طور پر آپ کا تقرر ہوا۔ 1367ھ میں دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ افتاء میں صدر مفتی کے منصب پر فائز ہوئے۔ اور 1387ھ تک تقریباً بیس سال تک اس عہدے پر فائز رہے۔ 28 ربیع الثانی 1396ھ کو فوت ہوئے۔ [عثمانی، فضیل الرحمٰن، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، شخصیات اور سوانحی خاکے، شعبان 1431ھ، ص57-65]

[2] دارالعلوم، شوال المکرم–ذی القعدہ 1441ھ مطابق جون–جولائی 2020ء، شمارہ: 7-6، جلد: 104، ص35

"حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے طالبِ علم تھے، موصوف دارالافتاء کی تعلیم کے ساتھ اپنے چھوٹے بھائی مفتی امین صاحب پالن پوری کو حفظ کراتے تھے، خود بھی حفظ کرتے تھے، اور مولوی عبدالمجید صاحب کو، جو والد صاحب سے دو سال بڑے تھے، ان کو فارسی پڑھاتے تھے، اور حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیلاوی، اور حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری رحمہا اللہ کی خدمت کرتے تھے، بلاناغہ دونوں استاذوں کے دولت کدہ پر حاضر ہوتے تھے، اور ان کا جو کام ہوتا تھا، ان کو انجام دیتے تھے"[1]

یہ تو حضرت الاستاذ کے دورِ طالبِ علمی کی محنت و ہمت کا ایک منظر تھا، آگے مولانا مفتی مصطفیٰ امین صاحب، اور ان کے والد ماجد مفتی امین صاحب نے ان کی تدریس کے ابتدائی دور کا ایک منظر بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے:

فراغت کے بعد حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری کا تقرر دارالعلوم اشرفیہ راندیر سورت میں درجۂ علیا کے استاذ کی حیثیت سے ہوگیا، اور آپ اپنے تینوں چھوٹے بھائیوں عبدالمجید، محمد امین اور حبیب الرحمان کو، جو ابھی طالبِ علم تھے، اپنے ساتھ لیکر راندیر سورت تشریف لے گئے، اور یہ تینوں بھائی آپ کے ہمراہ مسجد کے ایک چھوٹے کمرے میں قیام پذیر ہوگئے، جس میں تین طرف کتابیں اور ایک طرف کھانا پکانے کا سامان رہتا تھا، صرف ایک آدمی کے لیٹنے کی جگہ بچتی تھی، جہاں حضرت مفتی صاحب رات دیر تک مطالعہ کرنے کے بعد آرام فرماتے تھے، اور آپ کے تینوں بھائی مسجد کے حوض پر لیٹ جاتے تھے، حضرت مفتی صاحب جہاں دارالعلوم اشرفیہ میں درجۂ علیا کے اندر پڑھاتے تھے، وہاں اپنے تینوں بھائیوں کو الگ بھی پڑھاتے تھے، اور ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی جاری رکھتے تھے۔ اسی زمانے کی بات ہے، کہ حضرت مفتی سعید صاحب ہفتہ میں ایک یا دو مرتبہ سالن بناتے تھے، اور چاروں بھائی ہفتہ تک اس کو کھاتے تھے، ان کے بھائی عبدالمجید روٹی پکالیتے تھے، اور بھائی محمد امین برتن دھولیا کرتے تھے، اور بھائی حبیب الرحمان چونکہ سب سے چھوٹے تھے، اس لئے ان کے ذمہ کوئی کام

---

[1] پالن پوری، محمد امین، آبِ حیات، طبع اول (دیوبند: مکتبہ حجاز)، ص24

نہیں تھا، اور ہفتہ میں مفتی صاحب صرف ایک یا دو مرتبہ سالن اس لئے پکاتے تھے، تاکہ مطالعہ میں حرج نہ ہو۔[1]

راندیر میں آپ کا تقرر

دار الافتاء کے نصاب کی تکمیل کے بعد، حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم بلیلاوی[2] کے توسط سے آپ کا تقرر دار العلوم اشرفیہ راندیر (سورت) میں درجۂ علیا کے استاذ کی حیثیت سے ہوا، چنانچہ آپ 21 شوال 1384ھ کو مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے اپنے گھر تشریف لے گئے، اور اپنے بھائیوں کو ساتھ لے کر راندیر (سورت) تشریف لے گئے، اور دارالعلوم اشرفیہ میں تدریس کا آغاز فرمایا۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر

اسی دوران موصوف کے استاذ محترم حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو پہلے جامعہ حسینیہ راندیر میں پڑھاتے تھے، پھر دارالعلوم دیوبند میں ان کا تقرر ہو گیا تھا، موصوف کو خط سے مطلع کیا، کہ دارالعلوم دیوبند میں ایک جگہ خالی ہے، لہٰذا آپ دارالعلوم میں تدریس کی درخواست بھیجیں، موصوف نے جناب مولانا حکیم محمد سعد رشید صاحب اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مشورہ سے درخواست بھیج دی، اس کے ہمراہ ایک مکتوب حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام ارسال فرمایا ، اسی سال شعبان میں، جب مجلس شوریٰ کا انعقاد ہوا، اور درجات عربیہ کے لئے ایک مدرس کے تقرر کا تذکرہ آیا، تو حضرت مولانا محمد منظور صاحب[3] نعمانی قدس سرہ نے،

---

[1] پالن پوری، محمد امین، آبِ حیات، ص25

[2] محمد ابراہیم بلیلاوی 1304ھ مطابق 1887ء میں قاضی پورہ، بلیلا میں پیدا ہوئے۔ 1325ھ مطابق 1907ء میں دار العلوم دیوبند میں ان کا داخلہ ہوا اور 1327ھ مطابق 1909ء میں انھوں نے وہاں سے سند فضیلت حاصل کی۔ 1331ھ میں دار العلوم دیوبند میں وہ استاذ مقرر ہوئے اور 1339ھ تک وہیں رہے۔ ہدیۃ الاحوذی، رسالہ تراویح، انوار الحکمہ، ضیاء النجوم وغیرہ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ ان کا انتقال بہ روز چہار شنبہ 24 رمضان 1387ھ مطابق 27 دسمبر 1967ء کو دیوبند میں ہوا۔[ابو الفائز، محمد خالد حسین، ابراہیم بلیلاوی، طبع اول (بنگلہ دیش: اسلامک فاونڈیشن، 2005ء)، ص708-709]

[3] منظور نعمانی 18 شوال 1323ھ مطابق 15 دسمبر 1905ء میں سنبھل، اترپردیش میں پیدا ہوئے۔ 1927ء میں دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، وہاں حدیث کی تعلیم انور شاہ کشمیری سے حاصل کی۔ سید ابو الحسن علی ندوی کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ صاحب تصانیف تھے۔ 1943ء میں انھیں دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا رکن بنایا گیا۔ ان کی وفات لکھنؤ ہی میں 4 یا 5 مئی

موصوف کا نام پیش کیا، اور اسی مجلس میں موصوف کا تقرر ہو گیا، موصوف کو شعبان ہی میں اس کی اطلاع دے دی گئی، رمضان المبارک کے بعد، آپ دار العلوم دیوبند تشریف لے آئے۔[1]

حضرت مفتی سعید صاحب کی دعوتی و تبلیغی خدمات

مذکورہ بالا تعلیمی و تدریسی اور تصنیفی مصروفیات کے باوجود، آپ ملک و بیرون ملک کے دورے کرتے رہتے ہیں، اور جو حضرات دینی باتیں سننے کے مشتاق ہیں، ان کو شریعت کی حکمت و دانائی کی باتوں سے نوازتے رہتے ہیں، آپ دار العلوم دیوبند کی تدریس کو بحسن وخوبی انجام دیتے ہوئے، اور تصنیفی کام جاری رکھتے ہوئے، درمیان سال میں، وقتاً فوقتاً ملک و بیرون ملک کے مختصر دورے کرتے رہتے ہیں، اور رمضان المبارک کی طویل تعطیل میں، کبھی برطانیہ، کبھی کناڈا، کبھی افریقہ اور امریکہ تشریف لے جاتے ہیں، ایک دن میں کئی کئی تقریریں کرتے ہیں، سعادت مند سامعین کو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت، خوف خدا و فکر آخرت، اور اعمال صالحہ پر ابھارتے رہتے ہیں، حرام اور منکر باتوں سے نہایت مؤثر انداز میں باز رہنے کی تلقین فرماتے رہتے ہیں۔[2]

حضرت مفتی سعید صاحب کا انداز خطابت اور تصنیفی خصوصیات

جس طرح موصوف کا انداز خطابت نہایت مؤثر، درس نہایت مقبول اور عام فہم ہوتا ہے، اسی طرح آپ کی تمام تصانیف نہایت آسان، عام فہم اور مقبول عام و خاص ہیں، آپ کی تقریریں نہایت مبسوط، اور علمی نکات سے پر، اور تحریریں نہایت مرتب، واضح اور جامع ہوتی ہیں، اسی لئے آپ کی کئی تصانیف دار العلوم دیوبند اور دیگر مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہیں۔

حضرت مفتی سعید صاحب کی ترقیات کا راز

موصوف کو اللہ جل شانہ و عم نوالہ نے بہت سی خوبیوں اور کمالات سے نوازا ہے، آپ کا ذوق لطیف، طبیعت سادہ اور نفیس ہے، مزاج میں استقلال اور اعتدال ہے، فطرت میں سلامت روی، اور ذہن رسا کے مالک ہیں، زود نویس اور خوش نویس ہیں، حق و باطل، اور صواب و خطا کے درمیان امتیاز کرنے کی وافر صلاحیت رکھتے ہیں، اور حقائق و معارف کے ادراک میں یکتائے زمانہ ہیں۔

1997ء کو ہوئی۔[سواتی، غفران الحق، نبذة من حياة الشيخ العلامة محمد منظور أحمد النعماني رحمه الله، الفاروق، ستمبر 2020ء، ص 49-53]

[1] https://darululoom-deoband.com/urduarticles/archives/3351، تاریخ رسائی، 4 جنوری، 2024

[2] سوانح۔حضرت۔مولانا۔مفتی۔سعید۔احمد۔صاحب https://waraquetaza.com/، تاریخ رسائی، 4 جنوری، 2024ء

اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے، کہ موصوف اپنے کاموں میں نہایت چست اور حالات کا جوان مردی سے مقابلہ کرنے والے ہیں، موصوف کو قریب سے دیکھنے والوں کا کہنا ہے، کہ ہم نے حضرت اقدس جیسا شب و روز محنت کرنے والا، مصروف آدمی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، آپ کے تمام شاگرد جانتے ہیں، کہ آپ کا درس کتنا مقبول ہے، اور جن حضرات کو آپ کی تصانیف دیکھنے، اور تقاریر سننے کا موقع ملا ہے، وہ جانتے ہیں، کہ آپ کی تصانیف اور تقاریر کتنی پر مغز، مرتب اور جامع ہوتی ہیں، اور آپ کے خدام جانتے ہیں، کہ حضرت اقدس اپنی اور اپنے متعلقین کی کتابوں کی تصحیح و طباعت کا کتنا اہتمام کرتے تھے۔

حضرت مفتی سعید صاحب اجازت بیعت وارشاد

موصوف جس طرح علوم ظاہری میں درک و کمال رکھتے ہیں، اسی طرح علوم باطنی سے بھی بہرہ ور ہیں، مگر اس کا اس قدر اخفاء فرماتے ہیں، کہ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں، کہ آپ صرف علوم ظاہری میں مہارت رکھتے ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ آپ طالب علمی کے زمانہ سے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا[1] صاحب قدس سرہ سے بیعت تھے، اور دیگر بزرگان دین سے بھی فیض یافتہ تھے، خاص طور پر حضرت اقدس مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری[2] قدس سرہ کی مجالس میں، مظاہر علوم کی طالب علمی کے زمانہ میں شرکت کرتے رہتے تھے، اور حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب مظاہری کے مجاز بیعت وارشاد تھے۔[3]

حضرت مفتی سعید احمد پالنپوری زیارت حرمین شریفین

موصوف کئی بار زیارت حرمین شریفین کا شرف حاصل کر چکے تھے، سب سے پہلے 1400ھ مطابق 1980ء میں اہلیہ محترمہ کے ساتھ، پانی کے جہاز سے سفر کیا، اور فریضۂ حج ادا کیا... پھر 1406ھ مطابق 1986ء میں افریقہ سے دوسرا

---

[1] مولانا محمد زکریا کاندھلوی: آپؒ مولانا محمد یحیٰؒ کے فرزند تھے۔ قصبہ کاندھلہ میں پیدا ہوئے تھے۔ تعلیم دارالعلوم سہارنپور سے حاصل کی اور 1344ھ کو فراغت ہوئی۔ آپ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے شاگرد رشید تھے۔ اور آپؒ ہی نے آپ کو شیخ الحدیث کا عظیم خطاب دیا تھا۔ آپؒ نے اوجز المسالک، الکوکب الدری، شرح الفیہ اردو، فضائل اعمال، یاد ایام، حکایات صحابہ، اعتدال فی مراتب الرجال وغیرہ کتب تصنیف فرمائی ہیں۔ آپ 24 مئی 1982ء کو مدینہ منورہ میں وفات پا گئے۔ (بخاری، اکابر علماء دیوبند، ص 274)

[2] مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری 1873ء میں ضلع سرگودھا، پنجاب میں پیدا ہوئے۔ عبد الرحیم رائے پوری سے سلوک کی تعلیم حاصل کی اور مجاز بیعت و ارشاد ہوئے۔ خلفاء میں سید ابو الحسن علی ندوی، امیر تبلیغ حاجی عبد الوہاب، امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاری، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا انور شاہ کشمیری کے نام نمایاں ہیں۔ حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ اعوانی قوم کے تھے۔ 1962ء میں فوت ہوئے۔ [ندوی، ابو الحسن علی، سوانح حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری، طبع اول (لکھنو: مکتبہ اسلام، 2005ء)، ص 13-32]

[3] مصطفیٰ امین، حیات سعید ایک نظر میں، ص 8

حج کیا، چونکہ آپ پہلے فرض حج ادا کر چکے تھے، اس لئے موصوف نے یہ دوسرا حج آنحضرت ﷺ کی طرف سے حج بدل کے طور پر کیا ہے، پھر 1410ھ مطابق 1990ء میں سعودی وزارت حج واوقاف کے مہمان کی حیثیت سے تیسرا حج کیا، اور ایک بار ربیع الاول 1414ھ میں عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔[1]

والد ماجد کی وفات

جس زمانہ میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی[2]، مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی، اور محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری ڈابھیل میں پڑھاتے تھے، اس وقت والد صاحب ڈابھیل میں پڑھتے تھے، اور حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ کے خادم خاص تھے، مگر گھریلو احوال کی وجہ سے تعلیم مکمل نہیں کر سکے تھے، اس لئے اپنے صاحب زادوں کو علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا بدر عالم میرٹھی، اور محدث کبیر مولانا محمد یوسف صاحب بنوری جیسا عالم بنانے کا عظیم جذبہ رکھتے تھے، حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ نے والد صاحب کو یہ وصیت کی تھی کہ:

> "یوسف! اگر تم اپنے لڑکوں کو اچھا عالم بنانا چاہتے ہو، تو حرام اور ناجائز مال سے پرہیز کرنا، اور بچوں کو بھی ناجائز اور حرام مال سے بچانا، کیونکہ علم ایک نور ہے، ناجائز اور حرام مال سے جو بدن پروان چڑھتا ہے، اس میں یہ نور داخل نہیں ہوتا"۔

یہ نصیحت حضرت مولانا بدر عالم نے والد ماجد کو اس لئے کی تھی، کہ اس زمانہ میں ہماری ساری قوم بنیوں کے سود میں پھنسی ہوئی تھی، اسی زمانہ میں ہمارے دادا نے بنیے سے سودی قرض لے کر ایک زمین کرایہ پر لی تھی، والد صاحب اس زمانہ میں ڈابھیل کے طالب علم تھے، والد صاحب نے اس معاملہ میں دادا سے اختلاف کیا تو والد صاحب کو حرام سے بچنے کے لئے مجبوراً تعلیم چھوڑ کر اپنا گھر سنبھالنا پڑا، اور تہیہ کیا کہ چاہے بھوکا رہوں گا، مگر حرام کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا، تاکہ میں نہیں پڑھ سکا تو اللہ تعالیٰ میری اولاد کو علم دین عطا فرمائیں۔

---

[1] سوانح۔حضرت۔مولانا۔مفتی۔سعید۔احمد۔صاحب https://waraquetaza.com/، تاریخ رسائی، 4 جنوری، 2024ء

[2] شبیر احمد عثمانی: آپ کی ولادت 7 محرم 1304ھ مطابق 1885ھ میں بریلی میں ہوئی۔ شجرہ نسب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔1325ھ میں فراغت ہوئی۔اور 1328ھ مطابق 1910ء میں دارالعلوم دیوبند میں استاد کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا۔کئی تحقیقی کتابیں اور مقالے لکھے۔مثلاً العقل والنقل، الروح فی القرآن، اعجاز القرآن، الشہاب، سجود الشمس، حجاب شرعی، خوارق عادات، تفسیر عثمانی، فتح الملہم شرح صحیح مسلم وغیرہ۔13 دسمبر 1949ء مطابق 21 صفر 1369ھ کو 64 سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ (بخاری، محمد اکبر شاہ، بیس علمائے حق، طباعت اول (لاہور: مکتبہ رحمانیہ) ص 53-61)

چنانچہ والد صاحب، ناجائز اور حرام مال، بلکہ مشتبہ مال سے بھی پرہیز کرتے تھے، اور اپنی اولاد کو بھی بچاتے تھے، اور ان کی تعلیم وتربیت کی طرف پوری توجہ فرماتے تھے، صوم وصلوٰۃ کے ایسے پابند تھے، کہ میرے علم کے مطابق ان کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی، والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد، والد صاحب نے قرآن کریم حفظ کرنا شروع کیا تھا، سات آٹھ پارے حفظ کرلئے تھے، مگر عمر نے وفا نہیں کی، اور ذیقعدہ 1411ھ میں تہجد کے وقت اپنے رب کے حضور پہنچ گئے۔

والدہ ماجدہ کی رحلت

حضرت مفتی صاحب کی والدہ ماجدہ، دین کی ضروری باتوں سے واقف، امور خانہ داری میں ماہر، نہایت سلیقہ مند، نماز روزے کا خوب اہتمام کرنے والی، صالحہ عابدہ اور صابرہ شاکرہ خاتون تھیں، 10 محرم 1399ھ کو روزہ رکھا، مغرب کے وقت روزہ افطار کیا، نماز پڑھی، اسی دن عشاء کی نماز کے بعد اپنے مالک حقیقی سے جاملیں۔[1]

تصنیفی خدمات

حضرت مولانا کی تصانیف جو شائع ہوکر مشرق ومغرب میں پھیل چکی ہیں، ان کا تعارف درج ذیل ہے:

(1) تفسیر ہدایت القرآن:

یہ مقبول عام وخاص تفسیر ہے، پارہ 30 اور ایک تا 9 حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی صاحب رحمہ اللہ کے لکھے ہوئے ہیں، بقیہ کام حضرت والا نے کیا ہے۔ مگر حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری نے یہ تفسیر مکمل کردی ہے، اور شائع ہوگئی ہے، ابتدا کے نو پارے جو حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھے تھے، اسی انداز اور طرز پر ان نو پاروں کی تفسیر دوبارہ لکھ کر شائع کردی۔

(2) الفوزالکبیر کی تعریب جدید:

یہ سابقہ تعریب کی تہذیب ہے، دار العلوم دیوبند اور دیگر مدارس عربیہ کے نصابِ درس میں داخل ہے۔

(3) العون الکبیر:

یہ الفوز الکبیر کی عربی شرح ہے، پہلے قدیم تعریب کے مطابق تھی، اب جدید تعریب کے مطابق کردی گئی ہے۔

(4) فیض المنعم:

یہ مقدمۂ مسلم شریف کی معیاری اردو شرح ہے، جو ترکیب، حل لغات اور فن حدیث کی ضروری بحثوں پر مشتمل ہے۔

---

[1] https://www.lajnatulmuallifeen.com/2020/05/Mufti-sayed-sahab.html، تاریخ رسائی، 27 دسمبر 2023ء

(5) تحفہ الدر:
یہ نخبۃ الفکر کی بہترین اردو شرح ہے، کتب حدیث پڑھنے والوں، خصوصاً مشکوۃ شریف پڑھنے والوں کے لئے نہایت قیمتی سوغات ہے۔

(6) مبادی الفلسفہ:
اس میں فلسفہ کی تمام اصطلاحات کی عربی زبان میں مختصر اور عمدہ وضاحت کی گئی ہے، دارالعلوم دیوبند، اور دیگر مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہے۔
(7) معین الفلسفہ:
یہ مبادیِ الفلسفہ کی بہترین اردو شرح ہے، اور حکمت وفلسفہ کے پیچیدہ مسائل کی عمدہ وضاحت پر مشتمل معلومات افزا کتاب ہے۔
(8) مفتاح التہذیب:
یہ علامہ تفتازانی کی "تہذیب المنطق" کی ایسی عمدہ شرح ہے، کہ اس سے "شرح تہذیب" جو مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہے، خوب حل ہو جاتی ہے۔
(9) آسان منطق: یہ تیسیر المنطق کی تہذیب ہے، دارالعلوم دیوبند اور بہت سے مدارس میں "تیسیر المنطق" کی جگہ پڑھائی جاتی ہے۔
(10) آسان نحو (دو حصے):
نحو کی ابتدائی عربی کتابوں میں تدریج کا لحاظ نہیں رکھا گیا، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے، یہ دو حصے پڑھا کر علم نحو کی کوئی بھی عربی کتاب شروع کرائی جاسکتی ہے۔ زبان آسان اور انداز بیان سلجھا ہوا ہے۔
(11) آسان صرف (تین حصے):
علم صرف کی جو کتابیں اردو میں لکھی گئی ہیں، ان میں عام طور پر تدریج کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے، جبکہ یہ بات نہایت ضروری ہے، یہ نصاب اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے، یہ نصاب نہایت مفید اور بہت سے مدارس میں داخل درس ہے۔
(12) آپ فتویٰ کیسے دیں؟: یہ علامہ محمد امین بن عابدین شامی کی شہرۂ آفاق کتاب "شرح عقود رسم المفتی" کی نہایت عمدہ شرح ہے۔

(13) کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟: یہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کی کتاب ”توثیق الکلام“ کی نہایت آسان عام فہم شرح ہے۔

(14) حیات امام ابو داؤد: اس میں امام ابو داؤد سجستانی کی مکمل سوانح، سنن ابی داؤد کا تفصیلی تعارف، اور اس کی تمام شروحات و متعلقات کا مفصل جائزہ، سلیس اور دلنشین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

(15) مشاہیر محدثین و فقہائے کرام اور تذکرہ راویان کتب حدیث: اس میں خلفاء راشدین، عشرۂ مبشرہ، ازواج مطہرات، بنات طیبات، مدینہ کے فقہائے سبعہ، مجتہدین امت، محدثین کرام، راویان کتب حدیث، شارحین حدیث، فقہائے ملت، مفسرین عظام، متکلمین اسلام اور مشہور شخصیات کا مختصر جامع تذکرہ ہے۔

(16) حیات امام طحاوی: اس میں امام ابو جعفر طحاوی کے مفصل حالات زندگی، ناقدین پر رد، تصانیف کا تذکرہ، زبدۃ الطحاوی کی توضیح اور شرح معانی الآثار کا تعارف ہے۔

(17) اسلام تغیر پذیر دنیا میں: یہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اور جامعہ ملیہ دہلی کے سیمناروں میں پڑھے گئے چار قیمتی مقالوں کا مجموعہ ہے۔

(18) تسہیل ادلۂ کاملہ: یہ حضرت شیخ الہند کی مایۂ ناز کتاب ”ادلۂ کاملہ“ کی نہایت عمدہ شرح ہے، اس میں غیر مقلدین کے چھیڑے ہوئے دس مشہور مسائل کی مکمل تفصیل ہے، یہ شیخ الہند اکیڈمی سے شائع ہوئی ہے۔

(19) حواشی و عناوین ایضاح الادلہ: ایضاح الادلہ حضرت شیخ الہند کی شہرۂ آفاق کتاب ہے، اس پر موصوف نے نہایت مفید حواشی ارقام فرمائے ہیں، اور ذیلی عناوین بڑھائے ہیں، یہ کتاب بھی شیخ الہند اکیڈمی سے شائع ہوئی ہے۔

(20) حواشی امداد الفتاوی: موصوف نے قیام راندیر کے زمانے میں یہ حواشی لکھنے شروع کئے تھے، یہ حواشی بھی اہل علم میں وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

(21) رحمۃ اللہ الواسعۃ: یہ حجۃ اللہ البالغہ کی مبسوط اردو شرح ہے، حجۃ اللہ البالغہ کی تشریح ایک بھاری قرضہ تھا، جو ڈھائی سو سال سے امت کے ذمہ باقی چلا آرہا تھا۔

(22) تہذیب المغنی: المغنی علامہ محمد طاہر پٹنی قدس سرہ کی اسماء رجال پر بہترین کتاب ہے، موصوف نے اس کی عربی میں شرح لکھی ہے۔

(23) زبدۃ الطحاوی: یہ امام طحاوی کی شہرۂ آفاق کتاب ”شرح معانی الآثار“ کی عربی تلخیص ہے۔

(24) کامل برہانِ الٰہی: رحمۃ اللہ الواسعہ میں مفتی صاحب نے عنوان قائم کرکے، جو حجۃ اللہ البالغہ کی آسان شرح کی ہے، اس کو علاحدہ کرلیا ہے، اور ہلکی چار جلدوں میں مذکورہ نام سے، یہ نئی کتاب تیار کی ہے، اس میں حجۃ اللہ البالغہ کی عربی عبارت، ترجمہ، لغات اور تشریحات شامل نہیں، اب یہ عام مطالعہ کی ایک بہترین کتاب بن گئی ہے، جو لوگ حجۃ

اللہ البالغہ حل نہیں کرنا چاہتے، صرف اس کے مضامین پڑھنا چاہتے ہیں، ان کے لئے یہ قیمتی سوغات ہے، زبان آسان اور سلیس ہے، ہر قاری بے تکلف اس کا مطالعہ کر سکتا ہے

(25) حجۃ اللہ البالغہ عربی: (دو حصے) حضرت مفتی صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ پر عربی حاشیہ تحریر فرمایا ہے، جو دو جلدوں میں طبع ہو گیا ہے، عربی خواں حضرات حاشیہ کی مدد سے کتاب حل کر سکتے ہیں، اور درس میں بھی اس کو سامنے رکھا جا سکتا ہے۔

(26) ہادیہ شرح کافیہ: کافیہ: علم نحو کا مشہور و مقبول متنِ متین ہے، اس کی عبارت سلیس اور آسان ہے، مگر اس آسان کتاب کو، طریقۂ تدریس نے مشکل بنا دیا ہے۔ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مد ظلہ نے اس پر یہ کام کیا ہے، کہ کافیہ کو مفصل و مرقم کیا ہے، اس کے ہر مسئلہ، اور ہر قاعدہ کو علاحدہ کیا ہے، پھر اس کی نہایت آسان شرح لکھی ہے، اور شروع میں کافیہ پڑھانے کا طریقہ بیان کیا ہے، اور قدیم طرز سے ہٹ کر کافیہ کس طرح طلبہ کی ذہن نشین کی جائے اس کے لئے "مشقی سوالات" دیئے گئے ہیں۔

(27) وافیہ شرح کافیہ: یہ کافیہ کی عربی شرح ہے، اس میں وہی مفصل و مرقم متن ہے، اور حاشیہ میں عربی شرح لکھی گئی ہے، تاکہ طلبہ درس میں اس کو سامنے رکھ کر پڑھ سکیں۔

(28) تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی: یہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مد ظلہ کے دروسِ ترمذی کا مجموعہ ہے، آٹھ جلدوں میں طبع ہو چکا ہے، جو ترمذی شریف جلد ثانی مع شمائل ترمذی پر مشتمل ہے، مقدمہ: نایاب اور قیمتی معلومات پر مشتمل ہے اور شرح کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں مدارکِ اجتہاد بیان کئے گئے ہیں، نیز ترمذی شریف کی عبارت صحیح اعراب کے ساتھ دی گئی ہے اور کتاب کا ہر ہر لفظ حل کیا گیا ہے، غرض یہ شرح ہر مدرس کی ضرورت اور حدیث کے ہر طالب علم کی حاجت ہے۔

(29) تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری: یہ دار العلوم دیوبند میں دیئے گئے بخاری شریف کے دروس کا مجموعہ ہے، جو بارہ جلدوں پر مشتمل ہے، اس شرح کی خاص بات یہ ہے، کہ یہ نہ تو اتنی طویل ہے، کہ آدمی اس سے استفادہ ہی نہ کر سکے، اور نہ اتنی مختصر ہے، کہ کھولتے ہی ختم ہو جائے۔ پوری کتاب میں راہ اعتدال کو پکڑ کے رکھا گیا ہے

(30) مفتاح العوامل شرح شرح مأۃ عامل: یہ حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب قدس سرہٗ سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کی تصنیف ہے، حضرت مفتی صاحب دامت برکاتھم نے اس کی قابل قدر خدمت کی ہے۔

(31) گنجینۂ صرف شرح پنج گنج: یہ کتاب بھی حضرت مولانا فخر الدین صاحب قدس سرہٗ کی تصنیف ہے، حضرت مفتی صاحب دامت برکاتھم نے اس کی بھی قابل قدر خدمت کی ہے۔

(32) ارشاد الفہوم شرح سلم العلوم: منطق کی کتابوں میں سلم انتہائی دقیق کتاب مانی جاتی ہے، اور کچھ طریقہ تدریس نے بھی اس کتاب کو مشکل بنادیا ہے، یہ کتاب سلم کی ایسی شرح ہے، کہ مشکل سے مشکل مقامات بھی سہل انداز سے حل ہوجاتے ہیں۔

(33) مبادی الاصول: یہ عربی کتاب اصولِ فقہ میں ہے، بہت سے مدارس میں اصول الشاشی سے پہلے یہ کتاب پڑھائی جاتی ہے، اور داخل نصاب ہے۔

(34) معین الاصول: یہ مبادی الاصول کی آسان اردو شرح ہے، اصول الشاشی، نور الانوار اور حسامی کے طلبہ کے لئے نہایت مفید کتاب ہے۔

(35) شرح علل الترمذی: یہ ترمذی شریف کی کتاب العلل کی عربی شرح ہے، اس میں نہایت آسان زبان میں کتاب العلل کو سمجھا گیا ہے۔

(36) مسلم پرسنل لا اور نفقۂ مطلقہ: یہ کتابچہ دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند سے شائع کیا گیا تھا، اس میں مسلم پرسنل لا کی اہمیت، اور نفقۂ مطلقہ کے سلسلہ میں عدالت عالیہ کی طرف سے صادر ہونے والے فیصلے پر علمی اور فقہی انداز میں نقد کیا گیا ہے، اور نفقۂ مطلقہ پر ہونے والے اعتراضات کے مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔[1]

---

[1] سوانح۔حضرت۔مولانا۔مفتی۔سعید۔احمد۔صاحب/https://waraquetaza.com/، تاریخ رسائی، 4 جنوری، 2024ء

ہدایت القرآن کے امتیازات وخصوصیات

''تفسیر ہدایت القرآن'' کے مفسر کا مشکل مضامین کو آسان کر کے پیش کرنا امتیازی وصف ہے، اس تفسیر میں آپ کا انداز بیان نہایت ہی شستہ اور شگفتہ ہے، الفاظ و تعبیرات کا انتخاب پُر کشش ہے، پہلے مفردات کا کالم بناتے ہیں، ہر لفظ کے سامنے دوسرے کالم میں اس کا معنی لکھتے ہیں پھر ربط آیات لکھ کر، عنوان لگا کر، رواں دواں اور سُبک تعبیرات میں تفسیر سمجھاتے ہیں پھر آیات کا بامحاورہ ترجمہ کرتے ہیں، مغلق کی وضاحت: مشکل کو آسان اور غیر مربوط جملوں کو مربوط کرنے کے لیے جملوں کے درمیان قوسین میں اضافہ بھی کرتے ہیں اور بعض جگہوں پر اخیر میں کوئی ''قولِ زریں'' لکھ دیتے ہیں، اس ایک جملہ میں آیات کے مضمون کی روح ہوتی ہے، قاری اس جملہ کو مکرر پڑھنے پر مجبور ہوتا ہے۔

کسی بھی سورہ کے شروع کرتے ہوئے پہلے سورہ کا نام، نمبر شمار، نزول کا نمبر، مکی اور مدنی کی صراحت، رکوع اور آیات کی تعداد لکھتے ہیں پھر پوری سورت میں پھیلے ہوئے مضامین کا خلاصہ لکھتے ہیں؛ تاکہ قاری پہلے بہ یک نظر ان مضامین سے اجمالی طور پر واقف ہو جائے، پھر شانِ نزول لکھ کر ایک مضمون کی آیات لکھتے ہیں؛ تاکہ قاری تلاوت کر کے تفسیر سمجھنے کی طرف مائل ہو، پھر مفردات کے ساتھ کچھ حواشی تحریر کرتے ہیں جن میں لغات، اعراب اور ترکیب کی وضاحت ہوتی ہے، یہ حواشی طلبہ اور علماء کے لیے ہیں؛ جن میں ہر اس پیچیدگی کا حل ہوتا ہے جو طالب علم کے ذہن میں آتی ہے۔

اس تفسیر کو اولاً حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی رحمۃ اللہ علیہ نے شروع فرمایا تھا، موصوف کا اپنایا ہوا نہج عمدہ تھا، انہوں نے عوام کو پیشِ نظر رکھ کر تفسیر لکھی تھی، تفسیر میں تذکیری پہلو غالب تھا، لکھ کر پہلے اپنے احباب خصوصاً حضرت مولانا ریاست علی بجنوری اور حضرت مولانا لقمان الحق فاروقی رحمہا اللہ کو دکھاتے؛ تاکہ اگر کوئی غلطی ہو تو نشاندہی فرمائیں اور کبھی حضرت مولانا فخر الدین احمد مرادآبادی شیخ الحدیث وصدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند کو بھی پیش فرماتے اوراطمینان کے بعد کتابت اور طباعت کے مرحلے سے گزرتی، شروع میں حضرت کاشف الہاشمی رحمۃ اللہ علیہ نے احکامات کی آیات میں یہ اسلوب اپنایا تھا کہ چاروں مسلک کے دلائل سرسری طور پر لکھ دیتے، اُن میں ترجیح کی صورت اختیار نہ فرماتے تھے، جب حضرت مولانا فخر الدین صاحب نے ملاحظہ فرمایا تو اس جانب توجہ دلائی کہ ''اس طرح قاری تذبذب کا شکار ہوگا، آپ ایسا نہ کریں''؛ جب یہ بات حضرت کاشف صاحب نے سنی تو آب دیدہ ہوگئے اور فرمایا: ''میرا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا، میں سمجھتا تھا کہ قرآن سب کا مستدل ہے؛ اس لیے اس پہلو کو نظر انداز

کر دیا تھا، اب اس کا لحاظ بھی کروں گا"۔ غرض یہ کہ تفسیر لکھی جاتی رہی اور ایک ایک پارہ "مکتبہ حجاز" سے چھپتا رہا، اس کے مالک حضرت مولانا قاضی انوارالہی صاحب مدظلہ العالی (فاضل دیوبند) تھے، شروع سے نویں پارے تک اورآخری پارہ عم کی تفسیر مکمل ہوئی، اس کے بعد کام موقوف ہوگیا، مفسر مرحوم پر فالج کا حملہ ہوا اور وہ اپنے وطن راجوپور میں مستقل طور پر رہنے لگے۔

پھر حضرت قاضی صاحب کے اصرار پر حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی نے کام شروع فرمایا اور آپ نے مکمل طور پر اپنے پیش رو مفسر کے اسلوب کی رعایت فرمائی؛ لیکن کام کی رفتار سست تھی؛ تا آں کہ حضرت قاضی صاحب نے حضرت مفتی صاحب کو اپنا کتب خانہ بیچ دیا، حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے کام کو آگے بڑھایا، اسی کے لیے گھر میں کمپیوٹر اور اپنے فرزند مولانا حسن احمد قاسمی کو آپریٹر کے طور پر رکھا، یہ کام چلتا رہا؛ لیکن سورۃ المؤمنون (پانچویں جلد) پر جاکر رک گیا۔ یہ وقفۂ طویلہ اتنا لمبا رہا کہ اس درمیان میں حجۃ اللہ البالغہ کی شرح پانچ جلدوں میں، ترمذی شریف کی شرح آٹھ جلدوں میں اور بخاری شریف کی شرح بارہ جلدوں میں پوری ہوئی اور چھوٹی چھوٹی چند کتابیں لکھی گئیں، پھر اللہ رب العالمین نے توفیق عطا فرمائی، چھٹی جلد کا کام شروع ہوا اور یہ بہت اچھا ہوا کہ اسرارِ شریعت اوراحادیثِ نبویہ پر تفصیلی اور گہری نظر ہوجانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا کام شروع کروایا؛ چنانچہ چھٹی جلد کے نصف سے تفسیر کا نہج قدرے تبدیل ہوا، ہر مضمون کے لیے "عنوان" کا اضافہ فرمایا، ساتویں جلد میں اور بھی نکھار پیدا ہوا؛ پہلے آیت کا مضمون پھر ترجمہ پھر عبارۃ النص کے مطابق تفسیر اور "فائدہ" کے عنوان سے اشارۃ النص اور دلالۃ النص کو ذکر کرنے لگے۔

اس تفسیر کی بہت بڑی خصوصیت ربطِ آیات ہے، اکثر جگہوں پر مفسر نے محض اپنی قوتِ تدبر سے ربط بیان فرمایا ہے کہ کہیں بھی ترتیب ٹوٹتی ہوئی نظر نہیں آتی، اس کے علاوہ آپ نے بخاری شریف میں بھی ربط وترتیب پر بے مثال گفتگو فرمائی ہے۔ ہزاروں صفحات لکھنے کے بعد زبان کا معیار بھی کافی بلند، شستہ اور شگفتہ ہے، متروک الفاظ وتراکیب سے بالکل پاک وصاف انداز، زوائد سے منزہ ومبرا جملے بڑا لطف دیتے ہیں۔

آٹھ جلدوں میں تفسیر پوری ہوئی؛ لیکن حضرت نے غور فرماکر دوبارہ از سر نو لکھنا شروع فرمایا ہے، اس میں عوام کے ساتھ اور علماء کی بھی رعایت ہے؛ چنانچہ پہلی جلد طباعت سے آراستہ ہوگئی ہے۔ نئی جلدوں میں آیات کی مقدار پچھلی جلدوں کی طرح برابر ہے؛ تاکہ جو قاری نئی لینا چاہے لے لے اور جو پرانی لینا چاہے لے لے، کمی بیشی نہ ہو۔ اس میں ربطِ آیات کو واضح فرماکر آپ نے عناوین لگائے ہیں، اس انداز کو پڑھ کر قرآنِ پاک نہایت ہی مرتب معلوم ہونے لگتا ہے، مثلاً حضرت نے جو عناوین لگائے ہیں وہ یہ ہیں، سورہ بقرہ میں "ہدایت، توحید، رسالت، آخرت، بنو اسرائیل، بنو اسماعیل، تحویلِ قبلہ، ردِ شرک، اعمالِ اسلام، حج، نماز، پچیس احکام "جو خاص مصالح پر مبنی ہیں، جہاد" وغیرہ اس

کے حواشی، مفردات کے معانی اور بھی عمدہ ہیں، ایک خاص بات یہ ہے کہ آپ اقوال اور عبارت آرائی میں قارئین کو نہیں اُلجھاتے، تفسیر کا جو احتمال اختیار کرتے ہیں اسے قطعیت کے ساتھ لکھتے ہیں، دل گواہی دینے لگتا ہے کہ اس کا صحیح ترین مفہوم یہی ہے۔ غرض یہ کہ "ہدایت القرآن" آج کے نئے دور کے مزاج کے مطابق نہایت ہی عمدہ تفسیر ہے[1]۔ اس تفسیر کی چند خصوصیات درج ذیل ہے:

1. تفسیر ہدایت القرآن کی پہلی خصوصیت یہ ہے، کہ وہ عالمِ اسلام کے ایک ایسے ممتاز مفتی، محدث و مفسر کی تالیف ہے، جنہوں نے فراغت کے بعد ہی 1384ھ کو تدریس کا سلسلہ شروع فرما کر تادمِ تحریر 1439ھ کو تقریباً پچپن سال تک مسلسل اور یکسوئی کے ساتھ تدریس کرتے ہوئے علم الفقہ، علم الکلام، علم الحدیث اور علم التفسیر سمیت مروّجہ علوم و فنون کی مختلف کتابیں کامیابی کے ساتھ پڑھائی ہیں، ان کے اس طویل تدریسی دور کے آخری چھیالیس سال دارالعلوم دیوبند میں پڑھاتے ہوئے گزرے ہیں، جہاں چند سال قبل بااختیار و باوقار مجلس شوریٰ نے شیخ الحدیث و صدر المدرسین کے اعلیٰ علمی منصب پر آپ کو فائز فرمایا، اور تادمِ تحریر شیخ الحدیث و صدر المدرسین کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند میں آپ کی تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔

حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مد ظلہم کا طرزِ افہام و تفہیم، اور مشکل سے مشکل مسئلے کو، آسان انداز میں حل کرنے کا سلیقہ سب سے منفرد و ممتاز تھا، لہذا وثوق کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے، کہ آپ کی خداداد صلاحیت، اور منفرد طرزِ افہام و تفہیم کی بنیاد پر، آپ کی لکھی ہوئی تفسیر "ہدایت القرآن" کو بھی ایک امتیازی مقام حاصل ہو گیا ہے۔

2. تفسیر ہدایت القرآن کا دوسرا امتیاز یہ ہے، کہ اس کے مصنف مد ظلہم نے اس کی تکمیل سے قبل "حجۃ اللہ البالغہ، ترمذی شریف، اور بخاری شریف" کی ہزاروں صفحات پر مشتمل شروحات لکھنے کے ساتھ ساتھ دیگر مختلف موضوعات و فنون سے متعلق کتابیں لکھی ہیں، اس دوران ان کو تفسیر و حدیث، اور دیگر فنون کے تفصیلی مطالعے، اور ان کی گہرائیوں تک پہنچنے کا موقع نصیب ہوا ہے، اس طویل تجربے اور گہرے مطالعے کے بعد اللہ کی توفیق سے، پوری توجہ کے ساتھ تفسیر ہدایت القرآن کی تکمیل کا سلسلہ شروع فرمایا ہے، چنانچہ وہ خود جلد ششم کے شروع میں احوالِ واقعی کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

---

[1] سوانح۔حضرت۔مولانا۔مفتی۔سعید۔احمد۔صاحب/ https://waraquetaza.com/، تاریخ رسائی، 4 جنوری، 2024ء

"اب بلاتوقف تفسیر کی تکمیل میں لگ گیا ہوں، اور عزم یہ ہے، کہ کوئی اور کام نہ چھیڑوں، کیونکہ عمر ڈھل چکی ہے، ایک اندازے کے مطابق 1940ء کی پیدائش ہے، بس اب کیا باقی رہ گیا ہے، مگر مولیٰ کریم سے بھیک مانگی ہے، کہ تفسیر کی تکمیل تک عمر دراز فرمائیں، اور امید ہے کہ میری یہ دعا ضرور قبول فرمائیں گے، انہوں نے مجھے کبھی نامراد نہیں کیا"[1]

اتنے طویل تصنیفی تجربے کے بعد، اور مذکورہ بالا جذبے کے تحت، جو تفسیر لکھی جائے گی، امیدِ قوی یہ ہے، کہ وہ پڑھنے والوں کے لئے بے حد مفید، اور مصنف کے لئے کامرانی، اور نجاتِ اخروی کا سب سے اہم ذریعہ ہوگی۔

3. ہدایت القرآن کی تیسری خصوصیت یہ ہے، کہ ترجمہ و تفسیر پڑھانے والے اساتذۂ کرام، مساجد میں درسِ قرآن دینے والے ائمہ، ترجمہ پڑھنے والے طلبہ ءعزیز، اور عوام سب آسانی کے ساتھ استفادہ کرسکتے ہیں، مصنف نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے، کہ ہر سورت کے شروع میں اس کا تعارف، اور پھر اس میں پھیلے ہوئے مضامین کا خلاصہ پیش فرماتے ہیں، پھر مضمون کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے، کبھی ایک آیت، اور کبھی اس سے زائد آیتیں لکھ لیتے ہیں، اور پھر نیچے ان آیات کے مفردات کا ایک کالم بناکر، دوسرے کالم میں ہر لفظ کے سامنے اس کا لفظی ترجمہ تحریر فرماتے ہیں، اس کے بعد نہایت سہل انداز میں مضامین، اور ان آیتوں کا آپس میں ربط بیان کرتے ہوئے، تفسیر سمجھاتے ہیں، اور پھر آخر میں خط کشیدہ الفاظ کے ذریعہ بامحاورہ ترجمہ کرتے ہوئے، قرآن کریم کا بنیادی پیغام، آسانی کے ساتھ قارئین کے ذہنوں میں اتار دیتے ہیں۔

ترجمہ و تفسیر پڑھانے والے اساتذہ، اور پڑھنے والے طلبہ کے فائدے کے لئے، مشکل الفاظ کی لغوی، صرفی اور نحوی تحقیق بھی اختصار کے ساتھ حاشیہ میں لکھتے ہیں، لمبی تحقیقات و تفصیلی مباحث کے لئے چونکہ عربی اور دیگر زبانوں میں مفصل تفسیریں موجود ہیں، اس لئے طوالت سے بچنے کے لئے ان کو ذکر نہیں فرماتے۔

4. تفسیر ہدایت القرآن کی چوتھی خصوصیت یہ ہے، کہ یہ درحقیقت ایک الہامی تفسیر ہے، حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہم العالی از خود نہیں، بلکہ دوسرے اہلِ علم و تقویٰ کی درخواست و اصرار، اور ایک غیبی اشارات و بشارت کے تحت، اس کام کے لئے آمادہ ہوئے ہیں، آپ خود ارشاد فرماتے ہیں:"

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج6، ص7

میں نے یہ تفسیر نہیں لکھی، مجھ سے لکھوائی گئی ہے" اپنے اس جملہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے، جہاں انہوں نے، ان اہلِ علم کا تذکرہ کیا ہے، جن کی تمنا و اصرار پر آپ نے ہدایت القرآن کی تکمیل کا کام شروع فرمایا، وہاں انہوں نے ان دو خوابوں کا بھی تذکرہ کیا ہے، جن میں ایک خواب کے مطابق نبی کریم ﷺ ایک شخص کے توسط سے، آپ کو ہدایت القرآن کی تکمیل کا حکم دے رہے ہیں، اور دوسرے خواب کے مطابق آپ ﷺ طالبات کے مدرسہ چلانے والی ایک خاتون کو، اس مدرسہ میں ہدایت القرآن پڑھانے کا حکم دے رہے ہیں۔ [1]

[1] apkiawaznews.wordpress.com//:8Bhttpsہدایت-القرآن-کے-مصنف-کا-تذکرہ-خیر / تاریخ رسائی، 10 دسمبر، 2023ء

مولانا غلام رسول سعیدی اور ان کی تفسیر "تبیان القران" کا تعارف

ولادت:

علامہ غلام رسول سعیدی 10 رمضان المبارک 1356ھ /14 نومبر 1937ء بروز اتوار دہلی میں پیدا ہوئے۔ علامہ سعیدی کا نام پہلے والدِ محترم کے نام پر "احمد منیر" رکھا گیا تھا بعد ازاں آپ کا نام "شمس الزمان نجمی" رکھا گیا پھر جب آپ کی عمر اکیس سال ہوئی اور آپ عبادت و ریاضت کی طرف راغب ہوئے تو آپ کو اس نام سے تعلّی کے اِدّعاء کے تاثر محسوس ہوا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے والہانہ محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر از خود اپنا نام تبدیل کر کے "غلام رسول" رکھ لیا۔[1]

تحصیل علم:

آپ کے والد گرامی کا نام محمد منیر ہے۔ جو آپ کے بچپن میں ہی انتقال پا گئے۔ ان کے وصال کے بعد آپ کی والدہ محترمہ جن کا نام شفیق فاطمہ تھا نے آپ کی پرورش اور تعلیم و تربیت بڑی توجہ سے کی۔ چھ سال کی عمر میں آپ نے اپنی والدہ محترمہ کے پاس ناظرہ قرآن مجید مکمل کیا اور دس سال کی عمر میں آپ نے پنجابی اسلامیہ ہائی سکول بارہ ٹوٹی دہلی میں پرائمری تک ہی پڑھا تھا اور ابھی تعلیمی سلسلہ جاری تھا کہ برصغیر کی تقسیم عمل میں آئی اور آپ نے اپنے والدین کے ہمراہ بحری جہاز کے ذریعے ہندوستان سے ہجرت فرمائی اور 1947ء میں اسلامی جمہوریہ پاکستان (کراچی) تشریف لائے اور اپنے خاندان کے ساتھ کراچی میں اقامت پذیر ہوئے۔ کراچی میں آپ نے نویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔[2]

---

[1] سعیدی، غلام رسول، تبیان الفرقان، مکتبہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، 2015ء، ج1، ص43

[2] سعیدی، غلام رسول، ذکر بالجہر، لاہور، فرید بک سٹال، 2006ء، ص7

بعد ازاں آپ کی والدہ صاحبہ نے دوسری شادی کرلی۔ گھریلو حالات کی تنگدستی کی وجہ سے بارہ سال کی عمر میں آپکو تعلیم چھوڑنی پڑی اور محنت مزدوری کرنے لگے۔ آپ کی عمر انہیں حوادثات زمانہ سے گزرتے گزرتے اکیس سال ہوگئی۔ آپؒ کے دل میں دینی ذوق پیدا ہوا تو مطالعہ قرآن شروع کردیا۔ ایک دن ایک اشتہار پر نظر پڑی جس میں لکھا تھا کہ رحیم یا خان کے مدرسہ "جامعہ محمودیہ رضویہ میں بلامعاوضہ علم دین حاصل کریں"۔ اس طرح کراچی کو خیر آباد کہ کر رحیم یار خان کے اس دینی مدرسہ میں داخلہ لے لیا۔ اس دور میں اس ادارہ کے منتظم اعلی حضرت علامہ محمد نواز اویسی صاحب تھے۔ انہوں نے اس طالب علم کی آنکھوں میں حصول علم کی چمک دیکھی تو انھیں ایک انتہائی قابل اور شفیق استاد جناب علامہ عبدالمجید اویسی کے حوالے کردیا۔ ان سے صرف ونحو اور ادب وفقہ کی ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد لاہور آگئے اور جامعہ نعیمیہ (گڑھی شاہو) لاہور میں داخل ہوگئے۔ جہاں انہوں نے مفتی محمد حسین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی عزیز احمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ سے بھرپور فیض حاصل کیا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق اور حکمت کی کتب پڑھنے کے بعد علامہ عطا محمد بندیالوی چشتی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے۔ منطق اور فلسفہ کی بڑی بڑی کتب آپ نے ان کے پاس پڑھیں۔ ان کے علاوہ جامعہ قادریہ فیصل آباد کے استاد مولانا ولی النبی صاحب اور مختار الحق صاحب بھی آپ کے اساتذہ کرام تھے۔[1]

تدریس:

1966ء میں علامہ غلام رسول سعیدی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علومِ دینیہ کی تکمیل کی اور اُسی سال آپ نے جامعہ نعیمیہ لاہور میں اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا اور مسندِ تدریس کو زینت بخشی۔ ابتداء میں آپ دو، تین اسباق پڑھاتے تھے، لیکن جب طلباء میں آپ کی مقبولیت بڑھنے لگی تو آپ کے استاذِ محترم اور مہتمم جامعہ نعیمیہ، مفتی محمد حسین نعیمی صاحب نے مختلف علوم وفنون کے کئی اسباق آپ کی طرف منتقل کر دیئے اور آپ 1970ء سے مکمل دورہ حدیث شریف پڑھانے لگے۔ اس طرح آپ کا علمی وروحانی فیض مزید وسیع ہوگیا۔

1966ء تا 1985ء تک آپ نے جامعہ نعیمیہ لاہور میں تدریس وتصنیف کے فرائض نہایت احسن طریقے سے بخوبی سرانجام دیئے۔ درمیان میں آپ نے باسلسلہ تدریس 1979ء کے آخر میں کراچی تشریف لائے اور کچھ عرصہ قیام

---

[1] محمد ناصر چشتی، حیات سعید ملت، لاہور: فرید بکسٹال، س ن، ص:19

کیا لیکن طبیعت نہ لگی اور آپ 1980ء کے وسط میں دربارہ لاہور واپس آ گئے۔ لاہور آ کر سخت بیمار ہو گئے بیماری بہت زیادہ طویل ہو گئی' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل و کرم فرمایا اور آپ صحت یاب ہو گئے۔ اسی طرح آپ نے تقریباً 14 برس تک جامعہ نعیمیہ لاہور میں ہزاروں طالبانِ علم کو علمی و روحانی فیض سے سیر اب کیا۔[1]

اس کے علاوہ علم و حکمت کے نیر تاباں سعید ملت حضرت علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے 6 جولائی 1985ء کو جسٹس (ر) حضرت علامہ ڈاکٹر مفتی سید شجاعت علی قادری (بانی و مہتمم دار العلوم نعیمیہ) کے بے حد اصرار پر کراچی میں رونق افروز ہوئے اور دار العلوم نعیمیہ میں "شیخ الحدیث" جیسے عظیم منصب پر فائز ہوئے تو طالبانِ علم 'فوج در فوج دار العلوم نعیمیہ میں داخل ہونے لگے اور اپنی پیاس بُجھانے لگے۔

مقام غور و فکر یہ ہے کہ علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ صاحب 1958ء میں تقریباً 21 سال کی عمر میں علمِ دین کی طرف متوجہ ہوئے اور دن رات تحصیل علم میں لگے رہے اور الحمد للہ اس اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز ہوئے کہ تمام دنیا میں آپ کے شاگرد موجود موجود ہیں اور وہ بھی تعلیم و تدریس میں مصروف عمل ہیں اور اپنے دینِ مبین کی خدمت کر رہے ہیں۔ علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ ہمارے عہد کے عظیم مفسر' محدث' فقیہہ اور محقق تھے۔ اور "شرح صحیح مسلم"' "تفسیر تبیان القرآن" اور ان کے بعد "تفسیر تبیان الفرقان" ان کی علمی رفعت و ارتقاء کا ایک بلند ترین روشن مینار تھے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے بے مثال قوت حافظہ' وسعت مطالعہ اور اجتہادی بصیرت عطا فرمائی تھی آپ قدیم و جدید علوم وفنون کے جامع تھے' مدارس اسلامیہ میں رائج تمام علوم پر آپ کو مکمل دسترس حاصل تھی۔ آپ نے ابتدائی زمانہ تدریس میں یہ تمام مروجہ علوم وفنون پڑھائے تھے۔ آپ کو حسبِ ذیل علوم وفنون میں یدِ طولیٰ حاصل تھا خصوصاً علم حدیث' علم تفسیر اور علم فقہ میں آپ کو مکمل دسترس اور ملکہ حاصل تھا اسی طرح دیگر علوم مثلاً علوم قرآن' علم تفسیر' اصول تفسیر، علم' اصول حدیث' علم الکلام' علم الفرائض' اصول فقہ' منطق' فلسفہ' صرف' نحو' معانی' بیان' عروض و قوافی' تاریخ' سیر' اخلاق و شمائل' تصوف' بدیع' فضائل' افتاء' رسم الافتاء' اسماء الرجال' مناظرہ' طب' ہندسہ' ادب' سیاست' معیشت میں ان کو مہارت حاصل تھی۔[2]

---

[1] تبیان الفرقان، ج1، ص50

[2] محمد اسماعیل قادری نورانی، فہارس شرح صحیح مسلم، فرید بک اسٹال اردو بازار، لاہور، طبع دوم، 2008ء، ص35

بیرون کا سفر:

آپ دین مبین کی خدمت اور اس کی ترویج واشاعت کی غرض سے دو مرتبہ برطانیہ (یورپ) تشریف لے گئے' پہلی مرتبہ 1990ء میں آپ اپنے تلامذہ کی دعوت پر انگلینڈ تشریف لے گئے تھے' وہاں کے دینی حلقوں میں آپ کی بڑی پذیزائی ہوئی کیونکہ یورپ میں آپ کی شہرہ آفاق تصنیف "شرح صحیح مسلم" پہنچ چکی تھی اور اہل علم حضرات کو آپ سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ جن شہروں میں آپ کے خطبات ہوئے ان میں لندن' مانچسٹر' بریڈفورڈ' برمنگھم' لیڈز' ڈیوزبری' لنکاشائر لیسٹر' برسٹل وغیرہ شامل ہیں۔

آپ نے تقریباً تین ماہ انگلستان میں قیام کیا اور اس دوران مختلف مساجد میں خطبات جمعہ کے علاوہ مشہور مقامات پر لیکچرز بھی دیئے۔ 20 دسمبر 1990ء میں انگلستان سے واپسی پر آپ زیارت حرمین شریفین کے لیے حاضر ہوئے اور وہاں آپ نے عمرہ ادا کیا۔ پھر روضۂ اقدس ﷺ پر حاضری دی اور پھر یکم جنوری 1991 کو کراچی تشریف لائے اور کراچی ایئرپورٹ پر علماء اور عوام کی کثیر تعداد نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا تھا۔[1]

اسی طرح اہل برطانیہ کی شدید خواہش اور پیہم اصرار اور حضرت مولانا صاحبزادہ محمد حبیب الرحمان محبوبی صاحب کی دعوت پر 1993ء میں آپ دوبارہ برطانیہ تشریف لے گئے اور اس مرتبہ بھی تقریباً دو ماہ تک برطانیہ کے متعدد شہروں میں دینی اجتماعات اور محافل سے خطاب کیا۔

دیگر عہدے:

مملکت خداداد پاکستان میں آپ نے بھی بڑا اعلیٰ اور مثالی کردار ادا کیا۔ 1991ء سے 1992ء تک مرکزی رویئت ہلال کمیٹی آف پاکستان کے مرکزی رکن رہے تھے اس کے علاوہ آپ "اسلامی نظریاتی کونسل" آف پاکستان کے رکن بھی رہے' اس کی رکنیت کی معیاد تین سال تک ہوتی ہے چنانچہ آپ فروری 1997ء میں اس کے رکن منتخب ہوئے اور فروری 1999ء تک آپ اس کے رکن رہے اور "اسلامی نظریاتی کونسل" کے تقریباً تمام اہم اجلاسوں میں شریک ہوئے اور اپنے ملک وملت کے عظیم مفاد میں آپ نے نہایت مثالی خدمات سرانجادیں۔

---

[1] فہارس شرح صحیح مسلم، ص35

جناب جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب نے متعدد ذرائع سے ایک سال تک مسلسل کوشش کی کہ علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ وفاقی شرعی عدالت میں ''جسٹس'' کا عہدہ قبول کر لیں۔ لیکن علامہ صاحب نے اس پیشکش کو یہ کہہ کہ مسترد کر دیا کہ میں عدالت کی ذمہ داریاں قبول کرنے کے بعد ''شرح صحیح مسلم'' کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا سکوں گا اور میرا درس وتدریس اور تصنیف و تالیف کا کام بہت متاثر ہو گا۔[1]

معمولات زندگی:

حضرت سعید ملت اپنے معمولات زندگی کے بہت پابند تھے سحر سے لے کر رات تک کے معمولات کچھ یوں تھے کہ آپ سحر کے وقت بیدار ہوتے تھے تو سب سے پہلے نوافل تہجد ادار کرتے ہیں اور ﴿وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا﴾[2] کے مصداق ہو کر آپ اپنے رب کے حضور سر بسجود ہوتے تھے اور اپنے لیے اور تمام ملتِ اسلامیہ کے لیے دعا کرتے تھے 'نوافل ادا کرنے کے بعد آپ اپنے تصنیف کے کام میں مشغول ہو جاتے تھے اور اذانِ فجر کے بعد فجر کی سنتیں اپنے کمرے میں ادا کرتے تھے اور پھر نمازِ فجر باجماعت مسجد میں ادار کرتے تھے۔ نماز فجر ادا کرنے کے بعد آپ دوبارہ اپنے تصنیفی کام میں مشغول ہو جاتے تھے لیکن اس سے پہلے معمول کی تلاوتِ قرآن مجید کرتے تھے اور کچھ تصنیفی کام کرنے کے بعد واپس اپنے کمرے میں آکر ناشتہ کرتے تھے اور پھر کچھ آرام کرتے تھے۔

صبح نو بجے آپ غسل یا تازہ وضو کر کے دارالحدیث میں آتے تھے اور دورۂ حدیث شریف کی کلاس نو بجے سے دس بجے تک ''صحیح بخاری'' پڑھاتے تھے۔ پھر اس کے بعد ایک گھنٹہ آرام کرتے تھے اور یہی وقت آپ نے ملاقات کے لیے بھی مخصوص کیا ہوا تھا اور اکثر و بیشتر آپ سے ملنے والے اسی وقت آتے تھے اور دولت زیارت سے فیض یاب ہوتے تھے 'اس کے بعد آپ گیارہ بجے سے بارہ بجے تک دربارہ تصنیف کا کام کرتے تھے اور بارہ بجے آپ کے دوپہر کے کھانے کا وقت تھا' کھانے میں آپ زیادہ تر سبزی اور مٹن گوشت کا قیمہ تناول کرتے ہیں آپ شوگر کی وجہ سے

---

[1] فہارس شرح صحیح مسلم، ص53

[2] الفرقان 64:25

روٹی استعمال نہیں کرتے اس کی جگہ آپ 'بھوسی کی ڈبل روٹی'' وہ بھی صرف دو یا تین سلائس استعمال کرتے تھے اس بعد آپ قیلولہ کرتے تھے اور پھر نمازِ ظہر ادا کرتے تھے۔

ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ دوبارہ اپنے تصنیفی کام میں منہمک ہو جاتے تھے اور کم و بیش ڈیڑھ یا دو گھنٹے یہ کام کرتے تھے اور پھر عشاء تک وقتاً فوقتاً تصنیف کا کام کرتے تھے۔ جبکہ نمازِ مغرب ادا کرنے کے فوراً بعد آپ شام کا کھانا تناول فرماتے اور کھانا کھانے کے بعد آپ اپنے تصنیفی کام کے لیے مختلف کتب کا بغور مطالعہ فرماتے تھے 'آپ کے مطالعہ کرنے کا انداز بھی بڑا پیارا تھا اور دلنشین بھی۔ آپ جب کسی کتاب کا مطالعہ کرتے تو اس کتاب میں جو بھی نئ اور عجیب بات نظر آتی تھی اس پر 'ف' لکھ کر نوٹ لگاتے تھے اور پھر شروع کتاب میں خالی صفحہ پر اس نئی یا عجیب بات کا ماحاصل اور اجمال لکھ کر وہ صفحہ نمبر دیتے تھے اسی طرح آپ جس مسئلہ پر بحث و تمحیص اور تحقیق کر رہے ہوتے تو اس مسئلہ کے توارد یا توافق میں کوئی عبارت یا کوئی دلیل ہو تو اس کو بھی نوٹ کر لیتے تھے اور اس صفحہ میں کوئی کاغذ رکھ لیتے تھے جو بوقت تحریر فوری کام آتا تھا۔[1]

تصنیفات:

حضرت علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کی عالمگیر مقبولیت اور ہمہ گیر شہرت کی سب سے بڑی وجہ اللہ کا فضل و کرم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ کرم ہے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنی تصنیف و تالیف کا سارا کام باوضو کیا تھا اور ایک ایک سطر باوضو لکھی تھی علاوہ ازیں آپ نے اپنے اس عظیم الشان اور شاہکار کام میں نہایت ہی اعلیٰ قسم کا کاغذ اور انتہائی قیمتی قلم استعمال فرمائے تھے۔ علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ ایک نہایت بلند پایہ مصنف اور محقق تھے آپ کے مضامین اور مقالے بڑے مدلل اور انقلاب آفرین ہوتے تھے ملکی جرائد و رسائل میں مختلف موضوعات پر آپ کے گراں قدر مضامین اور مقالے چھپتے رہتے تھے چنانچہ آپ کی چند شہرۂ آفاق تصانیف یہ ہیں۔

حیات استاذ العلماء:

یہ کتاب حضرت علامہ یار محمد بندیالوی چشتی قدس سرہ العزیز کی سوانح حیات پر مشتمل ہے۔

---

[1] فہارس شرح صحیح مسلم، ص 41

توضیح البیان لخزائن العرفان:

اہل سنت اور دیوبند کے درمیان تیرہ اختلافی مسائل پر زبردست نقد وتبصرہ پر مشتمل ہے نیز اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ کے ترجمہ قرآن "کنزالایمان" کے بعض تراجم اور صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ کی تفسیر "خزائن العرفان" کے بعض مقامات کی وضاحت پر مشتمل ہے۔

مقالات سعیدی:

الوہیت' نبوت ورسالت' خلفاء راشدین کے اور مسائل عصریہ کے مختلف عنوانات پر 45 مقالات کا انمول مجموعہ ہے۔پہلے یہ کتاب فرید بک اسٹال لاہور نے شائع کی تھی اور اب ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی سے شائع ہو چکی ہے۔

ضیاء کنزالایمان:

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ کے ترجمہ "کنزالایمان" کا دیگر تراجم قرآن سے تقابلی جائزہ پر مشتمل ہے۔

تذکرۃ المحدثین:

آئمہ اربعہ' محدثین صحاح ستہ اور بعض دیگر آئمہ حدیث کے سوانح حیات اور ان کی تصانیف کا تعارف وتبصرہ پر لکھی گئی ہے۔

مقامِ ولایت ونبوت:

اس میں علم وقدرت پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ذکر بالجہر: متوسط بلند آواز سے نماز باجماعۃ کے بعد اور عام حالات میں ذکر الٰہی کرنے پر دلائل اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے۔متعدد مرتبہ اس کی اشاعت ہو چکی ہے۔[1]

معاشرے کے ناسور:

معاشرے کے مختلف طبقات کی بدعنوانیوں پر بے لاگ تبصرہ پر مشتمل ہے۔لفظ خدا کی تحقیق: اس رسالے میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر لفظ "خدا" کا اطلاق جائز ہے ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کو "اللہ" کہنا ہی افضل واعلیٰ ہے۔

فاضل بریلوی کا فقہی مقام:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدی سرہ العزیز کی فقہی تحقیقات کا بعض فقہا سے تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔

نظام مصطفیٰ ﷺ کی شرعی حثیت' ضرورت اور اہمیت:

اس رسالہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ نظام اسلام پر نظام اطلاق جائز ہے اور سرمایہ درانہ نظام اور اشتراکی نظام کے

---

[1] محمد ناصر چشتی، حیات سعید ملت، لاہور: فرید بکسٹال، س ن، ص: 19[1]

مقابلے میں نظام مصطفٰی کی برتری اور ان نظاموں کی خرابیوں کو بیان کیا گیا ہے۔

شرح صحیح مسلم:

صحیح مسلم شریف کی احادیث مبارکہ کا سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کے ساتھ جامع و مبسوط شرح، جس کے ذیل میں ائمہ اربعہ کے فقہی نظریات اور فقہ حنفی کی قوی دلائل کے ساتھ ترجیح مسلک اہلسنت والجماعت کے عقائد و نظریات اور شعائر و معمولات کی دلائل کے ساتھ تائید و تقویت اور گمراہ اور باطل فرقوں کا مدلل اور مسکت رد علاوہ ازیں عصر حاضر کے دقیق اور پیچیدہ مسائل پر علمی و تحقیقی بحث و نظر اور زبردست نقد و تبصرہ پر مشتمل ہے۔اس کتاب کے 19 سے زائد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ تفسیر تبیان القرآن: قرآن مجید کی آیاتِ مبارکہ کا سلیس اور بامحاروہ ترجمہ اور جامع و مبسوط تفسیر بیان کی گئی ہے جو کہ بارہ جلدوں اور تقریباً12 ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔اب تک اس کے 13 ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

تاریخ نجد و حجاز:

مکہ اور مدینہ میں محمد بن عبد الوہاب نجدی کے تسلط کی مفصل تاریخ ہے، بعض وجوہ سے علامہ صاحب نے یہ کتاب مفتی محمد عبد القیوم قادری کے نام سے شائع کرادی تھی۔ یہ کتاب پاکستان اور ہندوستان سے متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔

نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری:

اس کی پہلی سات جلدیں 'نعمۃ الباری'' کے نام سے فرید بک اسٹال لاہور نے شائع کیں اور بعد کی 9 جلدیں ضیاء القرآن پبلی کیشنز نے 'نعم الباری' کے نام سے شائع کی ہیں۔اس کتاب کے پانچ سے زیادہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔اس کی تصنیف کی ابتداء2006ء میں ہوئی تھی اور تکمیل 2014ء میں ہوئی ہے۔

تفسیر تبیان القرآن:

یہ کتاب تفسیر کی مایۂ ناز کتب میں شمار کی جاتی ہے جو کہ بارہ جلدوں پر مشتمل ہے اور بہت مبسوط تفسیر ہے اس تفسیر میں اہل سنت والجماعت کے عقائد پر مدلل گفتگو موجود ہے اور فقہاء کے مذاہب اربعہ کا بیان بھی ہے اور فقہ حنفی کے ثبوت میں مضبوط براہین ہیں اور قرآن مجید کی تفسیر کے نکات ہیں۔

تلامذہ:

آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے جن میں بڑی بڑی عظیم علمی وروحانی شخصیات شامل ہیں۔ پیر محمد حبیب الرحمان محبوبی صاحب (بریڈفورڈ)، پیر غلام نصیر الدین چشتی (گولڑہ شریف)، علامہ سید محمد اشرف شاہ (ناروے)، پروفیسر ڈاکٹر محمد جمیل الرحمان شاہ (کامونکی شریف)، علامہ عارف حسین سعیدی (چیشم) اور دور حاضر کی دیگر بیشمار شخصیات نے آپ کی بارگاہ سے علمی فیضان کے حصول کیلئے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔[1]

وصال:

آپ کا وصال 69 سال کی عمر میں 10 ستمبر 2007ء بروز پیر کو ہوا۔[2]

[1] فہارس شرح صحیح مسلم، ص45

[2] https://www.humsub.com.pk/442542/muhammad-haroon-ali-gujranwala-5/، تاریخ رسائی، 24اپریل، 2024ء

تفسیر تبیان القران کا تعارف و خصوصیات

سبب تالیف:

قرآن کریم کی اس اردو تفسیر کے مفسّر علامہ غلام رسول سعیدی ہیں۔ یہ تفسیر 12 جلدوں میں" فرید بک سٹال "اردو بازار لاہور کے زیر اہتمام 2009ء میں شائع ہو چکی ہے۔ علامہ غلام رسول سعیدی نے ایک انٹرویو میں فرمایا تھا کہ تبیان القران لکھنے کا داعی اور باعث یہ تھا کہ شرح مسلم لکھنے کے دوران جب آیات آتیں، میں ان کے تراجم دیکھتا تو میں نے محسوس کیا کہ قران مجید کے ترجمے کا حق کسی نے ادا نہیں کیا، چنانچہ میں نے تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا۔[1]

خصوصیات:

تفسیر تبیان القرآن میں عصر حاضر کے جدید مسائل ٹیسٹ ٹیوب بے بی، ٹیلی ویژن، اسقاط حمل، ضبط تولید ،اعضاء کی پیوند کاری، بیمہ پالیسی، ٹیلیفونک نکاح، بانڈز، بینکاری وغیرہ کا حل پیش کیا گیا ہے۔ مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات پیش کیے گئے ہیں۔ انداز بیاں نہایت مدلل ہے۔ ہر مسئلہ میں شائستگی کو ملحوظ رکھا گیا ہے کسی کے خلاف غیر سنجیدہ لہجہ اختیار نہیں کیا گیا۔

نیز تفسیر تبیان القرآن اردو زبان میں ایک بڑی تفسیر بالماثور ہے۔ جس میں ہر آیت کی تفسیر سے متعلق جتنی آیات اور احادیث ممکن ہو سکیں، نقل کی گئی ہیں۔ مترجم و مفسر غلام رسول سعیدی تفسیر تبیان القرآن کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں:

---

[1] شگفتہ جبین، ڈاکٹر ہمایوں عباس، نعمۃ الباری کا منہج و اسلوب، ایم فل، شعبہ علومِ اسلامیہ، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد، 2014ء، ص41

- میں نے قرآن مجید کا ترجمہ تحت اللفظ نہیں کیا ہے اور نہ ہی ایسا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ سے بالکل الگ اور عربی متن کی رعایت کیے بغیر قرآن مجید کے مفہوم کی ترجمانی کی جائے۔ میں نے اپنے آپ کو قرآن مجید کے الفاظ اور عبارت کا پابند رکھا ہے لیکن لفظی ترجمہ نہیں کیا۔
- تفسیر میں میں نے اسلام کے مسلمہ عقائد کو دلائل سے مزین کیا ہے۔
- قرآن مجید کی جن آیات میں احکام اور مسائل کا ذکر ہے، وہاں میں نے تمام فقہی مذاہب کا دلائل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔
- ہمارے متقدمین مفسرین نے قرآن کریم کی تفسیر میں جو نکات بیان کیے ہیں ان میں سے میں نے استفادہ کیا ہے لیکن جو بہت بعید نکات ہیں یا دور از کار تاویلات ہیں ان کو ترک کر دیا ہے۔
- میں نے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر میں زیادہ سے زیادہ احادیث اور آثار کو پیش کروں۔
- عام طور پر مفسرین صرف حدیث کا ذکر کر دیتے ہیں اس کی تخریج نہیں کرتے۔ میں نے کافی محنت اور جانفشانی کر کے "تبیان القرآن" میں درج ہر حدیث کی تخریج کی ہے اور اس کا مکمل حوالہ بیان کیا ہے، البتہ حافظ منذری[1]، حافظ الہیثمی اور حافظ سیوطی چونکہ علم حدیث میں بہت ثقہ ہیں اس لیے ان کی تصانیف میں درج مسلم ائمہ حدیث کی روایات کو ان حوالوں کے ساتھ ذکر کر دیا ہے اور کہیں کہیں اصل ماخذ کے حوالوں کی بھی نشان دہی کر دی ہے۔[2]

---

[1] حافظ منذری: آپ ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ المنذری المصری الشافعی ہیں۔ 581ھ میں پیدا ہوئے۔ شیوخ میں محمد بن احمد الارتاحیؒ، عمر بن طبرزدؒ، یونس بن یحییٰؒ اور جعفر بن محمد بن آموسانؒ جبکہ تلامذہ میں ابو محمد دمیاطیؒ، شیخ محمد قزازؒ، اسحاق بن ابراہیم الوزیریؒ اور حسین بن اسد بن اثیرؒ شامل ہیں۔ 656ھ میں وفات پائی۔ الترغیب والترھیب، مختصر صحیح مسلم، مختصر سنن أبي داود، التكملة لوفيات النقلة، أجوبة على أسئلة في الجرح والتعديل ان کی مشہور تصانیف ہیں۔(ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ج43، ص352۔ الصفدی، الوافی بالوفیات، ج6، ص202)

[2] سعیدی، غلام رسول، تفسیر تبیان القرآن، لاہور: فرید بکسٹال، 2009ء، ج:1، ص:37

❖ ہمارے بعض مصنفین ایسا کرتے ہیں مثلاً حافظ سیوطی[1] کا ذکر کیے بغیر اس حدیث کو ان حوالوں کے ساتھ ذکر کر دیتے ہیں اور یہ تلبیس کرتے ہیں کہ گویا اس حدیث کو انہوں نے ان دس حدیث کی کتابوں سے تلاش کیا ہے۔ اسی طرح علامہ شامی[2] نے اگر کسی مسئلہ کو دس فقہا کے حوالوں سے ذکر کیا ہے تو وہ علامہ شامی کا ذکر کیے بغیر اس مسئلہ کو ان دس فقہا کے حوالوں سے ذکر کر دیتے ہیں اور پڑھنے والے پر یہ تاثر قائم کرتے ہیں کہ گویا انہوں نے اس مسئلہ کو ان دس فقہا کے حوالوں سے تلاش کیا ہے، میرے نزدیک یہ تلبیس سخت مذموم ہے۔ اگر حافظ منذری یا حافظ الہیثمی یا حافظ سیوطی نے کسی حدیث کو دس ائمہ کے حوالوں سے ذکر کیا ہے تو میں نے اس طرح لکھا ہے کہ حافظ منذری یا حافظ سیوطی نے اس حدیث کو ان دس ائمہ حدیث کے حوالوں سے ذکر کیا ہے اور اس کا مکمل حوالہ دیا ہے اور کسی کی محنت اور جانفشانی کو اپنی طرف منسوب کرنے کی مذموم تلبیس نہیں کی۔ اس طرح فقہا کے حوالہ جات کا معاملہ ہے۔[3]

---

[1] حافظ جلال الدین سیوطی: ابوالفضل عبدالرحمن بن محمد بن شیخ ہمام الدین سیوطی شافعی ہیں۔ 849ھ میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں یتیم ہوگئے، مگر ایسے عظیم اساتذہ کے ہاتھوں لگ گئے کہ قرآن وحدیث کے امام بن گئے۔ تفسیر، علوم القرآن، علوم الحدیث اوراسماء الرجال میں مایہ ناز کتابیں لکھیں، مثلاً: تفسیر جلالین، الاتقان، تاریخ الخلفاء، الخصائص الکبریٰ، تذکرۃ الموضوعات وغیرہ۔ 911ھ میں وفات پائی۔ [عبدالحی بن احمد حنبلی، شذرات الذهب في أخبار من ذهب، (دمشق: دارابن کثیر، 1406ھ)، ج:8، ص:6]

[2] ابن عابدین شامی: ان کا پورانام محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز بن احمد بن عبدالرحیم عابدین الدمشقی ہے 1198ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے فقہ حنفی کے بہت بڑے شارح ہیں رد المحتار، العقود الدریۃ کے علاوہ کئی مشہور حواشی کے مصنف ہیں 1252ھ میں وفات پاگئے۔ (البیطار، عبدالرزاق، حلیۃ البشر، (دمشق: البیطار، 1961ء)، ج3، ص1230)

[1] سعیدی، غلام رسول، تفسیر تبیان القرآن، ج:1، ص:38

فصل دوم: فلسفہ عملی کی تین اقسام: تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے عناوین کا تعارف اور تاریخی جائزہ

فلسفہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

فلسفہ یونانی زبان کے لفظ philosophia اور انگریزی کے لفظ philosophy کا معرب ہے۔ اس کا لفظی مطلب "حُبِ دانش" بنتا ہے۔ شروع میں اس لفظ کا استعمال ہر قسم کے غور و فکر اور اس فکر سے حاصل کیے گئے علم کے لیے ہوتا تھا، پھر رفتہ رفتہ اس لفظ کو وحیِ الٰہی اور الہامی علوم کے مقابل غور و فکر سے حقیقتِ کائنات اور ماورائے کائنات کی گتھیاں سلجھانے کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔[1]

لفظ فلسفہ بہت سے دیگر معانی میں مستعمل ہے جیسے:

1۔ کوئی نظریہ یا نظریات کا مجموعہ فلسفہ کہلاتا ہے۔ مثلاً کارل مارکس کا فلسفہ، لیمارک کا فلسفہ، ڈارون وغیرہ کا فلسفہ۔

2۔ کوئی عقیدہ یا عقائد کا مجموعہ فلسفہ کہلاتا ہے۔ مثلاً اسلامی فلسفہ، عیسائی یا احمدی فلسفہ وغیرہ۔

3۔ کسی مظہر کے حقائق تک منطقی یا مشاہداتی طور پر بیان کرنے کو بھی فلسفہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً دماغ کا فلسفہ، دل کا یا محبت اور عشق کا فلسفہ وغیرہ۔

4۔ کسی بھی منطقی اور پیچیدہ گفتگو جو کے مظاہر قدرت، طبیعات یا ماورائے طبیعات کے علوم کے حوالے سے ہو اسے بھی فلسفہ کہتے ہیں۔

5۔ کسی خاص علم کی بنیادوں اور ماخذات کے منظم اور منطقی جائزے کو بھی فلسفہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً ریاضی کا فلسفہ، کیمیا کا فلسفہ یا حیاتیات کا فلسفہ وغیرہ۔

6۔ زندگی سے متعلق معاملات، سیاسیات، معاشرت، معاشیات، دینیات، ادبیات، فلاح و بہبود کی بہتری کے نظریات بھی فلسفے کا حصہ ہیں۔

7- کوئی بھی علم یا مشاہدہ جو اپنے دائرے میں اپنے سچ اور اپنے جھوٹ رکھتا ہو وہ فلسفہ ہے۔[2]

غرضیکہ فلسفہ اپنے معانی میں اتنا وسیع لفظ ہے کہ کائنات کا کوئی علم ایسا نہیں جس کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ

---

[1] کلیمنٹ سی جے، تاریخ فلسفہ، مترجم: احسان احمد، طبع اول (دکن: ادارہ عثمانیہ، 1929ء)، ص 15

[2] میر ولی الدین، فلسفہ کیا ہے؟، طبع اول (دہلی، اشوکا پریس، 1951ء)، ص 23

فلسفے سے نہ ہو۔

چونکہ فلسفہ کی اصل یونان ہے تو واضح ہے کہ اس کا آغاز بھی وہیں یونان سے ہوا ہے۔ معلوم تاریخ میں پہلا فلسفی جو ہمارے علم میں ہے اسے طالیس (Thales) کے نام سے جانا جاتا ہے جو آیونیا (Ionia) یعنی قدیم یونان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا دور تقریباً چھٹی صدی قبل مسیح ہے۔ چنانچہ طالیس وہ پہلا آدمی تھا جس نے دنیا پر غور و فکر کا آغاز کیا، سورج، چاند ستاروں اور دیگر چیزوں کو غور سے دیکھنا اور سمجھنا چاہا۔ چنانچہ اس نے چھٹی صدی قبل مسیح میں ہونے والے سورج گرہن کی پیشگوئی گرہن کے ظہور پذیر ہونے سے پہلے ہی کر دی جو سچ بھی ہوئی۔ اسی طرح اس کے نزدیک زمین اور تمام مادی اشیاء پانی سے وجود میں آئیں۔[1]

مختصر یہ کہ فلسفہ اپنے ابتدائی دور میں صرف چند سوالات سے شروع ہوا تھا جیسے:

یہ کائنات کیا ہے؟ اس کی ماہیت کیا ہے؟

کائنات کے وجود کا کوئی مقصد ہے یا نہیں؟

یہ سورج، چاند، ستارے، گرہن، طوفان، زلزلے وغیرہ کیسے اور کیوں آتے ہیں؟

کیا اس کائنات کو بنانے والا کوئی ہے یا یہ اپنے آپ ہی بن گئی ہے؟ اور کیا اس کے وجود کے پیچھے کوئی شعوری قوت یا ذہن موجود ہے؟

کیا یہ کائنات قدیم ہے یا حادث؟

انسان کی اس کائنات میں کیا حیثیت ہے؟

موت اور زندگی کیا ہیں؟

یہ پیڑ پودے، چرند و پرند کہاں سے آئے ہیں؟

زمین گول ہے یا چپٹی؟ سورج زمین کے گرد گھومتا ہے یا زمین سورج کے گرد؟

آسمان اپنی ماہیت میں کیا ہے؟

روح کیا چیز ہے؟

"حقیقت" کیا ہے؟

غرض اس قسم کے سوالات سے فکر و فلسفہ اور حکمت کا آغاز ہوا جس میں وقت کے ساتھ وسعت پیدا ہوئی۔

---

[1] میر ولی الدین، فلسفہ کیا ہے؟، ص 24

فلسفہ کی شاخیں:

روایتی فلسفہ میں جو اہم شاخیں ہیں ان کی تعداد پانچ ہے جو کہ اس طرح ہیں:

۱۔ مابعد الطبیعات یا ماورائے طبیعات: دنیا بلکہ کائنات سے ماورا موجودات سے متعلق شاخ۔ الٰہیات اور وجودیات اسی شاخ کا موضوع ہے۔

۲۔ علمیات: یہ شاخ علم، اس کے ماخذات، ابدی سچ، جھوٹ، حقیقت کو جاننے کے ماخذات کے معتبر اور غیر معتبر ہونے پر بحث کرتی ہے۔

۳۔ منطق: بحث اور فکری سہو سے بچنے کے اصول یعنی کس طرح کوئی عقلی دلیل قائم کی جائے، اور عقلی موشگافیوں میں غلطیوں سے باز رہا جائے، یہ اس شاخ کا موضوع ہے۔

۴۔ اخلاقیات (یعنی عملی): اچھائی، برائی، شیطانی اور رحمانی طور طریقے اور زندگی گزارنے کے لیے بہترین اصول وغیرہ پر بحث اس شاخ کا موضوع ہے۔

۵۔ جمالیات: حسن و جمال، ذوق، لطف اور ان سے متعلق حواس اور تخیلات اس شاخ کا موضوع ہیں۔

اس کے علاوہ دیگر کئی شاخیں ہیں جو بعد میں فلسفہ کا موضوع بنی ہیں۔ جیسے:-

لسانیات: یعنی زبان کا فلسفہ، انسان نے کب، کیسے اور کیوں بولنا شروع کیا؟ انسان کو بولنے پر برانگیختہ کرنے والے عناصر کیا تھے؟ کیا جذبات کی موجودگی الفاظ کے بغیر ممکن ہے؟ اور اس طرح کے دوسرے سوالات اس شاخ کا موضوع ہیں۔

قانون و فقہ: یعنی کوئی بھی قانون کن بنیادوں پر بننا چاہیے؟ کس کس پر کوئی قانون کس طرح لاگو ہوگا؟ برے اور بھلے، مجرم اور معصوم قرار دینے کے اصول وغیرہ کی بحثیں اس شاخ کا موضوع ہیں۔[1]

فلسفہ عملی کی اقسام:

فلسفہ عملی، جو کہ عملی زندگی میں اخلاقی اور سماجی اصولوں کے اطلاق سے متعلق ہے، اس کی تین اہم اقسام ہیں: تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل، اور سیاست مدنیہ۔ یہ تینوں اقسام انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کو احاطہ کرتی ہیں اور ان کی اہمیت اور اثرات کو سمجھنا ضروری ہے۔ تہذیب الاخلاق انفرادی اخلاقیات اور شخصی کردار کی تشکیل پر زور دیتی ہے، تدبیر منزل خانگی اور خاندانی نظام کی تنظیم پر مرکوز ہے، جبکہ سیاست مدنیہ معاشرتی اور حکومتی نظام کی تعمیر

---

[1] کلیمنٹ سی جے، تاریخ فلسفہ، مترجم: احسان احمد، ص29

وترقی سے متعلق ہے۔

تہذیب الاخلاق کا موضوع انسان کی ذاتی زندگی اور اس کے اخلاقی معیار پر محیط ہے۔ اس میں ایسے اصول اور تعلیمات شامل ہیں جو انسان کو صحیح وغلط کی پہچان دیتے ہیں اور اس کی اخلاقی تربیت کرتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں تہذیب الاخلاق کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے، اور ان اصولوں کا مقصد انسان کو ایک اچھا اور نیک انسان بنانا ہے۔ اسلامی تاریخ میں بہت سے علماء اور مفکرین نے اس موضوع پر اہم کام کیا ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا ہے۔

تدبیر منزل کا تعلق گھر اور خاندان کی تنظیم و انتظام سے ہے۔ اس میں خاندانی ذمہ داریوں، ازدواجی تعلقات، بچوں کی تربیت اور مالی امور کی منصوبہ بندی شامل ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے، گھر کو ایک اہم ادارہ تصور کیا جاتا ہے جو معاشرت کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اسلام میں تدبیر منزل کے اصولوں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور ان کی روشنی میں خاندان کی بہترین تنظیم وتربیت کی جاسکتی ہے۔

سیاست مدنیہ معاشرتی اور حکومتی نظام کی تعمیر وترقی سے متعلق ہے۔ اس میں حکومتی امور، عوامی فلاح و بہبود، عدلیہ اور انتظامیہ کے اصول شامل ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں سیاست مدنیہ کو بہت اہمیت دی گئی ہے اور اسلامی خلافت اور ملوکیت کے مختلف ادوار میں اس کے عملی نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اسلامی فلسفہ عملی کی یہ تین اقسام معاشرتی نظام کی جامع تفہیم فراہم کرتی ہیں اور ان کی بنیاد پر ایک متوازن اور مستحکم معاشرہ تشکیل دیا جاسکتا ہے۔

تہذیب الاخلاق

دراصل انسان کے ارادی کردار واعمال کی پُشت پر نظریاتی واخلاقی جذبہ محرکہ کارفرما رہتا ہے۔ اعلی اخلاقی اقدار جو طبیعت کا حصہ بن جاتی ہیں اور زندگی کے تمام لمحات میں اس کے مظاہر دیکھنے کو ملتے ہیں، انسانی شرافت کی معراج ہے۔ یہ اعلیٰ اخلاق انضباتی عمل ہے، اس سے زندگی میں حُسن آتا ہے، جب کہ بد اخلاقی معاشرتی روگ وبد انتظامی ہے۔ تمام الہامی مذاہب اور معروف فلسفوں میں اخلاقیات کو نمایاں مقام حاصل رہا ہے حتیٰ کہ دینِ اسلام میں جہاں اخلاقی تعمیر کا حکم دیا گیا ہے، وہاں قرآن حکیم کے اخلاقی نظام کے اطلاق وتطبیق کے لئے نمونہ کامل آنحضرت ﷺ کی بعثت کا بھی التزام کیا گیا، تاکہ جو بھی اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونا چاہتا ہو وہ اس ہستی کے اعمال وافعال ورویوں کو اختیار کرکے فلاح وکامیابی سے ہمکنار ہو سکے اور آپ ﷺ کی زندگی انسانیت کے لئے مشعل کا کام دے سکے۔ اخلاق وتشکیل اخلاقیات کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ یونانی فلسفہ جہاں ماوراء الطبیعات، علم المنطق، فلسفہ و قانون، علم الجمالیات و علم الاجتماع کو زیر بحث لاتا ہے وہاں علم النفس و اخلاقی تعمیر و

تشکیل کو بھی اہم ترین موضوع کے طور پر اختیار کرتا ہے۔[1] اس کے برعکس اسلامی نظامِ تربیت، نفسی اصلاح کی راہ سے اخلاقی تعمیر چاہتا ہے۔ اصلاح کا اہم ذریعہ عبادات کا منضبط نظام بھی ہے کیونکہ عبادات کا انسانی شخصیت سازی میں نمایاں عمل دخل ہے۔ عبادت اور اخلاق سے متعلق شاہ ولیؒ اللہ کا نظریہ جاننے سے پہلے اخلاق کی تعریف ضروری ہے۔

خلق کا مادہ (خ،ل،ق) ہے اگر ،،لفظ خ،، کے اوپر زبر پڑھیں یعنی خَلق پڑھیں تو اس کے معنی ہیں ظاہری شکل وصورت اور اگر ،،خ،، پر پیش پڑھیں یعنی ،،خُلق،، پڑھیں تو باطنی اور داخلی ونفسانی شکل وصورت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے مثلاََ اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں انسان خُلق و خَلق دونوں اعتبار سے نیک ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ظاہری صورت بھی اچھی ہے اور باطنی صورت بھی، جس طرح انسانوں کی ظاہری شکل وصورت مختلف ہوتی ہے اسی طرح باطنی شکل وصورت میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔[2]

خُلق: انسان کے اس نفسانی ملکہ کو کہا جاتا ہے کہ انسان بغیر فکر و تأمل اور غور وخوض کے خاص افعال انجام دے یعنی اس کے ذریعہ بہترین کام انجام دینے کو خُلق کہا جاتا ہے۔

الخَلق والخُلق: فی الاصل واحد کالشَرب والشُرب لٰکن خُصَّ الخَلق باالهیأت والصور المدرکة بالبصر وخُصَّ الخُلُق بالقویٰ والسجایا المدرکة بالبصیرة[3]

"خَلق اور خُلق دراصل ایک ہی ہیں لیکن خلق مخصوص ہے ظاہری شکل وصورت سے اور خُلق کو مخصوص کر دیا گیا باطنی اور معنوی شکل وصورت سے۔"

اخلاقی تشکیل کے حوالہ سے مسلم مفکرین میں ایک بڑا نام شاہ ولی اللہؒ[4] کا ہے۔ جہاں تک شاہ ولی اللہ کے نظریہ تشکیل اخلاقیات کا تعلق ہے تو وہ خود چونکہ صوفی تھے۔ ان کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ ایسے دور میں لکھی گئی کہ

---

[1] گیلانی، مناظر احسن، اخلاق وفلسفہ اخلاق، طیب پبلشرز، لاہور، طبع پنجم 2000، ص 25

[2] الافریقی، محمد بن مکرم ابن منظور، لسان العرب، تحت مادہ خ ل ق، دار صادر، بیروت، ج:10، ص:85

[3] دہلوی، سید احمد، ؛ فرہنگ آصفیہ، مطبع رفاہ عام پریس، لاہور، مئی 1908ء، ج:2، ص:203

[4] شاہ ولی اللہؒ: برصغیر کے عظیم محدث، مفسر، فلسفی اور اَسرارِ شریعت کے موجد "ولی اللہ قطب الدین احمد فاروقی دہلوی" ہیں۔ مغل بادشاہ اورنگزیب عالمگیر کی وفات سے چار سال قبل 114ھ کو یوپی میں شاہ عبدالرحیم کے ہاں پیدا ہوئے۔ علمی خاندان کے چشم وچراغ ہونے کی وجہ سے سترہ سال کی عمر تک علوم وفنون اور بیعت وارشاد کی اجازت حاصل ہوئی۔ ان کی تصانیف میں سے حجۃ اللہ البالغہ، ازالۃ الخلفاء، الفوز الکبیر وغیرہ کافی مشہور ہیں، آپ 29 محرم 1176ھ مطابق 20 مطابق 1762ء کو فوت ہوئے۔ [محمد امین بن یوسف پالنپوری، الخیر الکثیر شرح اُردو الفوز الکبیر، (کراچی: دار الاشاعت، 2007ء)، ص 27-33]

اس وقت انسانی عقلی تشکیل کے بارے میں نئے نظریات سامنے آرہے تھے، اقتصادی فلسفے متعارف ہو رہے، نئے اقدار، نئے اخلاقی سانچے متعارف ہو رہے تھے۔ اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو یہ حقیقت کُھل کر سامنے آتی ہے کہ شاہ ولی اللہؒ نے اس میدان میں منفرد نظریہ پیش کر کے نئی طُرح متعارف کی اور اپنی حیثیت کا امتیاز بر قرار رکھا۔ شاہ ولی اللہؒ جہاں ماحول اور خاندانی توارث کو اعلیٰ اخلاق کی تشکیل کا اہم ذریعہ کے طور پر تسلیم کرتے ہیں، وہاں وہ اس کے ڈانڈے ماوراء الطبیعات قوتوں سے اُستوار کرتے ہیں، وہ عقائد اور عباداتِ اسلامی کو رویوں و اخلاق بنانے میں اہم عوامل سمجھتے ہیں۔ ماحول کا انسانی اخلاق کی تشکیل کی حقیقت سے متعلق وہ لکھتے ہیں۔

"انماالاخلاقُ بالاحوال لابالعلوم"[1]

"اخلاق کی تشکیل میں احوال کو اساسی اہمیت حاصل ہے، نہ کہ علم و تعلم کو۔"

شاہ ولی اللہؒ انسانی اخلاق تشکیل میں عبادات کو خاص مقام دیتے ہیں، اسلامی عبادات کی اساس پر وہ منفرد تجزیہ پیش کرتے ہیں، وہ اس تناظر میں بے لاگ نقد کرتے ہیں اور عبادات کی انتہائی حکمت کو وہ انسانی انا کی تشکیل پر منتج مانتے ہیں۔ اُن کی نظر میں نفس کردار کے اعتبار سے چار بنیادی اخلاقیات کی تشکیل کا متحمل ہے، یہ اُم الاخلاق ہیں۔ ان اساسی اخلاقیات کے نتیجہ میں اٹھارہ اخلاقیات پروان چڑھتی ہیں اور ان اخلاقیات کی ضد سے بچاؤ کا بھی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ چار بنیادی اخلاقیات عبادات نماز، زکواۃ، روزہ اور حج جیسے اعمال کے بار بار دُہرانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ چار اخلاق درج ذیل ہیں۔

1: طہارت

2: اخبات

3: سماحت

4: عدالت

ان اخلاق کی تشکیل سے متعلق شاہ ولی اللہؒ عمیق انتقاد پیش کرتے ہیں۔ تصوف (انسان کے باطنی قویٰ) اور اعمالِ انسانی (شریعت) کی پیروی کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

النظر الی الاعمال (ای) العبادات من حیث ایصالِها الی هیئات نفسانیة[2]

---

[1] دہلوی، شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم، حجۃ اللہ البالغہ، ج:1، ص:55

[2] دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ البالغۃ، ج:1، ص:56

"احسان وسلوک اعمال سے اس حیثیت سے بحث کرنے کا نام ہے کہ وہ کیفیات نفسانیہ یعنی اخلاق وملکات تک کس طرح مفضی ہوتے ہیں"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اختیار وارادہ سے کوئی اچھا یا بُرا کام کرتا ہے تو وجود میں آکر ختم نہیں ہوتا بلکہ اس کے نفس کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے، اندرون دل اس سے اثر پذیر ہو جاتا ہے، یہی کیفیت نفسانیہ ہے، پھر جب تک وہ کیفیت عارضی ہوتی ہے تو یہ حال کہلاتی ہے اور جب وہ راسخ ہو جاتی ہے تو ملکات بنتے ہیں۔ صورت حال یہ ہے کہ اعمال و عبادات اور ہیئات نفسانیہ میں ربط وارتباط ہوتا ہے، اعمال ہیئات نفسانی کو کُمک پہنچاتے ہیں اور وہی ہیئات نفسانیہ کی تشریح وترجمانی بھی کرتے ہیں کیونکہ اعمال ان اندرونی کیفیات کے پیکر اور صورتیں ہیں۔ بزبانِ شاہ ولی اللہؒ اشباہ وتماثیل ہیں کیونکہ آخرت میں جزاوسزا اعمال پر ہوگی مگر حقیقت میں مفید یا مضر ملکات حسنہ یا سیئہ دونوں ہوں گے۔ یہ طے ہے کہ شارع نے اصالۃً وبالذات لوگوں کو اعمال ہی کا مکلف بنایا ہے خواہ اعمال ایجابی ہوں یا سلبی مگر مطلق یعنی ملکات سے قطع نظر کرتے ہوئے مکلّف نہیں بنایا بلکہ اس حیثیت سے مکلّف بنایا ہے کہ وہ اعمال انہی ہیئات نفسانیہ سے اُبھرتے اور وجود میں آتے ہیں مجرداً نہیں اس لئے لوگ ثانوی درجے میں اس کے بھی مکلّف ہیں کہ وہ اچھے ملکات کی تحصیل کی سعی کریں اور بُرے ملکات سے اجتناب کریں۔

اعمال وعباداتِ انسانی اور ہیئات نفسانیہ کے بارے میں کچھ مزید تفصیل یہ ہے: اعمال کے سلسلے میں دیکھا گیا ہے کہ کن اعمال سے کون کونسے ملکات پیدا ہوتے ہیں؟ اعمال میں انضباط ہوں، ان میں مجبوریوں کے مواقع کی رعایت برتی گئی ہوں جو مطلوبہ ہیئات نفسانیہ تک مفضی ہوں، اعمال ان اندرونی کیفیات کے پیکر اور صورتیں ہیں۔ شارع نے اصالۃً وبالذات لوگوں کو مکلّف بنایا ہے، تاہم ہیئاتِ نفسانی بھی مقصود ہیں، لہذا کیفیت نفسانیہ اور اعمال دونوں مطلوب ہیں اگر اس امر کو ایک مثال سے واضح کیا جائے تو مناسب ہوگا۔،،اخبات،، ایک ملکہ ہے، اس کو نماز سے حاصل کیا جاسکتا ہے، لہذا اخبات کی حقیقت معلوم کرنا بھی ضروری ہے اور نماز کا عمل جو اذکار، تلاوت، مخصوص طرز یعنی رکوع وسجود پر مشتمل اعلیٰ درجہ کی بندگی ہے، سے متعلق جاننا بھی ضروری ہے۔ یہ بات وثوق کو پہنچتی ہے کہ نماز کے عمل کو دہرانے سے،،اخبات،، کی کیفیتِ حال پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح تمام احکام کے بارے میں یہ سمجھنا کہ اعمال وارکانِ اسلام بمنزل اسباب وآلات،،Tools،، کے ہیں، ان سے مقصود نفس کا علاج اور دیکھ بھال ہے، یہ اعمال کیسے انسان کے باطن پر اثر انداز ہوتے ہیں؟ اعمال سے اصلاحِ باطن کیسے ممکن ہے؟ بطورِ مثال اس طرح سمجھا جاسکتا ہے، جس طرح طبیب مریض کا علاج کرتا ہے اور ان کے احوال کو سنوارتا ہے، اس طرح اعمال کے ذریعے انسان اپنی اصلاح کرتا رہتا ہے۔ جس شخص کو آلات واسباب کی کماحقہ معرفت حاصل نہیں ہوتی وہ کبھی آلات کو اندھا دھند استعمال کرکے نقصان بھی اُٹھا سکتا ہے۔ معرفت کی اساس وجدان پر ہے، چونکہ نبی کریم ﷺ

اور آپ کے صحابہ کرام اپنے ذوق و وجدان سے اعمال اور ان کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے باطنی کیفیات دونوں سے واقف تھے اس لئے اُس وقت شریعت و طریقت کی تقسیم کا تصور ہی نہ تھا، بعد کے ادوار میں ظاہری اعمال کا نام شریعت اور اس پر عمل کے نتیجہ میں باطنی کیفیات کا نام تصوف پڑ گیا، تصوف بھی کوئی خارجی چیز نہیں، شریعت انسانی اعماق میں اُتر جائے اور طبیعت کی روپ دھارلے تو یہی طریقت ہے۔ شاہ ولیؒ اللہ اعمال کے نتیجہ میں چار امہات الاخلاق یعنی طہارت اس کی ضد حدث، اخبات اس کی ضد استکبار، سماحت اس کی ضد خود غرضی اور عدالت اس کی ضد ظلم کی صفات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ چار اُم الاخلاق ہیں کیونکہ دوسرے اخلاقیات ان سے ماخوذ ہیں۔ عبادات سے ان چار اُم الاخلاق کا حصول اور ان کی ضد سے اجتناب مقصود ہے۔ ان چار اُم الاخلاق؛ یعنی طہارت، اخبات، سماحت اور عدالت پر متفرع دوسرے اخلاق درج ذیل ہیں:

نمبر شمار	اخلاق حسنہ	اخلاق سیئہ
1.	اخلاص وللّٰھیت	نام ونمود
2.	شکر	ناشکری
3.	صبر	جزع فزع
4.	قناعت	حرص
5.	امانت داری	خیانت
6.	صدق	کذب
7.	سخاوت	بخل
8.	محبت	عداوت
9.	ایثار	خودغرضی
10.	استغناء	طمع

.11	تواضع وخاکساری	غرور وتکبر
.12	ایفائے عہد	بدعہدی
.13	خوش کلامی	فحش گوئی
.14	رحم دلی	بے رحمی
.15	نرم مزاجی	درشت خوئی
.16	عفو درگزر	انتقام
.17	احسان وسلوک	بدسلوکی
.18	انس ویگانگت	بیگانگی
.19	توکل	اسباب پر تکیہ
.20	کم سخنی	بیسار گوئی

اخلاق سیئہ میں نفرت، بغض، کینہ، حسد، بد گمانی، چغل خوری، غیبت، بہتان، جلد بازی، بے وقاری، دور خاپن وغیرہ بھی شامل ہیں۔[1] سماحت جب انسانی فطرت بن جاتی ہے تو وہ اس کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا، اس صنف سے مزین ہونے کے نتیجہ میں انسان میں نفسانی سماحت ہی دوسری جُز ہے جو عبادت بجالانے سے اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے۔ سماحت عجز اور فروتنی کو کہتے ہیں، عجز انکساری کی خوبی اگر دولت وثروت والا اپنے اندر پیدا کرلے تو یہ سعادت مندی ہے اور قرب الٰہی کا موجب ہے۔ سماحت کی خوبی انسان کے اندر اعتماد اور خودی کی کیفیت بڑھاتی ہے۔ یہ حصول علم میں معاون قدر ہے۔ عدالت کی سعادت کا تعلق انتظامی امور سے ہے، ان امور کو رضاء خداوندی کے مطابق انجام دیا جانا چاہیے، عدالت سے متعلق امور کا علم بذریعہ ملائکہ نزول کرتے ہیں، رب تعالیٰ اپنے پیغام کو پیغمبروں کے ذریعہ پہنچاتا ہے۔

---

[1] پالن پوری، سعید احمد، رحمۃ اللہ الواسعۃ، زم زم پبلیشرز، 2005ء، ج:4، ص:138

تدبیر منزل

حکمت عملی کی ایک قسم ہے جس میں ایسے امور سے بحث ہوتی ہے جن کا تعلق ایک محدود جماعت کے محدود دائرہ عمل سے ہو، مثلاً ایک گھر یا خاندان سے۔[1]

تدبیر منزل کا مفہوم

اخلاق فاضلہ، علوم تجربیہ اور رائے کلی کے تقاضا کے مطابق گھر کے افراد اور دیگر احباب کے ساتھ رابط اور تعلق کو اس حیثیت سے استوار کرنا کہ جس کا نتیجہ باعزت میل جول کی صورت میں ظاہر ہو. دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ کسی شخص کا دوسرے اشخاص کے ساتھ معزز ترین برتاؤ اور اس برتاؤ کی حفاظت کی تدبیروں کا نام تدبیر منزل ہے۔

نیز یہ کہ اللہ جل جلالہ نے انسان کی طبیعت میں اجتماع پسندی کو ودیعت کر دیا ہے اجتماعی زندگی کو اختیار کئے بغیر انسان رہ سکتا ہی نہیں کیوں کہ انسانی زندگی کی تدبیر تعمیر اور تحسین کا تقاضا ہے کہ اجتماعی زندگی کو اختیار کیا جائے، انسان اپنی جسمانی، ذہنی اور روحانی ضروریات کی تکمیل کیلئے اپنے ہم نوع دیگر افراد کا محتاج ہے، ان کی اعانت کے بغیر یہ شخص اپنی زندگی کی محترم تعمیر نہیں کر سکتا، اللہ تعالی نے قرآن مقدس میں انسان کے مدنی الطبع ہونے کی خبر ان کلمات سے عطا کی ہے:

> يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ[2]
>
> یعنی اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں شاخیں اور قبیلے بنایا تاکہ آپس میں پہچان رکھو، بے شک اللہ کے ہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے بے شک اللہ جاننے والا خبر دار ہے۔

غرض یہ کہ انسان معاشرتی زندگی کا خوگر ہے اور معاشرتی زندگی کا حسن باہمی محبت، تعاون اور تناصر کا تقاضا کرتا ہے، اس لئے جن عوامل سے افراد معاشرہ میں نفرت اور کدورت پھیلتی ہے انہیں ختم کیا جائے اور محبت و مؤدت کے جذبات کو فروغ دینے والے عوامل کو حرکت میں لایا جائے۔

---

[1] بدخشانی، محمد انور، اسلامی سائیٹ (Islaminsight.org)، تاریخ رسائی، 24 اپریل 2024ء

[2] سورۃ الحجرات 13:49

معاشرتی زندگی میں انسان کا جن لوگوں سے زیادہ قریبی تعلق رہتا ہے وہ اس کے قریبی رشتہ دار، پڑوسی اور دیگر دوست آشنا اور متعلقین ہوتے ہیں جیسے اُس کے ہم درس، ہم پیشہ اور ایک ہی حلقہ ءخدمت و ارادت کے ہم نشین وغیرہ، اس قریبی تعلق کو بحال اور برقرار رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ ملاقات کا سلسلہ جاری رکھا جائے، مناسب موقعوں پر ہدیہ اور تحفہ کو پیش کرتے رہنا چاہئے، دوری کے وقت بذریعہ خط وکتابت (موجودہ دور میں ٹیلی فون، ای میل، انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعہ) رابطہ بحال رکھا جائے، اور امور معاشیہ میں ایک دوسرے کی مدد کی جائے۔ تکالیف اور شدائد میں ایک دوسرے کی غمگساری کی جائے، غرض یہ کہ ہمدردی اور غمگساری سے محبت بڑھتی ہے اور اسی پر عمران وتمدن کی بقاء کا دارومدار ہے، باہم دیگر غمگساری کا اجر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے عرفان کے ساتھ عطا کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

" يقول الله عز وجل يا ابن آدم استطعمتك فلم تطعمني قال: فيقول: يا رب وكيف استطعمتني ولم اطعمك وانت رب العالمين؟ فقال: اما علمت ان عبدي فلانا استطعمك فلم تطعمه، اما علمت انك لو اطعمته لوجدت ذلك عندي. يا ابن آدم استسقيتك فلم تسقني، فقال: يا رب، وكيف اسقيك وانت رب العالمين؟ فقال: اما علمت ان عبدي فلانا استسقاك فلم تسقه، اما علمت انك لو كنت سقيته لوجدت ذلك عندي، يا ابن آدم مرضت فلم تعدني، فقال: يا رب وكيف اعودك وانت رب العالمين؟ فقال: اما علمت ان عبدي فلانا مرض فلو كنت عدته لوجدت ذلك عندي او وجدتني عنده"[1]

"اللہ فرمائے گا: ابن آدم! میں نے تم سے کھانا طلب کیا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ فرمایا: وہ عرض کرے گا: پروردگار! تم نے کس طرح مجھ سے کھانا طلب کیا، میں نے تمہیں نہ کھلایا جبکہ تو پروردگار عالم ہے؟ فرمایا: کیا تمہیں علم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تم سے کھانا طلب کیا تھا تو تم نے اسے کھانا نہ کھلایا؟ کیا تجھے علم نہیں کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو تُو اسے میرے ہاں پاتا۔ ابن آدم! میں نے تم سے پانی طلب کیا تو تم نے مجھے پانی نہ پلایا، وہ عرض کرے گا: پروردگار! میں تجھے کس طرح پلاتا جبکہ تو رب العالمین ہے؟ فرمایا: کیا تجھے علم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی طلب کیا تھا، کیا تجھے علم نہیں کہ اگر تم اسے پانی پلا دیتے تو اسے میرے ہاں پاتے؟ ابن آدم! میں بیمار ہو گیا تھا تو تُو نے میری عیادت نہیں کی؟ وہ

---

[1] مسلم، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب فضل عیادۃ المریض، ج:4، ص:990، حدیث نمبر 2669

کہے گا: رب جی! میں کس طرح تیری عیادت کرتا جبکہ تو رب العالمین ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تجھے علم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اگر تو اس کی عیادت کرتا تو اسے میرے ہاں پاتا۔" یا "مجھے اس کے ہاں پاتا۔"

تدبیر منزل کے تقاضے

حضرت شاہ ولی اللہ نے عمرانی زندگی اور باوقار تمدن کو باہمی الفت اور محبت و مروت کے ساتھ وابستہ قرار دیا ہے، آپ نے قرآن و سنت کی روشنی میں محبت بڑھانے والے درج ذیل امور رقم فرمائے ہیں:[1]

سلام کہنا

آداب ملاقات میں یہ بھی ضروری ہے کہ ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام پیش کیا جائے (جیسا کہ بہ روایت ابوہریرہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا تدخلون الجنة حتى تؤمنوا ولا تؤمنوا حتى تحابوا أولا أدلكم على شيء إذا فعلتموه تحاببتم أفشوا السلام بينكم"[2]

قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جب تک تم ایمان نہیں لاؤ گے، جنت میں داخل نہیں ہو سکتے اور اُس وقت تک تم ایمان دار نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تم ایک دوسرے سے محبت نہ کرو کیا میں تمہاری راہنمائی اُس چیز کی طرف نہ کروں کہ جسے اختیار کرنے کے بعد تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو؟ (اور وہ یہ ہے) تم آپس میں بکثرت سلام کیا کرو۔

طلب اجازت

یہ کہ ایک دوسرے کے گھروں میں یا کمروں میں داخل ہوتے وقت اجازت طلب کی جائے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ[3]

یعنی اے ایمان والو! اُس وقت تک اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ تم اجازت نہ لے لو اور اہل خانہ کو سلام نہ کر لو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے تاکہ تم

---

[1] شاہ ولی اللہ، البدور البازغۃ، (بیروت: المکتبۃ الطوبی، 1444ھ)، ص146

[2] مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب بیان انہ لاید خل الجنۃ الا المؤمنون وان محبۃ، ج:1، ص74، حدیث نمبر 54

[3] سورۃ النور 27:24

نصیحت قبول کرو۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری[1] رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروق[2] رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر تین مرتبہ دستک دینے کے بعد جب کوئی جواب نہ ملا اور واپس چلے آئے، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے واپس پلٹ جانے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی سنایا۔

"وقد قال سول الله صلى الله عليه وسلم اذا استأذن أحدكم ثلاثا فلم يؤذن له فليرجع "[3]

"اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم میں سے کوئی شخص تین مرتبہ (کسی کے گھر داخل ہونے کی) اجازت طلب کرے اور اُسے کوئی جواب نہ دیا جائے تو اُسے واپس لوٹ جانا چاہیے۔"

حفاظت نظر

غیر محرم اور اجنبی عورتوں سے اپنی نظروں کو نیچا رکھنا چاہئے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

"قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ"[4]

"یعنی اور مسلمان کر دوں کو کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ بیان کیلئے بہت ستھرا ہے، بے شک اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے اور مسلمان عورتوں کو کہہ دیجئے اپنی نگاہیں کچھ نیچی

---

[1] آپ کا پورا نام ابو موسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن قیس بن سلیم بن حضار تھا۔ قحطان قبیلہ کی شاخ بنو اشعر سے تعلق رکھتے تھے۔ 20،21 قبل ہجری کو زبید (یمن) میں پیدا ہوئے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔ حبشہ ہجرت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں زبید، عدن اور ساحل یمن کا عامل مقرر کیا اصبہان اور اہواز آپ نے فتح کیے۔ 44ھ / 665ء کو مکہ میں وفات پائی۔ آپ سے 355 احادیث روایت کی گئی ہیں۔ (ابن حجر العسقلانی، الاصابہ فی التمیز الصحابہ، ج2، ص359؛ الزرکلی، الاعلام، ج4، ص114)

[2] آپ کا پورا نام عمر فاروق بن خطابؓ القرشی، کنیت ابو حفص اور لقب فاروق امیر المؤمنین ثانی اور جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مکہ معظمہ میں 40 قبل ہجری / 584ء کو پیدا ہوئے۔ خلفائے راشدین میں سے دوسرے نمبر پر ہیں 13ھ کو خلیفہ چنے گئے۔ نہایت جری، شجاع اور بہادر تھے۔ بارہ ہزار مسجدیں بنوائیں۔ آپؓ سے 537 احادیث روایت کی گئی ہیں۔ 23ھ / 644ء کو رحلت کر گئے۔ آپ کی نماز جنازہ صہیب بن سنانؓ رومی نے پڑھائی۔ (ابن حجر، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج4، ص58)

[3] مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الاداب، باب استئذان، رقم 2153، ج:3، ص:1694

[4] سورۃ النور، 24:30-31

رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔"

مخفیات کی کُرید سے بچنا

لوگوں کے اُن مخفی اور باریک نکتوں کی ٹوہ لگانے سے احتراز کیا جائے جو چیونٹی کی طرح چال چل کر آہستہ آہستہ دلوں میں نفرت پیدا کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ[1] رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

"إياكم والظن فأن الظن أكذب الحديث ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تنافسوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا و كونوا عباد الله اخوانا"[2]

"یعنی بدگمانی سے بچو کیوں کہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے ایک دوسرے کے ظاہری اور باطنی عیب مت تلاش کرو، حرص نہ کرو، حسد نہ کرو، بغض نہ کرو، ایک دوسرے سے روگردانی نہ کرو، اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ۔"

وہ مخفی اور باریک سے نکتے جو دلوں میں کدورت پیدا کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ اُن کی مثال میں گفتگو میں پیش رفت کرنا، آگے چلنے کی کوشش کرتا، بات بات پر تنقید و نکتہ چینی کرنا اور خود نمائی کیلئے دوسروں کی تحقیر کرنا کو بیان کیا ہے۔ دراصل یہ تمام علامات تکبر ہیں جب کہ روحانی غذا عفو اور تواضع ہے۔ بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ما نقصت صدقة من مال و ما زاد الله عبدا بعفو إلا عزا وما تواضع احد لله الا الله"[3]

"یعنی صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا اور بندے کے معاف کرنے سے اللہ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور جو شخص بھی اللہ کی رضا کیلئے عاجزی کرتا ہے اللہ اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔"

---

[1] آپ کا پورا نام ابوہریرہ عبدالرحمٰن بن صخر السدوسی الیمانی ہیں۔ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ابی بن کعب اور کعب الاخبار رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا۔ صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ روایات آپ سے منقول ہیں۔ آپ کی روایات کی تعداد 5374 ہے۔ 57ھ / 676ء کو اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ (ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن محمد، اُسد الغابہ، بیروت، دار احیاء التراث العربی، 1996ء، ج6، ص318)

[2] مسلم الجامع الصحیح، کتاب البر والصلۃ والادب، باب الظن والتجسس والتناجش ونحوھا، حدیث نمبر:2563، ج:4، ص:1985

[3] مسلم الجامع الصحیح، کتاب البر والصلۃ والتواضع، حدیث نمبر:2588، ج:4، ص:2001

تدبیر منزل کی تقسیم

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ تدبیر منزل کے تین حصے یا نظام ہیں۔

i. ازدواج و نکاح

ii. ولادت و اولاد

iii. ملک (مالک و مملوک یا سردار و ماتحت)

پہلا حصہ: ازدواج و نکاح

مفہوم نکاح

علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: ازہری نے کہا ہے کہ کلام عرب میں نکاح کا معنی عمل ازدواج ہے اور تزوج (شادی) کو بھی نکاح اس لئے کہتے ہیں کہ وہ عمل ازدواج کا سبب ہے۔ جوہری نے کہا ہے کہ نکاح کا اطلاق معمل از رواج پر ہوتا ہے اور کبھی عقد پر بھی نکاح کا اطلاق ہوتا ہے۔[1]

حکم نکاح

امام غزالی رحمہ اللہ نے نکاح کی فضیلت کی بابت علماء کے دو طبقوں کا ذکر کیا ہے، علماء کے ایک طبقہ کا کہنا ہے کہ تنہائی میں عبادت کرنے سے نکاح کرنا افضل ہے جبکہ دوسرے طبقہ کا کہنا ہے کہ نکاح میں فضیلت ہے لیکن عبادت الٰہی سے افضل نہیں ہے اور نفلی عبادات نکاح سے افضل ہیں تاوقتیکہ خواہشات نفسانیہ اتنی بڑھ جائیں جس سے گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو۔[2]

فضیلت نکاح (از روئے قرآن و سنت)

اللہ تعالیٰ نے غیر شادی شدہ لوگوں کی شادی کرنے کا حکم دیا، فرمایا:

"وانکحُوا الْأَيَامَى مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ "[3]

---

[1] ابن منظور، لسان العرب، طبع سوم (بیروت: دار صادر، 1414ھ)، ج:2، ص:426

[2] غزالی، محمد بن محمد، إحیاء علوم الدین (بیروت: دار المعرفة)، ج:2ص:21

[3] سورۃ النور، 32:24

یعنی "اپنے غیر شادی شدہ لوگوں کا نکاح کرو اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا (نکاح کرو) اور مطلقہ عورتوں کی بابت ارشاد فرمایا۔"

"فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ"[1]

یعنی "اور مطلقہ عورتوں کو اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو۔"

اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کے ازدواج کو بطور تحسین ذکر فرمایا۔

" وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً"[2]

یعنی "اور ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو بھیجا اور اُن کیلئے بیویوں اور بچوں کے رشتے قائم کئے۔"

اللہ جل جلالہ نے اپنے ان بندوں کی توصیف کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی بیویوں اور اولاد کی طرف سے سکون کے طلب گار ہیں۔[3]

حضور نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے بھی نکاح کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

"عن عبد الله رضی الله عنه قال قال رسول الله يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فانه له وجاء"[4]

"حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے ارشاد فرمایا اے جوانو! تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے اُسے نکاح کر لینا چاہئے کیوں کہ نکاح سے آنکھوں میں شرم آجاتی ہے اور شرم گاہ گناہوں سے محفوظ رہتی ہے اور جو شخص نکاح کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزے رکھے کیوں کہ روزوں سے شہوت بولتی ہے۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ چند صحابہ نبی کریم ﷺ کی ازواج کے پاس حاضر ہوئے اور نبی کریم ﷺ کی خلوت کے اعمال معلوم کئے پھر ایک نے کہا میں عورتوں سے شادی نہیں کروں گا اور ایک نے کہا میں گوشت نہیں کھاؤں گا اور ایک نے کہا میں بستر پر نہیں سوؤں گا۔ حضور علیہ السلام نے یہ سب باتیں سن کر اللہ

---

[1] سورۃ البقرۃ، 232:2

[2] سورۃ الرعد، 38:13

[3] سورۃ الفرقان 74:25

[4] صحیح البخاری، بَابُ التَّرْغِيبِ فِي النِّكَاحِ، ج3، ص214، حدیث نمبر: 5063

ملاحظہ فرمائیں: مسلم، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب لمن تاقت نفسہ الیہ ووجلمؤنہ، ج:2، ص:1019، حدیث نمبر: 1400

جل جلالہ کی حمد وثناء کی اور فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسے ایسے کہتے ہیں (دیکھو) میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور نیند بھی کرتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔[1]

نیک بیوی کی خصوصیات

حضرت شاہ ولی اللہ ازدواج کی ضروریات اور آداب کے عنوان میں رقمطراز ہیں اس ارتفاق کا کمال اس میں ہے کہ جن اغراض و مقاصد اور ضرورتوں کی تکمیل کیلئے ازدواج و نکاح کی مشروعیت کی گئی ہے وہ بخوبی سرانجام پاتے رہیں، چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے پسندیدہ امر یہ ہے کہ جس عورت کو رفیقہ حیات کی حیثیت سے منتخب کیا جائے وہ خوبصورت ہو، کنواری ہو، اولاد پیدا کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہو، پاکدامن ہو، اپنی اولاد کے ساتھ قلبی لگاؤ رکھتی ہو، اس کے دل میں شوہر کی محبت ہو، اُس کے مال و دولت کی حفاظت کرنے والی ہو اور امانت دار ہو، امور خانہ داری سے پوری واقف اور ماہر ہوں تفصیلی اور کمزور طبیعت کی نہ ہو وغیرہ

شریعت اسلامیہ میں اچھی بیوی کے مندرجہ ذیل تین اوصاف کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔

وصف اول: بیوی کا شوہر کے تابع فرمان اور اسکے مال و عزت کی محافظ ہونا

"فالصلحت قانتٰت حٰفِظٰتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ الله"[2]

یعنی پس نیک عورتیں (خاوند کی فرمانبردار ہوتی ہیں اور خاوند کی غیر موجودگی میں (اس کے مال س کے مال اور عزت کی حفاظت کرتی ہیں، جس طرح اللہ نے حفاظت کا حکم دیا ہے۔

" عن عبد الرحمن ابن عوف قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صلت المرأة خمسها و صامت شهرها و حفظت فرجها و اطاعت زوجها قيل لها ادخلی من ای ابواب الجنة شئت "[3]

---

[1] مسلم الجامع الصحیح کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسہ الیہ، رقم 1401، ج:2، ص:1020

[2] سورۃ النساء، 34:4

[3] ابن حبان، صحیح، مؤسسۃ الرسالۃ، طبع اول (بیروت، دار الفکر، 1408ھ) حدیث نمبر:4163، ج:9، ص:471

حکم الحدیث: اس روایت پر کلام کرتے ہوئے علامہ ہیثمی فرماتے ہیں:

رواه أحمد والطبراني في الأوسط وفيه ابن لهيعة وحديثه حسن وبقية رجاله رجال الصحيح

اسے احمد اور طبرانی نے "الاوسط" میں روایت کیا ہے اور اس میں ابن لہیعہ ہیں، ان کی حدیث حسن ہے اور باقی راوی صحیح کے راوی ہیں۔ [ہیثمی، نور الدین علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد، طبع اول (بیروت: دار الفکر، 1412ھ)، ج4، ص562]

"حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عورت پانچ وقت کی نمازیں پڑھے اور رمضان کے روزے رکھے اور اپنی عصمت کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے اس سے کہا جائے گا جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جا۔"

بیوی کے مرغوب فیہ اوصاف جبکہ دیندار ہونا بہترین وصف ہے۔

"عن ابي هريرة قال قَالَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ"[1]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عورت کے ساتھ چار چیزوں کی بنیاد پر شادی کی جاتی ہے اُس کے مال کی بنیاد پر، اس کی خاندانی شرافت کی بنیاد پر، اس کی خوبصورتی کی بنیاد پر تو تم دیندار عورت کو حاصل کرو تمہارا بھلا ہو۔"

وصف دوم: عورت کا اولاد کی پیدائش کے لیے باصلاحیت ہونا

وصف سوم: عورت کا خاوند سے محبت کرنا

رسول اکرم ﷺ نے شادی کیلئے عورت کے حسب و نسب اور منصب و جمال پر اس کے خاوند کیلئے محبت والی اور بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھنے والی عورت کو ترجیح دی ہے، حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا تھا:

"تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ"[2]

"یعنی تم محبت کرنے والی اور بچوں کو جنم دینے کی صلاحیت رکھنے والی عورت سے نکاح کرو۔"

---

[1] بخاري، الجامع الصحيح، كتاب النكاح، باب الاكفاء في الدين، حديث نمبر:4802، ج:5، ص:1958

[2] ابو داؤد، سنن، كتاب النكاح، باب النهي عن تزويج من لم يلد من النساء، حديث نمبر:2050، ج:2، ص:220

حکم الحدیث: اس روایت کی سند پر کلام کرتے ہوئے ابن الملقن فرماتے ہیں:

رَوَاهُ أَبُو دَاوُد وَالنَّسَائِيّ فِي «سنَنَيْهِمَا» وَأَبُو حَاتِم بن حبَان فِي «صَحِيحه» وَالْحَاكِم فِي «مُسْتَدْركه» ثمَّ قَالَ : هَذَا حَدِيث صَحِيح الْإِسْنَاد . وَقَالَ ابْن الصّلاح : حسن الْإِسْنَاد .

اس حدیث کو ابو داؤد اور نسائی نے اپنی "سنن" میں روایت کیا ہے، اور ابو حاتم بن حبان نے اپنی "صحیح" میں ذکر کیا ہے، نیز حاکم نے اپنی "مستدرک" میں بھی اس کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔

[ابن الملقن، البدر المنير في تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في الشرح الكبير، طبع اول (الرياض: دار الهجره، 2004ء)، ج7، ص495]

نیک شوہر کی خصوصیات

حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں: شوہر کے انتخاب میں مندرجہ ذیل اوصاف کو مد نظر رکھا جائے۔

وہ فقیر اور قلاش نہ ہو منہ بے جا غصہ کرنے والا ہو اور نہ ہی مار پیٹ کا عادی ہو، اُسکے حراج میں پیش نہ ہو، نہ وہ قوت مردی سے محروم ہو نہ کسی متعدی مرض میں مبتلا ہو (مثلاً وہ کوڑھی نہ ہو، اور نہ کوئی ایسی بیماری اُسے لاحق ہو گئی ہو جو نا قابل علاج یا قابل نفرت ہو (جیسے برص وغیرہ) نہ وہ مجنون اور دیوانہ ہو اور نہ وہ اکتساب معاش اور طلب رزق سے دل چُرا کر دوسروں پر بوجھ بن کر رہتا ہو۔[1]

شوہر کے بعض اوصاف درج ذیل ہیں۔

وصف اول: یہ کہ شوہر قلاش نہ ہو

"**عن أبي هريرة مرضى الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال** خير الصدقة ما كان عن ظهر غنى واليد العليا خير من اليد السفلى وابدأ بمن تعول قال ومن أعول يا رسول الله قال أمرأتك تقول أطعمني وإلا فارقني"[2]

"**حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ تونگری میں دیتا ہے۔ اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور اپنے عیال سے ابتداء کرو حضرت ابو ہریرہ نے عرض کی یا رسول اللہ میرے عیال کون ہیں؟ فرمایا تمہاری بیوی جو کہتی ہے مجھے کھلاؤ یا علیحدہ کر دو۔**"

دار قطنی اپنی سند کے ساتھ روایت نقل کرتے ہیں:

"عن سعيد بن المسيب : في الرجل لا يجد ما ينفق على امرأته قال يفرق بينهما"[3]

"**سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کا خرچ پر داشت نہ کر سکے ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔**"

وصف دوم یہ کہ خاوند شدید مرض میں مبتلا یا عرصہ دراز کا قیدی نہ ہو۔

دار الاقامہ مصر کے الفتاوی الاسلامیہ میں امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کی نصوص پر مشتمل ایک تفصیلی فتوی میں مرقوم ہے:

---

[1] شاہ ولی اللہ، البدور البازغۃ، ص136

[2] دار قطنی، علی بن عمر، سنن دار قطنی، ج:3، ص:296، حدیث نمبر190

[3] دار قطنی، علی بن عمر، سنن دار قطنی، ج:3، ص:297

"اگر خاوند مریض ہو یا قید میں ہو اور بیوی کو نفقہ نہ دے سکے تو قاضی اسے اتنی مہلت دے جس میں اس کے شفایاب ہونے یا قید سے چھوٹنے کی توقع ہو اگر مرض کی مدت اتنی بڑھ جائے یا قید کی مدت اتنی زیادہ ہو جس سے عورت کو ضرر پہنچے یا اسے فتنہ لاحق ہونے کا خدشہ ہو تو قاضی اس پر طلاق واقع کر دے۔"[1]

وصف سوم: یہ کہ خاوند مار پیٹ کرنے والا نہ ہو

ایک عورت نے حضور ﷺ سے اپنے نکاح کے متعلق مشورہ لیا اور ایک شخص کے پیغام کا ذکر کیا آپ ﷺ نے فرمایا وہ اپنا ڈنڈا اپنے کندھے سے نیچے نہیں اتارتا۔[2]

حضور نے عورت کو ایسے شخص کے انتخاب میں محتاط رہنے کا مشورہ دیا جو مارنے پیٹنے کا عادی تھا) مردوں کو اپنی بیویوں کی پٹائی کی اجازت صرف اس صورت میں ہے کہ جب بیوی کی طرف سے نشوز کا اندیشہ ہو۔[3]

نشوز کا مطلب ہے کہ جہاں عورتوں کو دیکھنا نہیں چاہئے وہ وہاں دیکھیں اور وہ ایک طرف سے آئیں اور دوسری طرف نکل جائیں اور تمہیں اُس کی بابت شک ہو جائے۔[4]

طریقہ نکاح اور اس کے متعلقات

انعقاد نکاح کے حوالہ سے حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ نکاح انسان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی ایک خاص عنایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مروجہ طریقہ پر نکاح کرنے کا الہام فرمایا ہے۔[5]

نکاح سے متعلق جن الہامی اُمور کو حضرت شاہ ولی اللہ نے ذکر کیا ہے قدرے وضاحت کے ساتھ وہ حسب ذیل ہیں۔

نکاح کیلئے غیر محرم ہونا

قرآن مقدس میں ایسی عورتوں کی ایک فہرست بنادی گئی ہے جن کے ساتھ نکاح ناجائز ہے اور بیوہ عورتیں

---

[1] المجلس الاعلی للشوون الاسلامیۃ مصر، الفتاوی الاسلامیہ من دار الافتاء مصر، ج:1، ص:279

[2] مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الطلاق، باب المطلقۃ ثلاثا لا نفقۃ لھا، ج:2، ص:1114، حدیث نمبر 1480

[3] سورۃ النساء، 4:6

[4] طبری، جامع البیان فی تاویل آی القرآن، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، طبع اول:1420ھ، ج:5، ص:38

[5] شاہ ولی اللہ، البدور البازغۃ، ص 129

ہیں جو مرد کے ساتھ محرمیت کا رشتہ رکھتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ وَ رَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَاۗىِٕلُ اَبْنَاۗىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا"[1]

"تم پر حرام کر دی گئیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہاری بھتیجیاں اور تمہاری بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور دودھ (کے رشتے) سے تمہاری بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی وہ بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں (جو اُن بیویوں سے ہوں) جن سے تم ہم بستری کر چکے ہو پھر اگر تم نے ان (بیویوں) سے ہم بستری نہ کی ہو تو ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں اور تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں اور دو بہنوں کو اکٹھا کرنا (حرام ہے۔) البتہ جو پہلے گزر گیا۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

ایجاب و قبول ہونا

معاہدہ نکاح میں ایجاب اور قبول کو ضروری قرار دیا گیا، اس کے بغیر نکاح کو زبردستی شمار کیا جائے گا (مثلاً مرد ایجاب کر لے مگر عورت اُسے قبول نہیں کرتی ہے مگر مرد پھر بھی اُسے اپنے حرم میں لانے کا پابند قرار دے لیتا ہے)

اسلام سے پہلے اہل عرب کا دستور تھا کہ میت کے مال کا مالک بننے کے ساتھ وہ میت کی بیوی کے بھی مالک بن جاتے تھے مگر شریعت اسلامیہ نے زبردستی کے نکاح کو ناجائز قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا"[2]

"اے ایمان والو تمہیں حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ۔"

---

[1] سورۃ النساء، 23:4

[2] سورۃ النساء، 19:4

عورت کے سرپرستوں کی اجازت

حضرت شاہ ولی اللہ نے انعقاد نکاح کیلئے عورت کے سرپرستوں کی اجازت کو لازمی قرار دیا ہے۔ امام شافعی[1]، امام مالک[2] اور حنابلہ[3] کا یہی نظریہ ہے جب کہ امام ابو حنیفہ نے ولی کی اجازت کے بغیر عاقلہ بالغہ کے نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔

سرخسی ائمہ ثلاثہ کے استدلال (لا نکاح الا بولی (یعنی ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا ہے کے جواب میں لکھتے ہیں بالفرض اگر یہ روایت صحیح ہو تو یہ باندی پر محمول ہے کیوں کہ باندی کا اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا صحیح نہیں ہے یا یہ حدیث صغیرہ (بچی) اور مجنونہ پر محمول ہے یا یہ حدیث استحباب پر محمول ہے یعنی مستحب یہ ہے کہ عورت بغیر ولی کے بغیر از خود نکاح نہ کرے کیوں کہ یہ خالص عورت کا حق ہے۔[4]

جیسا کہ اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

"عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الايم احق بنفسها من وليها"[5]

"ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غیر شادی شدہ لڑکی (کنواری ہو یا بیوہ) ولی کی بہ نسبت اپنے نکاح کی زیادہ حق دار ہے۔"

---

[1] نووی، شرح مسلم، ج:1، ص:455

[2] مالکی ابن رشد، بدایۃ المجتہد، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع دوم: 1392ھ، ج:2 ص:76

[3] ابن قدامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد حنبلی، المغنی، مکتبۃ القاھرۃ، 1388ھ، ج:5، ص:7

[4] سرخسی حنفی، المبسوط، دار المعرفۃ، بیروت، 1414ھ، ج:5، ص:13

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"ثُمَّ هُوَ مَحْمُولٌ عَلَى الْأَمَةِ إذَا زَوَّجَتْ نَفْسَهَا بِغَيْرِ إذْنِ مَوْلَاهَا أَوْ عَلَى الصَّغِيرَةِ أَوْ عَلَى الْمَجْنُونَةِ وَكَذَلِكَ سَائِرُ الْأَخْبَارِ الَّتِي رَوَوْا عَلَى هَذَا تُحْمَلُ أَوْ عَلَى بَيَانِ النَّدْبِ أَنَّ الْمُسْتَحَبَّ أَنْ لَا تُبَاشِرَ الْمَرْأَةُ الْعَقْدَ وَلَكِنَّ الْوَلِيَّ هُوَ الَّذِي يُزَوِّجُهَا"

"پھر یہ حکم اس صورت پر محمول کیا جائے گا جب کوئی لونڈی اپنے مالک کی اجازت کے بغیر خود نکاح کرے، یا جب نابالغ لڑکی یا مجنوں عورت نکاح کرے۔ اور اسی طرح دیگر احادیث جو اس بارے میں روایت کی گئی ہیں، ان کا مطلب بھی یہی ہے۔ یا پھر اس کا بیان اس بات پر ہے کہ نکاح میں عورت کا خود عقد کرنا ناپسندیدہ (مکروہ) ہے، اور مستحب یہ ہے کہ ولی ہی اس کا نکاح کرائے۔"

[5] مسلم الجامع الصحیح کتاب النکاح، باب استئذان الثیب فی النکاح بالنطق، والبکر بالسکوت، ج:2، ص:1037، حدیث نمبر: 1421

تاہم شاہ ولی اللہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کے عدم انعقاد پر زور دے کر فرماتے ہیں۔ معلوم کرو کہ خصوصا نکاح میں عورتوں کو حکم کرنا روا نہیں ہے کیوں کہ عورتیں ناقصات العقل ہیں اور ان کی فکر ناقص ہوتی ہے اس لئے بسا اوقات انہیں مصلحت کی طرف راہنمائی نہ ہو سکے گی دوسرے سے غالبا وہ حسب کی حفاظت نہ کریں گی اور بسا اوقات غیر کفو کی طرف انہیں رغبت ہو سکتی ہے اور اس میں ان کی قوم کی عار ہے۔۔ مگر ساتھ ہی حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ بھی روا نہیں ہے کہ صرف اولیاء کو نکاح کا اختیار دیا جائے کیوں کہ اپنا نفع و ضرر جو عورت جانتی ہے وہ اس سے ناواقف ہیں اور وہ نفع و نقصان اس کی طرف عائد ہونے والا ہے۔[1]

6.4 گواہوں کی موجودگی حضرت شاہ ولی اللہ انعقاد نکاح کیلئے گواہوں کے موجود ہونے کو ضروری قرار دیتے ہیں، احناف[2] حنابلہ اور شوافع[3] کا بھی یہی موقف ہے۔ جبکہ مالکیہ اعلان نکاح کو ضروری سمجھتے ہیں۔

درج ذیل روایات سے نکاح کیلئے گواہان کی موجودگی ضروری قرار پاتی ہے۔

" عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم قَالَ الْبَغَایَا اللاَّتِی یُنْكِحْنَ أَنْفُسَهُنَّ بِغَیْرِ بَیِّنَةٍ "[4]

ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا بدکار عورتیں وہ ہیں جو گواہوں کے بغیر اپنا نکاح کرتی ہیں۔ حافظ زیلعی نے یہ حدیث نقل کی ہے:

"قال علیه السلام لا نکاح الابشهود "[5]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بغیر گواہوں کے نکاح نہیں ہوتا۔"

اعلان نکاح

حضرت شاہ ولی اللہ نے اعلان نکاح کیلئے دو امور کو ذکر کیا ہے۔ پہلا امر خطبہ نکاح پڑھنا اور دوسرا امر وف

---

[1] شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، ج:2، ص:127

[2] سرخسی حنفی، مبسوط، ج:5، ص:31

[3] ابن قدامۃ، المغنی، ج:7 ص:7

[4] ترمذی، سنن، کتاب النکاح، باب ماجاء لا نکاح الا ببَیِّنَةٍ، ج:3، ص:114، حدیث نمبر 1103

ملاحظہ فرمائیں:

بیہقی، السنن الکبریٰ، باب لاَ نِكَاحَ إِلاَّ بِشَاهِدَیْنِ عَدْلَیْنِ، ج7، ص125، رقم الحدیث:14093

[5] زیلعی، حافظ جمال الدین محمد عبد اللہ، نصب الرایۃ، مؤسسۃ الریان، بیروت، طبع اول:1418ھ، ج:3، ص:167

بجا کر اظہار کرنا۔

خطبہ کی بابت حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حاجت یعنی نکاح وغیرہ کے وقت درج ذیل تشہد کی تعلیم عطا فرمائی:

"الحمد لله نستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله"[1]

" بیشک تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اسی کی تعریفیں بیان کرتے ہیں، اسی سے مدد طلب کرتے ہیں، اسی سے مغفرت چاہتے ہیں، اور ہم اپنے نفسوں کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، اللہ جسے راہ دکھائے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، اور جسے گمراہ کر دے اسے کوئی راہ نہیں دکھا سکتا، اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں"

اور اس کے بعد یہ تین آیتیں پڑھے۔

- **"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ"[2]**

" اے ایمان والو! دل میں اللہ کا ویسا ہی خوف رکھو جیسا خوف رکھنا اس کا حق ہے اور خبردار! تمہیں کسی اور حالت میں موت نہ آئے بلکہ اسی حالت میں آئے کہ تم مسلمان ہو"

- **"يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا"[3]**

"اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلا دیئے اور اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حقوق مانگتے ہو اور رشتہ داریوں (کی حق تلفی سے) ڈرو۔ یقین رکھو کہ اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔"

---

[1] ابو داؤد، سنن ابی داؤد، باب الرجل یخطب علی قوس، ص428، حدیث نمبر1099

[2] سورۃ آل عمران:3:102

[3] سورۃ النساء،4:1

"يَايُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحُ لَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَيَغْفِرُ لَكُمْ ذنوبكم وَ مَن يطع الله وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا "[1]

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی سچی بات کہا کرو۔ اللہ تمہارے فائدے کے لیے تمہارے کام سنوار دے گا اور تمہارے گناہوں کی مغفرت کر دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اس نے وہ کامیابی حاصل کر لی جو زبردست کامیابی ہے۔"

حضرت شاہ ولی اللہ شادی کے موقع پر خطبہ کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں اہلِ جاہلیت قبل از نکاح خطبہ پڑھا کرتے تھے اور اس میں اپنی قوم کے فخر بیان کرتے تھے اور اسے مقصود کا وسیلہ قرار دیتے تھے اور اس کا اعلان چاہتے تھے اور اس رسم کے جاری ہونے میں مصلحت تھی کہ خطبہ کی بنیادی غرض دو امور تھے۔

امر اول: تشہیر

امر ثانی: ایک شی کا اس حیثیت سے ہو تا کہ وہ سنی گئی ہے اور دیکھی گئی ہے اور نکاح کی تشہیر میں یہ حکمت ہے کہ نکاح اور زنا میں تمیز ہو جائے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خطبہ کا استعمال مہتم بالشان اُمور میں کیا جاتا ہے اور نکاح کا اہتمام اور اس کا ایک عظیم الشان امر ہونا بڑے مقاصد میں سے ایک ہے۔

لہذا نبی کریم ﷺ نے اس کے اصل کو باقی رکھا اور اس کی صورت میں اس طرح تغیر فرمادیا کہ ان مصالح کے ساتھ مصلحت کلیہ کو شامل فرمادیا کہ ہر ارتفاق کے ساتھ جوڑ کر اُس کے مناسب سے ملادیا جائے اور ہر جگہ شعار دین کی عظمت کی جائے تاکہ دین کے نشانات پھیل جائیں۔[2]

نکاح کے وقت خطبہ کی اہمیت کے اظہار کیلئے حضرت شاہ ولی اللہ نے متعدد روایات کو بھی ذکر کیا ہے جن میں خطبہ کے ساتھ ساتھ دف کو بجا کر اظہار کرنے کا ذکر بھی موجود ہے۔

حق مہر کا تقرر

تعلیم نکاح کا پابند کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے خاوند کے ذمہ عورت کیلئے مہر کی ادائیگی کو لازم قرار دیا ہے تاکہ خاوند نکاح کی حدود کو توڑنے سے اجتناب کرے اور اُسے طلاق دینے کی صورت میں مال کے نقصان کا خطرہ لگا رہے اور شدید ترین ضرورت کے بغیر نکاح کو توڑنے کی جرات نہ کر سکے مہر کے مقرر کرنے میں ایک قسم کی پائیداری موجود ہے جو کہ عدم تقریر میں نہیں ہے۔ مال کے ساتھ محبت ایک فطری بات ہے اور جب ایک مرد مال کو خرچ کر

---

[1] سورۃ احزاب 33:70-71

[2] شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، ج:2، ص:127

کے حصول ازدواج کرتا ہے تو پھر اسے ازدواجی سلسلہ اختیار کرنے میں سنجیدہ قرار دیا جائے گا، اس مرد کے رقم خرچ کر کے سلسلہ ازدواج کو قائم کرنے سے نہ صرف یہ کہ عورت مطمئن ہو گی بلکہ عورت کے لواحقین بھی اس عمل سے آنکھوں کی ٹھنڈک محسوس کریں گے، حق مہر کے تقرر کی بابت ارشاد باری تعالی ہے:

"وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ"[1]

"اور ان (محرمات) کے علاوہ جو عورتیں ہیں وہ تمہارے لئے حلال ہیں کہ اپنے اموال کے ذریعہ تلاش کرو، حفاظت عصمت کرتے ہوئے نہ کہ مستی نکالنے کی غرض سے۔"

حضرت شاہ ولی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے نفس مہر کو تو باقی رکھا مگر کسی خاص حد کے ساتھ اُسے متعین نہیں کیا اور یہ بالکل اس طرح کہ جیسے مرغوبہ اشیاء کا ثمن ایک خاص مقدار سے مقرر کرنا مشکل ہے کیونکہ لوگوں کے حرج، رغبتیں اور عادات مختلف ہیں اسی طرح حق مہر بھی مقدار کے اعتبار سے مختلف ہو سکتا ہے، جیسا کہ حضور ﷺ ایک شخص سے فرمایا تھا:

"**التمس ولو خاتما من حديد** "[2]

"(کچھ نہ کچھ تو بطور مہر) تم تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔"

مزید فرمایا:

"**من أعطى في صداق امرأة ملء كفيه سويقاً او تمرا فقد استحل**"[3]

"جس شخص نے اپنی بیوی کے مہر میں چلو بھر ستو یا کھجوریں دے دیں پس اس نے حلال کر لیا۔"

تاہم حضور ﷺ نے اپنے ازواج مطہرات کے مہر میں ساڑھے بارہ اوقیہ مقرر کر رکھے تھے۔ حضور اکرم ﷺ مقرر کئے گئے حق مہر کی ادائیگی پر خوب زور دیتے تھے چنانچہ حضرت عقبہ بن عامر[4] رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم * **أَحَقُّ الشُّرُوطِ أَنْ تُوفُوا بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ**

---

[1] سورۃ النساء، 24:4

[2] البخاري الجامع الصحيح، کتاب النکاح، باب السلطان ولی لقول النبي ﷺ زوجنا کہا بما معک، حدیث نمبر: 1842، ج:5، ص: 1973

[3] ابو داؤد، سنن، کتاب النکاح، باب قلۃ السھر، رقم 2110 ص 236/2

[4] آپ کا پورا نام عقبہ بن عامر بن عبس بن مالک رضی اللہ عنہ جہنی ابو حماد، ابو سعاد ہے۔ آپ صحابی ہیں۔ آپ قاری قرآن، میراث اور فقہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ شاعر اور کاتب تھے۔ قرآن کا ایک نسخہ ان کے پاس موجود تھا۔ آپ سے 55 روایات مروی ہیں۔ فتح مصر میں شریک تھے۔ آپ کے شیوخ میں نبی ﷺ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور تلامذہ میں جبیر بن نفیر اور حسن البصری شامل ہیں۔ آپ نے 58ھ/678ء کو مصر میں وفات پائی۔ (الاصابہ فی التمیز الصحابہ، ج2، ص489)

الْفُرُوجَ "[1]

"رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ شرائط میں سے وہ شرط پوری کی جانے کی زیادہ مستحق ہے جس کے ذریعہ تم اپنی عورتوں کی عصمت کے مالک بنے ہو۔"

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اداء مہر کے حوالہ سے ارشاد فرمایا:

"وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً"[2]

یعنی اور عورتوں کو اُن کے حق مہر خوش دلی سے دے دو۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے تقررِ مہر میں حضرت امام شافعی کے مسلک کو ترجیح دی ہے تعلیم قرآن، لوہے کی انگوٹھی اور چلو بھر ستو یا کھجوروں کو بھی حق مہر قرار دیئے جانے کی توثیق کی ہے، صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق حضور نے ایک شخص سے فرمایا کہ تمہیں جو قرآن مجید یاد ہے اُس کے بہ سبب میں نے تمہارا نکاح اس سے کر دیا۔[3]

علامہ نووی لکھتے ہیں، اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ تعلیم قرآن کو مہر بنانا درست ہے اور قرآن مجید کی تعلیم پر اجرت لینا صحیح ہے یہ دونوں امور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہیں قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا امام ابو حنیفہ کے علاوہ تمام فقہاء کے نزدیک صحیح ہے۔[4]

ولیمہ

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ولیمہ دراصل جدید نعمت کے حصول پر اظہار سرور و مسرت ہے، ایسی صورت میں آدمی مال خرچ کرنے پر آمادہ ہوتا ہے اور اس خواہش کی اتباع میں سخاوت کی عادت اور خواہش بخل کی نافرمانی ہوتی ہے چونکہ ولیمہ میں سیاست مدنیہ، سیاست منزلیہ اور تہذیب نفس اور احسان کے متعلق بہت سے فوائد پائے جاتے ہیں اس لئے حضور صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے دعوت ولیمہ کو باقی رکھا، اس کی تعمیل پر رغبت دلائی صرف یہی نہیں بلکہ خود بھی عمل کیا۔[5]

---

[1] مسلم الجامع الصحیح کتاب النکاح باب الوفاء بالشروط فی النکاح، حدیث نمبر:1418، ج:2، ص:1035

[2] سورۃ النساء 4:4

[3] مسلم، الجامع الصحیح، کتاب النکاح باب التزویج علی القرآن وبغیر صداق، حدیث نمبر:4854، ج:5، ص:1977

[4] نووی، یحیٰ بن شرف شافعی، شرح مسلم، ج:1، ص:458

[5] شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، ج:2، ص:130

ولیمہ کی ترغیب میں حضور ﷺ کے مندرجہ ذیل ارشادات ہیں۔

"عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دعى أحدكم إلى الوليمة فليأتها "[1]

"حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو جب ولیمہ پر بلایا جائے تو وہ ضرور جائے۔"

علامہ عینی[2] لکھتے ہیں:

ظاہر یہ کے نزدیک ولیمہ فرض عین ہے امام شافعی کا بھی یہی قول ہے، امام مالک کا بھی یہی مذہب مشہور ہے، امام احمد کے نزدیک ولیمہ مستحب ہے۔ بعض شافعیہ کے نزدیک ولیمہ واجب ہے بعض مالکیہ کے نزدیک ولیمہ مستحب ہے۔[3] علامہ شامی حنفی لکھتے ہیں کہ ولیمہ کرنا سنت ہے۔[4]

البدور البازغہ میں شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں ولیمہ میں کئی اہم نکتے پوشیدہ ہیں مثلا۔

اول یہ کہ ولیمہ کے ذریعہ لطیف طریقہ سے عقد نکاح کا اعلان اور توثیق ہو جاتی ہے۔

دوم یہ کہ ولیمہ عہد طفولیت کے اختتام، رشد و کمال تک پہنچنے اور نظام منزل میں قدم رکھنے کی توفیق میسر آنے پر منعم حقیقی کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

سوم یہ کہ ولیم نے ان منکوحہ کی طرف خاوند کے اظہار رغبت کا مظہر ہے۔ چھارم یہ کہ ولیمہ خوشی کے

---

[1] مسلم الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الامر باباحۃ الدامي في دعوۃ، حدیث نمبر:1429، ج:2، ص:1052

[2] محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد، بدرالدین، عینی، حنفی۔ مؤرخ اور کبار محدثین میں سے ہیں۔ اصل میں حلب سے ہیں۔ عینتاب جائے ولادت ہونے کی وجہ سے عینی کہلاتے ہیں۔ 762ھ کو پیدا ہوئے۔ حلب، مصر، دمشق اور قدس میں قیام رہا۔ قاہرہ میں قاضی اور بعض دیگر سرکاری امور کے نگران رہے۔ مختلف موضوعات پر عمدہ کتابیں تصنیف کی۔ چند یہ ہیں: عمدۃ القاری فی شرح البخاری، مغانی الاخیار فی رجال معانی الآثار، البنایۃ فی شرح الہدایۃ۔ 855ھ کو وفات پائے۔ [ذہبی، **سیر اعلام النبلاء**، ج:5، ص:255]

[3] عینی، عمدۃ القاری، ج:20، ص:144

[4] ابن عابدین، رد المحتار، ج:5، ص:304

موقع پر مال خرچ کرنے کی فطری خواہش کو تسکین دیتا ہے۔[1]

تدبیر منزل کی خرابیوں کے ازالہ کے ذرائع

پہلا ذریعہ ثالثی کمیٹی

جب از دواجی زندگی میں کدورت پیدا ہو جائے، خاوند اور بیوی کا اعتماد بحال نہ رہے اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہو کہ یہ زوجین باہم دیگر صلح پر آمادہ بھی نہ ہوں ایسی صورت حال میں دونوں کو چاہئے کہ اپنی طرف سے ایک ایک نمائندہ مقرر کر دیں اور جملہ امور فیصلہ انہیں تفویض کر دیں۔ اور یہ ثالثی کونسل زوجین کے درمیان ناچاقی کے اسباب کو معلوم کرے اس کے بعد ثالثوں کو کسی تدبیر کے ساتھ جانبین میں الفت بحال رکھنے کا راستہ نکالنا چاہئے اگر خدانخواستہ مصالحت کی کوئی تدبیر ظاہر نہ ہو سکے اور دونوں افراد مصالحتی کوششوں کے نتیجہ خیز ہونے کا انکار کر دیں اور سوائے تفریق اور جدائی کے کوئی چارہ کار نظر نہ آئے تو زوجین کو لڑائی کی زندگی سے بچانے کیلئے شرعی طریقہ کے مطابق عورت کی طرف سے معاوضہ کے ساتھ یا بغیر معاوضہ کے طلاق دلوا دی جائے اور ثالثوں کو عدل کا ترازو قائم کرنا چاہیئے اس سلسلہ میں قرآنی تعلیمات حسب ذیل ہیں:

"وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا"[2]

"اور اگر تمہیں زوجین کے جھگڑے کا خوف ہے تو ایک فیصلہ کرنے والا خاوند کی طرف سے اور دوسرا فیصل عورت کی طرف سے بھیجو یہ دونوں اگر صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان میں میں پیدا کر دے گا۔"

متعدد روایات سے بھی حکمین کی تفریق کے ثبوت ملتے ہیں۔[3]

طلاق اور جدائی کے بعد عورت کو عدت گزارنے کا پابند کر دیا گیا جس کی درج ذیل دو حکمتیں ہیں۔

الف عقد نکاح کی شان کو برقرار رکھا جائے۔

ب اگر حمل ہو تو وضع حمل تک انتظار کیا جائے تا کہ نسب اشتباہ سے محفوظ رہے۔

---

[1] شاہ ولی اللہ، البدور البازغۃ، ص 137

[2] سورۃ النساء، 35:4

[3] ابن ابی شیبہ، حافظ ابو بکر عبد اللہ بن محمد، المصنف، مکتبۃ الرشد، ریاض، طبع اول: 1409ھ، ج:6، ص:512

دوسرا ذریعہ قضاء قاضی

جب مصالحت کی تمام صورتیں ناکام ہو جائیں مگر خاوند عورت کو تنگ کرنے کی غرض سے رکھتا بھی نہیں ہے اور چھوڑتا بھی نہیں ہے تو ان حالات میں قاضی ان زوجین کے درمیان تنسیخ نکاح کا حکم جاری کر سکے گا۔[1]

دوسرا حصہ اولاد و والدین

ارتفاق ثانی سے متعلق دوسری حکمت، حکمتِ منزلیہ کا دوسرا حصہ اولاد کے حقوق و واجبات پر مشتمل ہے

اولاد کے حقوق

اچھے نام کا انتخاب

حضرت شاہ ولی اللہ نے حقوق اولاد میں سے پہلا حق اچھے اچھے ناموں کے ساتھ بچوں کو موسوم کرنا قرار دیا ہے کیوں کہ ناموں کے زندگی پر اثرات ہوتے ہیں، یحیٰی بن شرف نووی شافعیؒ[2] لکھتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل گذشتہ انبیاء اور صالحین کے نام رکھتے تھے:

"انهم كانوا يسمون بأنبيائهم والصالحين قبلهم"[3]

علماء کی ایک جماعت نے اس حدیث سے انبیاء کے نام رکھنے پر استدلال کیا ہے اور اس کے جواز پر تمام علماء کا اجماع ہے البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کیا ہے اور ہم اس کی تاویل بیان کر چکے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند کا نام ابراہیم رکھا اور آپ کے اصحاب میں سے بہت لوگوں کے نام انبیاء کے نام پر تھے۔ حارث بن مسکین کا قول ہے کہ بعض علماء نے ملائکہ کے نام رکھنے کو مکروہ کہا ہے یہ اور امام مالک[4] نے جبریل اور یاسین نام

---

[1] شاہ ولی اللہ، البدور البازغۃ، ص139

[2] نووی: ان کا پورا نام محی الدین ابو زکریا یحیٰی بن شرف بن مری الحزامی ہے ان کی ولادت محرم 631ھ میں ہوئی فقہ شافعی کے بڑے معتمد شارح ہیں ان کی تصانیف میں سے منہاج الطالبین، بستان العارفین، روضۃ الطالبین، المجموع وغیرہ کافی مشہور ہیں 676ھ میں "نوا" میں وفات پائی۔ [ذہبی، محمد بن احمد بن عثمان، تذکرۃ الحفاظ، طبع اول (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1998ء) ج4، ص174]

[3] مسلم، الجامع الصحیح، حدیث نمبر 5483

[4] مالک بن انس بن مالک اصبحی حمیری، ائمہ اربعہ میں سے ہیں، امام دار الہجرہ سے مشہور ہیں۔ 93ھ کو مدینہ منورہ میں ولادت ہوئی۔ انتہائی متصلب فی الدین تھے۔ مؤطا حدیث آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے ہم عصر تھے۔ آپ 179ھ کو مدینہ منورہ میں وفات ہوئے۔ [ابن خلکان، **وفیات الأعیان وانباء ابناء الزمان**، طبع اول (بیروت: دار صادر، 1994ء) ج:4، ص:134]

رکھنے کو مکروہ کہا ہے۔[1]

حضور ﷺ نے بعض ناموں کو پسند فرمایا ہے جیسے عبد اللہ، انبیاء و مرسلین کے نام اور کچھ ناموں کو ناپسند بھی فرمایا جیسے کسی بچے کا نام، افلح، رباح، یسار، اور نافع رکھنا (ان ناموں میں کامیابی نفع بخشی اور آسانی کا مفہوم پایا جاتا ہے تو جب اس نام والے کو بلایا جائے اور وہ موجود نہ ہو تو جواب ملے گا کہ اطلاع نہیں ہے تو یہ بدفالی ہو گی)

اولاد کا دوسرا حق یہ ہے کہ اُن کے نام سے عقیقہ کیا جائے، بہتر یہ ہے کہ ساتویں دن بچے کا نام رکھا جائے اور عقیقہ کیا جائے۔[2] اور عقیقہ کا طریقہ یہ ہے کہ اگر لڑکا ہو تو دو بکری یا دو بھیڑ اور لڑکی ہو تو ایک بکری یا بھیڑ ذبح کرے یا قربانی کی گائے میں لڑکے کیلئے دو حصے اور لڑکی کیلئے ایک حصہ لے لے اور سر کے بال منڈوا دے اور بال کے برابر چاندی یا سونا تول کر خیرات کر دے اور لڑکے کے سر میں اگر مناسب سمجھے تو زعفران لگا دے۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ جانور ذبح کر کے عقیقہ کی سنت بجالائیں جس میں یہ سکتے ہیں۔

پہلا نکتہ: بچے کے صحبت نبی کا اعلان اور خوشگوار طریقہ سے اس کا اقرار

دوسرا نکتہ: زچہ و بچہ کی خیریت پر خوشی اور اعتراف نعمت کا اظہار ہے۔

تیسرا نکتہ: بچے اور اس کی والدہ کے ساتھ پیار کا ظاہری ثبوت ہے۔

چوتھا نکتہ: بچے کا فدیہ[3]

اچھی تربیت

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ بچوں کی مناسب نشو و نما کیلئے تربیت و پرورش کی مناسب تدبیر والدین کا فرض ہے، بچوں کی جسمانی صحت کیلئے مناسب کھیل اور تفریح کا انتظام کریں بچوں کو ایسے مقامات پر جانے سے روکا جائے جہاں مار پیٹ یا اعضاء کے ٹوٹنے یا اُن کے ضائع ہونے کا غالب گمان ہو۔

حضرت سعید بن العاص[4] رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] نووی، شرح صحیح مسلم، ج:2، ص:207

[2] ابن عابدین، رد المحتار، دار الفکر، بیروت، طبع دوم:1412ھ، ج:5، ص:328

[3] شاہ ولی اللہ، البدور البازغۃ، ص142۔ ابن عابدین، رد المحتار، ج:5، ص:368

[4] آپ کا پورا نام سعید بن عاص بن سعید بن عاص بن امیہ القرشی الاموی ہیں۔ 1ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے والد مشرکین کی طرف سے غزوہ بدر میں قتل ہوئے تھے۔ صحابی رسول ہیں لیکن نبی کریم ﷺ سے روایت کرنے میں آپ کے بارے میں مختلف رائے ہیں۔ شیوخ میں نبی کریم ﷺ عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، ام المومنین عائشہ جب کہ شاگردوں میں عروہ بن زبیر، سالم بن

"مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا خَيْرًا لَهُ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ"[1]

"باپ اپنے اولاد کو جو کچھ دیتا ہے اس میں سے سب سے بہتر عطیہ اُس کی اچھی تعلیم و تربیت ہے۔"

حضرت شاہ ولی اللہ تربیت اولاد میں حسب ذیل امور کو پیش نظر رکھتے ہیں:

یہ کہ بچہ جب بولنے کی عمر کو پہنچ جائے تو سب سے پہلے فصیح و بلیغ زبان کی تعلیم دی جائے یہ کہ بچے کو پاکیزہ اخلاق کا خوگر بنادیا جائے نیز معاشرہ کے شرفاء جن آداب کو اختیار کرتے ہیں اس طرح کے آداب سکھائے جائیں۔

یہ کہ بچے کو کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے اور بزرگوں کے سامنے گفتگو کے آداب سے آگاہ کیا جائے۔

یہ کہ بچے کے نصاب تعلیم میں اس بات کو پیش نظر رکھا جائے کہ وہ نصاب دنیا کے معاش کیلئے بھی مفید ہو اور معاد کیلئے بھی بہتر ہو، وہ نصاب تعلیم دنیا و دین کی بہتری کا ضامن ہو۔ نیز جب بچے حد بلوغ تک پہنچ جائیں تو والدین کی ذمہ داری ہے کہ بچے کو حلال روزی کمانے کے طریقے سکھائیں (تاکہ یہ معاشرہ میں محتاجی کی زندگی بسر کرنے سے بچے رہیں اور ان کی شادی کرائیں۔[2]

والدین کے حقوق

حضرت شاہ ولی اللہ نے والدین کے جن حقوق کا بطور خاص ذکر کیا ہے وہ کل چار ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

خدمت کرنا

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" رغم أنفه رغم أنفه رغم انفه قيل من يارسول الله ؟ قال من ادرك والديه عندالكبر

عبداللہ اور عمار بن ابی عمار مشہور ہیں۔ سعید بن العاص نے 69ھ میں وفات پائی۔ (ذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج 5، ص 442؛ المزی، تھذیب الکمال، ج10، ص501)

[1] ترمذی، السنن، کتاب البر والصلۃ من رسول اللہ، باب ماجاء في ادب المولود، حدیث نمبر1952:، ج:4، ص:338

[2] شاہ ولی اللہ، البدور البازغۃ، ص142

احدهما او کلاهما ثم لم یدخل الجنة"[1]

"اس کی ناک خاک آلود ہوگئی یعنی وہ ذلیل ہو (یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی) لوگوں نے پوچھا حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! یہ فرمائیں کون ذلیل ہوگیا؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا وہ شخص جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پایا پھر ان کی خدمت کر کے جنت میں نہ جاسکا۔"

احترام کرنا

والدین کے حوالہ سے بچوں پر دوسرا فرض یہ ہے کہ والدین کا احترام کریں نسبی والدہ کا احترام تو اپنے مقام پر ہے ہی حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تو اپنی رضاعی والدہ کا بھی احترام کرنے میں کوئی کمی نہیں کی حضرت ابو الطفیل[2] رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فرماتے ہیں:

"رأیت النبي صلی الله علیه وسلم یقسم لحما بالجعرانة اذ اقبلت امرأة حتی دنت الی النبي فبسط لها رداءها فجلست علیه فقلت من هی قالو هی امه التي أرضعته"[3]

یعنی میں نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو مقام جعرانہ پہ دیکھا کہ آپ گوشت تقسیم فرمارہے تھے اچانک ایک خاتون آئیں اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے قریب ہوئیں، چنانچہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کیلئے اپنی چادر کو بچھادیا اور وہ اُس چادر کے اوپر بیٹھ گئیں، میں نے لوگوں سے پوچھا یہ خاتون کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ آپ کی وہ ماں ہیں جنہوں نے دودھ پلایا تھا۔"

---

[1] مسلم الجامع الصحیح کتاب البر والصلة والادب، باب رغم انف من ادرک ابویہ او احدھما عند الکبر فلم، حدیث نمبر:2551، ج:4، ص:1978

[2] آپ عامر بن واثلہ بن عبد اللہ بن عمرو بن جحشؓ اللیثیؓ ہیں۔ صحابی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہیں۔ مکہ کے رہنے والے تھے اور جس سال جنگ احد ہوئی اسی سال پیدا ہوئے تھے۔ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ شیوخ میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے علاوہ حذیفہ بن الیمانؓ اور زید بن ارقمؓ جبکہ تلامذہ میں جریر بن حازبؒ، سیف بن وہبؒ اور عمرو بن دینارؒ مشہور ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ ابو الطفیل عامر بن واثلہ 110ھ میں فوت ہوئے اور تمام صحابۂ کرام میں آخری وفات پانے والے آپ ہی تھے۔(ابن الاثیر، اسد الغابہ، ج5، ص190۔ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج1، ص241۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج7، ص230)

[3] ابو داؤد، سنن، کتاب الادب، باب في بر الوالدین، حدیث نمبر:5744، ج:4، ص:337

حکم ماننا/نافرمانی نہ کرنا

حضور ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ وَمَنْعًا وَهَاتِ وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ"[1]

اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر ماؤں کے نافرمانی لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا، اور حرص و بخل کو حرام قرار دے دیاہے، اور اُس نے تمہارے لئے بے کار قسم کی گفتگو زیادہ سوال اور مال کے بر باد کرنے کو ناپسند کیاہے۔

اُف تک نہ کہنا

والدین کے سامنے انسان کو ایسی حالت میں رہنے کا پابند کر دیاہے کہ جس میں اُف تک کہنا بھی ناجائز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا"[2]

"اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اگر تمہارے سامنے اُن میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُن سے اُف تک نہ کہنا اور نہ جھڑ کنا اور ان سے تعظیم کی بات کرنا۔"

مالک و مملوک

ارتفاق ثانی سے متعلق دوسری حکمت حکمت منزلیہ کا تیسرا حصہ مالک و مملوک یا سردار وماتحت کے حقوق و فرائض پر مشتمل ہے۔

تفاوت منصبی فطری عمل ہے۔

مالک و مملوک یا سردار وماتحت کے حقوق و فرائض کا ذکر کرنے سے پہلے یہ سمجھا ضروری ہے کہ معیشت کے

---

[1] البخاري، الجامع الصحيح، كتاب استقراض واداء الديون والحجر والتفليس، باب ماينهى عن إضاعة المال، حديث نمبر:2277 ج:5، ص:848

[2] سورۃ بنی اسرائیل، 23:17

مراتب کاتفاوت ایک فطری عمل ہے سب کے سب افراد ایک جیسی معیشت کے حامل نہیں ہو سکتے۔ حضرت شاہ ولی اللہ اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں۔

"یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ اُس نے سب انسانوں کو یکساں طبیعت سے نہیں نوازا ہے بلکہ انہیں مختلف مدارج اور مراتب کے ساتھ پیدا کیا ہے طبیعتوں کے یکساں نہ ہونے کی وجہ ہی ہے کہ بعض اشخاص غلامی اور ماتحتی کی عادت رکھتے ہیں، وہ اپنی کم ہمتی کے باعث آزادانہ طور پر اکتساب معاش نہیں کر سکتے ہیں وہ ماتحتی کی زندگی میں خوش رہتے ہیں تسلیم وانقیاد کی عادت رکھنے والے افراد آقائی اور سرداری حیثیت میں پریشانی اور سکونت محسوس کرتے ہیں اس کے برعکس بعض لوگ طبیعت کے اعتبار سے سرداری اور آقائی خُولے کر پیدا ہوتے ہیں، ایسے لوگ عالی ہمت اور قیادت و سیادت کی صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں، ایسے لوگ اپنی ذات کے کفیل تو ہوتے ہی ہیں یہ دوسروں کی کفالت کو بھی بخوشی قبول کرتے ہیں، اور سیاسی بالادستی کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، ایسے لوگوں نے یا تو ایسا ماحول پیدا کر دیا یا پیدا شدہ حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ لوگوں کو اپنا غلام بنالیا اس طرح جب یہ روش آہستہ آہستہ بڑھتی چلی گئی تو معاشرہ کے اندر آقا اور غلام کا ایک نیا رشتہ قائم ہو گیا، جسے خوش اسلوبی سے آگے بڑھانے کیلئے عقلاء نے قواعد وضوابط کو وضع کیا تا کہ انسانی معیشت بہتر طریقہ سے ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے۔"[1]

تحفظ غلامان کے اہم ضابطے

شریعت اسلامیہ نے غلامی کی رسم کو ختم کرنے اور غلاموں کے تحفظ کیلئے بہت سے ضابطہ منع کئے ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

آزاد منش کو غلام نہ بنانا

آزاد انسانوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دینے میں اسلام خواہش نہیں رکھتا یہی وجہ ہے کہ جو لوگ آزاد انسانوں کو گرفتار کر کے فروخت کر دیا کرتے تھے اور یہ خریدار خریدے ہوئے شخص کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غلام بنالیا کرتے تھے۔ اسلام نے اس پالیسی کی حوصلہ شکنی کی ہے اور بجز جہادی کاروائی کے آزاد شخص کو گرفتار کر کے غلام بنانے کو ناجائز قرار دیا ہے۔

حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے۔ قیامت کے دن میں تین اشخاص کے ساتھ جھگڑا کروں

---

[1] شاہ ولی اللہ، البدور البازغۃ، ص134

گا، ایک وہ جس نے میرے نام پر عہد کر کے عہد شکنی کی دوسرا وہ شخص جس نے آزاد انسان کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور تیسرا وہ شخص جس نے کسی مزدور سے مزدوری کرانے کے بعد اُسے اُجرت نہیں دی۔[1]

جنگ کے بغیر غلام بنانے کی تمام کاروائیوں کو مسترد کرنا

زمانہ جاہلیت میں آزاد انسانوں کو گرفتار کر لیا جاتا اور انہیں غلام ظاہر کر کے بیچ دیا جاتا مگر اسلام نے ایسی گرفتاریوں کو ناجائز قرار دے دیا اور متعدد مصالح کے پیش نظر دوران جنگ وجدل گرفتار ہونے والوں کو غلام بنانے کی رسم کو باقی رکھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ سے معلوم ہوتا ہے۔

"يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ"[2]

یعنی اے نبی ہم نے آپ پر آپ کی اُن بیویوں کو حلال کر دیا جن کا مہر آپ ادا کر چکے ہیں اور آپ

کی باندیوں کو آپ پر حلال کر دیا جو اللہ نے آپ کو مال غنیمت کے ذریعہ عطا کی ہیں۔ مگر آج جبکہ دنیا میں غلاموں اور لونڈیوں کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ باہمی فیصلہ کے ذریعے ہر ملک غلام اور باندی نہ بنانے اور جنگی قیدیوں کو تبادلہ میں چھوڑنے کا پابند ہو چکا ہے اور انسانوں کو غلام بنانا مذموم قرار دیا جا چکا ہے اسلام جو کہ مکارم اخلاق کا سب سے بڑا داعی ہے ان معروضی حالات میں بھی جنگی قیدیوں کو غلام اور لونڈی بنانا جائز نہیں ہے۔[3]

غلاموں کو آزاد کرنے کے ضابطے وترغیبات

جب اسلام کا ظہور ہوا ہے تو اُس وقت غلاموں اور لونڈیوں کا کاروبار خوب چمک رہا تھا، غلاموں اور لونڈیوں کی کثرت کو مالداری کی علامت قرار دیا جاتا تھا، مگر اسلام نے اس نظام کو ختم کرنے کیلئے متعدد غلطیوں کے ارتکاب پر غلاموں اور لونڈیوں کے آزاد کرنے کو ان غلطیوں کا کفارہ قرار دیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ"[4]

---

[1] البخاري، الجامع الصحیح، ج:1، ص:302

[2] سورۃ احزاب:50:33

[3] غلام رسول سعيدي، تبيان القرآن، ج:7، ص:855

[4] سورۃ المائدۃ،89:5

"اللہ تعالی تمہاری پختہ قسموں (کے توڑنے) پر تمہارا مواخذہ کرے گا۔ اس کا کفارہ دیں محتاجوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا انہیں کپڑے دینا ہے یا ایک غلام آزاد کرتا ہے اور جس میسر نہ ہو وہ تین دن کے روزے رکھے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے، جب تم قسم اُٹھاؤ اور پھر توڑ دو) اسی طرح ظہار کے کفارہ میں بھی ایک صورت غلام کو آزاد کرنا ہے۔"[1]

ای طرح احادیث صحیحہ میں روزہ کے کفارہ کی ایک صورت غلام کو آزاد کرتا ہے۔[2] اسی طرح اگر کوئی شخص غلطی سے کسی مسلمان کو قتل کر دیتا ہے تو اس کا کفارہ بھی غلام آزاد کرتا ہے۔[3] اسی طرح اگر مسلمان نے کسی غیر معاہد کافر ملک میں رہنے والے مسلمان کو قتل کر دیا تو اس کا کفارہ ایک مسلمان نظام کو آزاد کرتا ہے[4]

غلام آزاد کرنے پر قانونی نفاذ کے ساتھ ساتھ اخلاقی اعتبار سے بھی نظام آزاد کرنے کو مستحسن قرار دیا گیا ہے، اور قرآن و سنت میں اس کی واضح ترغیبات ملتی ہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے:

" وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ"[5]

اے مسلمان تجھے کیا معلوم کہ دین کا دشوار گذار راستہ کیا ہے؟ (وہ راستہ یہ ہے) غلام کو آزاد کرنا تھا کے دنوں میں بھوکوں کو کھانا کھلانا یا کسی رشتہ دار یتیم یا کسی خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام آزاد کرنے کی ترغیب اس طرح عطا فرمائی ہے:

"**عن أبي هريرة قال** قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ امْرَأً مُسْلِمًا اسْتَنْقَذَ اللهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ"[6]

---

[1] سورۃ المجادلۃ، 3:58

[2] البخاري، الجامع الصحیح، کتاب الصوم، باب اذا جامع في رمضان ولم یکن له شئ فصدق علیه، حدیث نمبر: 1834 ج:2، ص:684

[3] سورۃ النساء، 92:4

[4] سورۃ النساء 92:4

[5] سورۃ البلد 90:11 تا 16

[6] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعِتْقِ وَفَضْلِهِ، حدیث نمبر: 2517، ج 1، ص 320

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں اس آزاد کرانے والے کے ہر عضو کو آگ سے آزاد کردے گا۔

"عن أبي هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال للمملوك طعامه وكسوته ولا يكلف من العمل إلا ما يطيق"[1]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غلام کو کھانا اور کپڑا دو اور اسے ایسے کام پر مجبور مت کرو جو اس کی طاقت سے زیادہ ہو۔"

مزید فرمایا:

"من قذف مملوكه بالزنا يقام عليه الحديوم القيامة الا ان يكون كما قال"[2]

یعنی جس شخص نے اپنے غلام پر زنا کی تہمت لگائی قیامت کے دن اس (الخزام لگانے والے) پر حد قائم کی جائے گی مگر یہ کہ وہ سچا ہو۔ مزید فرمایا:

" عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صنع لاحدكم خادمه طعامه ثم جاءه به و قد ولى حره و دخانه فليقعده معه فليأكل فأن كان الطعام مشفوها قليلا فليضع في يده منه اكلة او اكلتين"

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا جب تمہارا خادم تمہارا کھانا تیار کر کے لائے اس حالت میں کہ اُس نے کھانا پکانے میں گرمی اور دھویں کو برداشت کیا ہو وہ اُسے بٹھا کر اپنے ساتھ کھلائے اور اگر کھانا بہت ہی کم ہو تو اُس (خادم) کے ہاتھ میں ایک یا دو لقمے رکھ دے۔

"عن أبي مسعود الأنصاري قال كنت أضرب غلاما لي فسمعت من خلفي صوتا اعلم أبا مسعود لله أقدر عليك منك عليه فالتفت فإذا هو رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت يا رسول الله هو حر لوجه الله فقال أما لو لم تفعل للفحتك النار أو

ملاحظہ فرمائیں: مسلم، الجامع الصحیح، کتاب العتق، باب فضل العتق، حدیث نمبر: 1509، ج:2، ص:1148

[1] مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب الطعام المملوک مما یاکل ولباسہ مما یلبس ولا یکلفہ، حدیث نمبر: 1662، ج:3، ص:1284

[2] ایضاً، باب التغلیظ علی من قذف مملوکہ بالزنا، حدیث نمبر: 1660، ج:3، ص:1282

لمستك النار"[1]

"حضرت ابو مسعود انصاری کہتے ہیں کہ میں اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی اے ابو مسعود! تمہیں علم ہونا چاہئے کہ بھنا تم اس غلام پر قادر ہو اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قادر ہے میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ ہی تھے، میں نے کہا یا رسول اللہ وہ اللہ کے لئے آزاد ہے آپ نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو تمہیں جہنم کی آگ جلاتی یا فرمایا کہ تمہیں جہنم کی آگ مس کرتی۔"

حضور ﷺ نے جہاں مالکوں کو مملوکوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے وہاں مملوکین کو بھی اپنے مالکوں کے احکام بجالانے، ان کی توقیر و تعظیم اختیار کرنے اور ان کے اموال کی حفاظت کرنے پر برانگیختہ فرمایا ہے۔

" عن ابن عمر ان مرسول الله قال ان العبد اذا نصح لسيده و احسن عبادة الله فله اجره مرتين "[2]

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب غلام اپنے آقا کی خیر خواہی کرے اور اللہ تعالیٰ کی اچھی طرح عبادت کرے تو اسے دوگنا اجر ملے گا۔"

نیز فرمایا:

"قال ابو هريرة قال مرسول الله الله للعبد المملوك المصلح اجران والذي نفس ابي هريرة بيده لو لا الجهاد في سبيل الله والحج وبرأمى لاحببت ان اموت و انا مملوك"[3]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ سلم نے فرمایا ایک غلام کیلئے دو اجر ہیں قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر جہاد فی سبیل اللہ حج اور ماں کے ساتھ نیک سلوک کی عبادات نہ ہوتیں تو میں یہ پسند کرتا کہ مجھے غلامی کی حالت میں موت آئے۔

---

[1] ایضاً، باب صحبۃ الممالیک وکفارۃ من لطم عبدا، حدیث نمبر:1659، ج:3، ص:1281

[2] مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الایماثواب العبد واجرۃ إذا نصح لسیدھا واحسن عبادۃ اللہ، حدیث نمبر:1664، ج:3، ص:1284

[3] ایضاً، حدیث نمبر:1665، ج:3، ص:1284

مالک و مملوک کے بہتر تعلقات سے متعلق اُصول

حضرت شاہ ولی اللہ نے آقا اور غلام کے تعلقات کو بہتر بنانے کے مندرجہ ذیل چند اصول بیان کئے ہیں:

اول: یہ کہ آقا ایسے غلام کا انتخاب کرے جو بالطبع خدمت گزار ہو۔
دوم: یہ کہ غلام کو اپنے لئے آقاؤں میں سے کسی ایک آقا کا انتخاب کرنا پڑے تو غلام کو چاہئے کہ کسی ایسے شخص کی خدمت اختیار کرے جو فیاض ہو، صاحب عقل و دانش، بامروت اور عالی ہمت ہو۔
سوم: یہ کہ دونوں (آقا و غلام) کے درمیان تعلقات کی اساس احسان ہمدردی اور شراکت پر ہونا چاہئے
چہارم: آقا کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے خادموں کو اپنے ساتھ لذیذ کھانوں خوبصورت اور قیمتی کپڑوں میں شریک کر لیا کرے۔
پنجم: غلام کیلئے ضروری ہے کہ وہ ظاہر اور باطن میں اپنے آقا کا مطیع فرمان رہے، اور مالک کی موجودگی یا غیر موجودگی میں وفادار اور خیر خواہ رہے۔
ششم: اگر آقا اپنے غلام میں رشد و ذکاوت کی جس ترقی پذیر یا برسر عمل دیکھے تو سمجھ لے کہ یہ شخص بالطبع آزاد منش ہو گیا ہے تو مالک کو چاہئے کہ اس غلام کو رقم لے کر یا بغیر رقم لئے آزاد کر دے۔[1]

سیاستِ مدنیہ

ذیل میں سیاستِ مدنیہ کی دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

سیاستِ مدنیہ (نظام حکومت) حکمتِ عملی کی ایک قسم ہے جس میں ایسے امور سے بحث کی جاتی ہے جن کا تعلق ایک جماعتِ کثیرہ کے وسیع دائرہ عمل اور مصالح عامہ سے ایک ایک شہر یا ملک میں شریک ہونے کی حیثیت سے ہو، جیسے حکمران اور رعایا کے حقوق وغیرہ۔[2]

سیاستہ المدینہ: وہ فن ہے جس میں ایک شہر یا ایک ملک کے لوگوں کے درمیان پائے جانے والے ربط و تعلق کو محفوظ رکھنے کے طریقوں سے بحث کی جاتی ہے۔

ساس الامر کے معنی ہیں انتظام کرنا اور ساس القوم کے معنی ہیں لوگوں کے امور کی تدبیر کرنا۔ اور مدینہ (شہر) سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں تعلقات پائے جاتے ہوں، جن میں باہم معاملات ہوتے ہوں اور جو جدا جدا

---

[1] شاہ ولی اللہ، البدور البازغۃ، ص140-141

[2] بدخشانی، محمد انور، اسلامی سائیٹ(Islaminsight.org)

مکانوں میں بود وباش رکھتے ہوں، خواہ ایک شہر اور ایک بستی میں رہتے ہوں یا مختلف بستیوں میں۔[1]

سربراہ مملکت کی ضرورت

دو وجہ سے مملکت کے لئے سربراہ ضروری ہے۔

پہلی وجہ:

مملکت کو اختلال سے بچانے کے لئے، اس کے امراض کا علاج کرنے کے لئے اور اس کی تندرستی کی حفاظت کرنے کے لئے سربراہ ضروری ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مملکت کے لوگوں میں باہم ارتباط ہوتا ہے، اس لئے وہ ایک شخص حکمی (Legal Person) ہے۔ جو چند اجزاء اور ایک ہیئت ترکیبی سے مرکب ہے۔ اور ہر مرکب کے مادہ میں یا صورت میں خلل واقع ہو سکتا ہے، نیز اس کو صحت بھی لاحق ہو سکتی ہے اور بیماری بھی۔ مثلاً زید شخص حقیقی ہے، اور مرکب ہے، سید نہیں اس کے حقیقی اجزاء تندرستی عناصر اربعہ ہیں اور مجازی اجزاء ہاتھ پاؤں سر پسینہ وغیرہ ہیں اور ایک اس کی مجموعی حیثیت ہے۔ پس اس کے حقیقی اجزاء میں اختلال پیدا ہو سکتا ہے، اور اس وقت اس کا صحیح مزاج باقی نہیں رہے گا، اور اس کا نام بیماری ہے، اور صحیح مزاج کا نام تندرستی ہے، اسی طرح زید کی ہیئت کذائی میں بھی خلل پڑ سکتا ہے، ٹانگ ٹوٹ سکتی ہے، ہاتھ شل ہو سکتا ہے اور کچھ بھی نقصان ہو سکتا ہے۔ اسی طرح مملکت کا معاملہ سمجھنا چاہئے۔ اہل مملکت میں پائے جانے والے روابط کی وجہ سے پورا ملک ایک وحدت (اکائی) ہے، جو چند اجزاء سے مرکب ہے۔ اور ہر مرکب کے مادہ میں یا صورت میں خلل واقع ہو سکتا ہے، یا اسے مرض لاحق ہو سکتا ہے اور مرض سے مراد یہ ہے کہ مملکت کے لئے کوئی ایسی حالت رونما ہو جائے، جو باعتبار نوع کے اس کے لئے مناسب و موزون نہ ہو اور مملکت کی تندرستی ایسی حالت ہے جو اس کو شاندار اور خوبصورت بنائے۔

دوسری وجہ:

لوگوں کو انصاف کی راہ پر قائم رکھنے کے لئے بھی سربراہ کی ضرورت ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ شہر اور مملکت میں لوگوں کا اجتماع عظیم ہوتا ہے، اس لئے یہ بات ممکن نہیں کہ سب لوگ انصاف کی راہ پر قائم رہیں، اور ناانصافی کی راہ اپنانے والوں پر نکیر کرنے کے لئے منصب کی ضرورت

---

[1] پالن پوری، سعید احمد، رحمۃ اللہ الواسعہ، ج:1، ص:466-467

ہے۔ منصب کے بغیر روک ٹوک کرنے سے بڑے جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں، اس لئے شہر اور ملک کا معاملہ ایسے شخص کے بغیر منظم نہیں ہو سکتا، جس کو اہل حل وعقد نے متفق ہو کر چنا ہو اور اس کے پاس ملک کو سنبھالنے کے لئے عملہ بھی ہو اور شان و شوکت اور دبدبہ بھی ہو۔ جو لوگ زیادہ خود غرض، بہت تیز مزاج اور خون ریزی میں دلیر اور غصہ میں آپے سے نکل جانے والے ہوتے ہیں ان کو سربراہی اور سیاست کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔[1]

نظام مملکت میں خلل ڈالنے والی چیزیں

ابھی گذرا کہ ملت ایک شخص مرکب ہے، اس کے احوال میں کسی بھی وقت اختلال پیدا ہو سکتا ہے، اس لئے سربراہ مملکت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر وقت احوال پر نظر رکھے۔ اور کوئی خلل نظر آئے تو اصلاح کی کوشش کرے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ایسی آٹھ چیزیں بیان فرمائی ہیں جو حکومت کے نظام کو درہم برہم کرتی ہیں:

1. کبھی کچھ شریر لوگ، جن کو قوت و شوکت حاصل ہو جاتی ہے من مانی کرنے کا اور انصاف کے جادہ کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔ اور وہ یہ فیصلہ چند مقاصد سے کرتے ہیں (الف) لوگوں کے مال کی لالچ میں۔ یہ لوگ راہ زنی کرتے ہیں (ب) کسی عداوت کی بناء پر لوگوں کے درپے آزار ہو جاتے ہیں۔ اور طرح طرح سے لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں (ج) حکومت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس لئے فساد پھیلاتے ہیں اور شر انگیزی کرتے ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ فوج کے ذریعہ ان سے نمٹا جائے۔ اور ان کا فتنہ فرد کیا جائے۔
2. کبھی کوئی ظالم کسی کو لیا قتل کرتا ہے یا زخمی کرتا ہے یا مارتا ہے یا اس کی فیملی میں دست درازی کرتا ہے مثلاً اس کی بیوی میں مزاحمت کرتا ہے یا اس کی بہن بیٹی کی ناحق طمع کرتا ہے یا مال میں ہاتھ ڈالتا ہے، مثلاً ڈکیتی ڈالتا ہے یا خفیہ چوری کرتا ہے یا آبرو کے درپے ہوتا ہے یعنی اس پر کوئی تہمت لگاتا ہے یا اس کے ساتھ سخت کلامی سے پیش آتا ہے ایسے بچوں اور غنڈوں کا علاج یہ ہے کہ ان کو سخت سزا دی جائے تاکہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آئیں۔
3. بعض کام درپردہ مملکت کو نقصان پہنچاتے ہیں، جیسے جادو، اشیائے خوردنی میں زہریلی چیزوں کی آمیزش، لوگوں کو دنگا فساد کی تعلیم دینا، پبلک کو حکومت کے خلاف، نوکروں کو آقا کے خلاف، اولاد کو باپ کے خلاف اور بیوی کو شوہر کے خلاف ورغلانا اس قسم کے اعمال بھی مملکت کے لئے تباہ کن ہیں۔ سربراہ مملکت کو ایسی چیزوں پر کڑی نظر رکھنی چاہئے۔
4. بری عادتیں بھی نظام مملکت میں خلل ڈالتی ہیں۔ یہ بری عادتیں کئی طرح کی ہوتی ہیں (الف) بعض میں

---

[1] پالن پوری، رحمۃ اللہ الواسعہ، ج:1، ص:468

تدبیرات نافعہ کی طرف سے لاپرواہی برتی جاتی ہے، جیسے اغلام (لڑکوں کے ساتھ بد فعلی کرنا) سحاقت (عورت کی عورت کے ساتھ مباشرت) چوپایوں سے بد فعلی، مشت زنی وغیر ہو۔ یہ تمام چیزیں نکاح سے روک دیتی ہیں (ب) بعض میں آدمی فطرت سلیمہ سے نکل جاتا ہے، جیسے مرد کا ہیجڑا بن جانا اور عورت کا مرد بن جانا (ن) بعض خصال بد لمبے چوڑے جھگڑوں کا باعث بنتی ہیں، جیسے کسی منکوحہ کے معاملہ میں، اس کے ساتھ کسی اختصاص کے بغیر، شوہر وغیرہ سے مزاحمت کرنا اور جیسے ہر وقت شراب کے نشے میں چور رہنا ان بری عادتوں کی روک تھام بھی ضروری ہے، اور اس کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کرنی چاہئے۔

5. بعض معاملات بھی مملکت کو نقصان پہنچاتے ہیں، جیسے جوا، چند در چند بڑھا ہوا سود اور ہر سود چند در چند بڑھتا رہتا ہے۔ رشوت ستانی، ناپ تول میں کمی کرنا، مال تجارت کے عیب کو چھپانا تجارتی قافلہ سے ملاقات کرنا (یعنی جو مال ایک شہر سے دوسرے شہر میں فروخت کے لئے لے جایا جارہا ہے، اس کو شہر سے باہر ہی تاجروں سے خرید لیتا تا کہ اونچے نرخ سے اس کو بیچ سکے) ذخیرہ اندوزی، خریداری کے ارادے کے بغیر، دوسرے کو پھنسانے کے لئے مبیع کے دام زیادہ لگانا۔ ایسے ضرر رساں معاملات کی بھی روک تھام ضروری ہے۔

6. ایسے الجھے ہوئے نزاعات جن میں ہر فریق بوگس (Bogus) دلیل رکھتا ہے۔ اور اصل حقیقت واضح نہیں ایسے جھگڑے بھی خلل کا باعث بنتے ہیں ۔ ایسے نزاعات میں گواہوں سے قسموں سے دستاویزات (Documents) سے، قرائن احوال وغیرہ سے تمسک کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اور مقدمہ کو مسلمہ طریقوں کی طرف لوٹانے کی ضرورت ہوتی ہے اور فیصلہ میں وجہ ترجیح ظاہر کرنی پڑتی ہے اور فیصلہ کرنے والے کو فریقین کی چالوں سے واقف رہنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر شہر کے باشندے بادیہ نشینی اختہ اختیار کرلیں اور دیہی تمدن پر قناعت کرلیں یا ایک شہر کے سارے باشندے کسی دوسرے شہر میں جابسیں یا پیشوں کے اختیار کرنے میں ملکی مصالح کا خیال نہ رکھیں مثلاً ملک کی اکثر آبادی تجارت کی طرف متوجہ ہو جائے اور زراعت چھوڑ دے یا اکثر لوگ فوج میں ملازمت کو ذریعہ معاش بنالیں اور دوسرے ضروری کام کرنے والے نہ رہیں تو بھی ملک کا نظام مختل ہو جائے گا۔ یہاں ارباب حکومت کو یہ نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ کسان بمنزلہ غذا ہیں اور کاریگر، تاجر اور ملک کے محافظین بمنزلہ نمک ہیں جس سے غذا کی اصلاح ہوتی ہے، اس لئے حکومت کی پوری توجہ زراعت کو فروغ دینے کی طرف ہونی چاہئے۔

7. اگر حملہ آور درندوں کی کثرت ہو جائے یا موذی حشرات پھیل پڑیں تو اس سے بھی لوگ پریشان ہو جائیں گے۔

پس حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کونابود کرنے کی کوشش کرے۔[1]

ملک کی حفاظت کے لئے انتظامات

ملک کی حفاظت اور اس کی ترقی مختلف انتظامات سے ہوتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے چار قسم کے اللہ چار قسم انتظامات کا تذکرہ فرمایا ہے:

1. ایسی عمارتیں بنائی جائیں جسن سے عام لوگ فائدہ اٹھائیں، جیسے شہر پناہیں (فصیلیں، شہر کی چار دیوار میں) سرحدی چوکیاں (وہ جگہ جہاں لشکر حفاظت سرحد کے لئے قیام کر کرے) قلعے (وہ محفوظ اور سنگین عمارتیں جن میں بادشاہ کی فیملی یا فوج رہے، جیسے لال قلعہ وغیرہ یا سرحدیں (کنٹرول لائن) مارکیٹ اور پل وغیرہ۔

2. پینے اور آب پاشی کے لئے کنویں کھودے جائیں اور چشمے نکالے جائیں، اسی طرح پانی کے تالاب (Reservoir) اور ڈیم باندھے جائیں اور دریاؤں (بڑی ندیوں) پر کشتیاں تیار رکھی جائیں جو باڑ آنے پر لوگوں کی مدد کریں اور عام حالات میں لوگوں کو دریا پار کرنے میں مدد دیں۔

3. (الف) ملک کی بنیادی ضرورت غلہ اور اشیائے خوردنی ہیں، اگر ملک اس سلسلہ میں خود کفیل نہ ہو تو ملکی یا غیر ملکی تاجروں کو غلہ کی درآمد پر آمادہ کیا جائے ملکی تاجروں کو سہولیات فراہم کی جائیں اور غیر ملکی تاجروں کو مانوس کیا جائے اور ان کی دلداری کی جائے۔ اور ملک کے باشندوں کو تاکید کی جائے کہ وہ ان پردیسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، اس سے غیر ملکی سوداگروں کی آمدورفت بڑھے گی اور ملک کو ضرورت کی چیزیں فراہم: ہوں گی۔

(ب) نیز کاشتکاروں کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ کوئی زمین بے کار نہ چھوڑیں، زیادہ سے زیادہ کاشت کریں، تاکہ نہ صرف یہ کہ مملکت کی ضرورت پوری ہو، بلکہ مملکت غلہ برآمد کرنے کی پوزیشن میں آجائے۔

(ج) دستکاری اور صنعت وحرفت کو نہ صرف یہ کہ فروغ دیا جائے بلکہ متعلقہ لوگوں کو اس پر بھی آمادہ کیا جائے کہ وہ چیزوں کو عمدہ اور مضبوط بنائیں، تاکہ مارکیٹ میں ملک کی مصنوعات کو مقام حاصل ہو۔

(د) شہر کے باشندوں کو فضائل و کمالات کی تحصیل پر آمادہ کیا جائے، جیسے خوش نویسی، حساب و کتاب فن تاریخ، علم طب، اور پیش بنی کے صحیح طریقوں میں مہارت پیدا کرنے کی ترغیب دی جائے اور اس کے لئے ممکنہ وسائل فراہم کئے جائیں۔

4. شہر کے احوال کا تفقد کیا جائے تاکہ مفسد اور مملکت کے لئے خیر خواہ کا پتہ چلتا رہے، اول سے بچا جائے، اور اس

---

[1] پالن پوری، رحمۃ اللہ الواسعہ، ج:1، ص:465-466

کی ریشہ دوانیوں پر نظر رکھی جائے۔ اور ثانی کو شریک کار بنایا جائے یا اس کی دلداری کی جائے۔ دوستوں کی دلداری بھی ضروری ہے۔

اسی طرح تفقد احوال سے محتاجوں کا پتہ چلے گا اور ان کی مدد کی جاسکے گی، اور حمد و نعت کاروں کا بھی پتہ چلے گا، اور ملک ان سے استفادہ کرے گا۔[1]

سربراہ مملکت کے لئے ضروری اوصاف

سربراہ مملکت میں درج ذیل چودہ اوصاف ضروری ہیں:

1. پسندیدہ اخلاق - اگر بادشاہ میں اخلاق حسنہ نہیں ہوں گے تو وہ مملکت پر بار ہو جائے گا۔- بہادری اگر بادشاہ میں شجاعت نہیں ہوگی تو وہ برسرپیکار لوگوں سے مقابلہ نہیں کر سکے گا، اور رعایا بھی
2. اس کو حقارت کی نظر سے دیکھے گی۔
3. بردباری: بادشاہ اگر حلیم نہیں ہو گا تو اپنے قہر و غضب سے لوگوں کو تباہ کر دے گا۔
4. دانشمندی: دانشمند بادشاہ ہی ملک کے لئے تدبیرات نافعہ نکال سکتا ہے۔
5. بادشاہ عاقل ہو، پاگل نہ ہو۔
6. بادشاہ بالغ ہو، بچہ نہ ہو۔
7. بادشاہ آزاد ہو، غلام نہ ہو۔
8. بادشاہ مرد ہو، عورت نہ ہو، کیونکہ حکومت ایک بھاری ذمہ داری (Heavy Duty) ہے، جو عورت کے ناتواں کاندھوں پر نہیں رکھی جاسکتی۔ نیز عورت اپنی وضع باقی رکھتے ہوئے بڑی حکومت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ بھی نہیں ہو سکتی۔
9. بادشاہ ذی رائے ہو، بے وقوف نہ ہو۔
10. بادشاہ شنوا ہو، بہرہ نہ ہو۔
11. بادشاہ بینا ہو، اندھا نہ ہو۔
12. بادشاہ گویا ہو، گونگا نہ ہو۔
13. بادشاہ کی پشت (Back) مضبوط ہو یعنی لوگوں نے اس کی اور اس کی قوم کی بزرگی تسلیم کر رکھی ہو، اور اس کے اور اس کے اسلاف کے اچھے کارنامے دیکھ چکے ہوں۔

---

[1] پالن پوری، رحمۃ اللہ الواسعہ، ج:1، ص:479-480

14. بادشاہ کو لوگوں کا اعتماد حاصل ہو یعنی لوگ اس کے بارے میں یقین رکھتے ہوں کہ وہ مملکت کی اصلاح میں ذرا کوتاہی نہیں کرے گا۔

مذکورہ تمام اوصاف کی ضرورت کو عقل تسلیم کرتی ہے اور دنیا کے تمام لوگ بھی اس پر متفق ہیں، حالانکہ ان کے ملک ایک دوسرے سے دور ہیں اور ان کے مذاہب مختلف ہیں۔ اور اس اتفاق کی وجہ یہ ہے کہ سب لوگوں کو احساس ہے کہ بادشاہ مقرر کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے وہ مذکورہ اوصاف کے بغیر ممکن الحصول نہیں۔ چنانچہ اگر لوگ مذکورہ باتوں میں سے کسی بات کی بادشاہ میں کمی دیکھتے ہیں تو اس بادشاہ کو نامناسب تصور کرتے ہیں، اور اس کو ان کے دل ناپسند کرتے ہیں اور اگر خاموش رہتے ہیں تو ناراضگی کے ساتھ خاموش رہتے ہیں۔[1]

---

[1] پالن پوری، رحمۃ اللہ الواسعہ، ج:1، ص:482-483

فصل سوم: قرآن مجید میں مذکورہ عنوانات کا عمومی مطالعہ اور سورۃ المائدۃ وسورۃ التوبۃ میں خصوصی مطالعہ کی اہمیت

اس فصل میں تہذیب الاخلاق، تدبیر المنزل اور سیاستِ مدنیہ کی اہمیت عمومی طور پر قرآنی تناظر میں اور خصوصی طور پر سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبۃ میں پیش کیا گیا ہے۔

1. تہذیب الاخلاق کے مطالعہ کی اہمیت قرآن کریم کی روشنی میں

تہذیب الاخلاق اسلام میں بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے کیونکہ یہ افراد میں اخلاقی فضائل کی آبیاری اور اخلاقی طرز عمل پر محیط ہے۔ قرآن پاک کی تعلیمات میں جڑے ہوئے، "تہذیب الاخلاق" کا مطالعہ مسلمانوں کے لیے ایک جامع رہنما کا کام کرتا ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں میں اعلیٰ کردار کے خدوخال پیدا کرنے اور اخلاقی معیارات کو برقرار رکھنے کے خواہاں ہیں۔

"تہذیب الاخلاق" سے مراد کردار کی تزئین و آرائش ہے، جس میں اخلاقی خوبیوں اور اخلاقی اصولوں کا ایک وسیع دائرہ شامل ہے۔ اسلام میں ایمانداری، دیانتداری، عاجزی، صبر اور ہمدردی جیسے اعلیٰ کردار کی نشوونما سب سے اہم ہے۔ قرآن کریم کی تعلیمات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مثالی طرز عمل پر مبنی، "تہذیب الاخلاق" انسانی طرز عمل کی رہنمائی اور حسن اخلاق کو فروغ دینے کے لیے ایک جامع فریم ورک کے طور پر کام کرتی ہے۔

اخلاقی فضائل پر قرآنی آیات:

قرآن پاک میں بے شمار آیات ہیں جو اخلاقی فضائل اور اخلاقی برتاؤ کی اہمیت پر زور دیتی ہیں۔ سورۃ النحل میں ارشادِ خداوندی ہے:

" إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ "[1]

"بیشک اللہ عدل اور احسان اور رشتے داروں کو دینے کا حکم فرماتا ہے اور بے حیائی اور ہر بری بات

---

[1] سورۃ النحل 90:16

اور ظلم سے منع فرماتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔"

سورۃ الحجرات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ"[1]

"اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قومیں اور قبیلے بنایا تاکہ تم آپس میں پہچان رکھو، بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے بیشک اللہ جاننے والا خبر دار ہے۔"

اور سورۃ النور میں نبی کریم ﷺ کی کریمانہ اخلاق کو یوں بیان کیا گیا ہے:

" وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ "[2]

"اور بیشک تمہاری خو بوبڑی شان کی ہے۔"

جیسی آیات نیک کردار کی تشکیل میں سچائی، مہربانی، عاجزی اور صبر کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں۔ یہ قرآنی تعلیمات مسلمانوں کے لیے اخلاقی فضیلت اور اخلاقی رویے کے حصول میں رہنما اصولوں کا کام کرتی ہیں۔

صداقت

" يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ "[3]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ سیّد المرسلین ﷺ اور عمل دونوں اعتبار سے کامل اور جامع ہیں۔

" وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ "[4]

"اور حق سے باطل کو نہ ملاؤ اور دیدہ ودانستہ حق نہ چھپاؤ۔"

یہودی علماء نبی کریم ﷺ عظمت و نبوت سے متعلق تورات کی آیتیں چھپاتے بھی تھے اور کبھی کچھ بیان

---

[1] سورۃ الحجرات 13:49

[2] سورۃ القلم 4:68

[3] سورۃ التوبہ 119:9

[4] سورۃ البقرۃ 42:2

کرتے تو ان کے ساتھ اپنی طرف سے کچھ باطل باتیں بھی ملا دیا کرتے تھے مثلا اپنے پیروکاروں سے کہتے کہ محمد ﷺ نبی تو ہیں لیکن ہمارے لئے نہیں بلکہ دوسروں کیلئے ہیں۔ یہودی علماء نے اس طرح کی کئی باتیں گھڑی ہوئی تھیں جن کے ذریعے وہ جان بوجھ کر حق چھپانے اور حق و باطل کو ملا کر دھوکہ دینے کے طریقے اختیار کئے ہوئے تھے۔ علامہ علی بن محمد خازن[1] رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر ایک کو چاہئے کہ وہ حق کو باطل سے نہ ملائے اور نہ ہی حق کو چھپائے کیونکہ اس میں فساد اور نقصان ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حق بات جاننے والے پر اسے ظاہر کرنا واجب ہے اور حق بات کو چھپانا اس پر حرام ہے۔[2]

مہربانی اور ہمدردی

"وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا"[3]

"ان کے آگے محبت اور مہربانی کے ساتھ عاجزی کا سر جھکائے رکھو۔ ان کے حق میں (ہمیشہ) دعا کرو کہ پروردگار! جس طرح انہوں نے مجھے صغر سنی میں پالا پوسا اور بڑا کیا تو اسی طرح تو بھی ان پر رحم کیجیو۔"

"وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ"[4]

"اور لوگوں سے بات کرتے وقت اپنا رخسار ٹیڑھا نہ کر اور زمین میں اکڑتے ہوئے نہ چل، بیشک اللہ کو ہر اکڑنے والا، تکبر کرنے والا ناپسند ہے۔"

یہاں سے حضرت لقمان حکیم[5] کی وہ نصیحت ذکر کی جارہی ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو باطنی اعمال کے

---

[1] علاء الدين علی بن محمد الخازن: ان کا پورا نام علاء الدين علي بن محمد بن ابراہیم بن عمر الشيحي المعروف امام خازن ہیں۔ دمشق میں ایک مکتبہ میں لائبریرین کے فرائض سرانجام دینے کی وجہ سے خازن کے نام سے مشہور ہوئے۔ 678ھ مطابق 1280ء میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ ان کی مشہور تصانیف لباب التأويل في معاني التنزيل، عدة الأفهام في شرح عمدة الأحكام ہیں۔ 741ھ مطابق 1341ء میں حلب شام میں وفات پائی۔ [ابو بکر بن احمد، طبقات الشافعية، طبع اول (بیروت: عالم الکتب، 1407ھ)، ج3، ص42]

[2] خازن، علاء الدین بن علی بن محمد، طبع اول (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1415ھ) ج:1، ص:49

[3] سورۃ الاسراء 24:17

[4] سورۃ لقمان 19:31

[5] لقمان حکیم: آپ کا پورا نام لقمان بن عنقاء بن سدون یا لقمان بن ثاران ہیں۔ حضرت داودؑ کے زمانے میں ایک سیاہ فام حبشی شخص تھے۔ ابتدائی عمر غلامی میں بسر ہوئی۔ آزاد ہوتے ہی حصول علم میں لگے رہے اور اللہ نے اس کو علم و حکمت سے بہرہ ور کیا۔ قرآن

حوالے سے فرمائی، چنانچہ فرمایا کہ اے میرے بیٹے!جب آدمی بات کریں تو تکبر کرنے والوں کی طرح انہیں حقیر جان کر ان کی طرف سے رخ پھیر لینے والا طریقہ اختیار نہ کرنا بلکہ مالدار اور فقیر سبھی کے ساتھ عاجزی وانکساری کے ساتھ پیش آنااور زمین پر اکڑتے ہوئے نہ چلنا، بیشک اکڑنے والا اور تکبر کرنے والا کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔[1]

عاجزی

" وَ عِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ ہَوۡنًا وَّ اِذَا خَاطَبَہُمُ الۡجٰہِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا"[2]

" اور رحمٰن کے وہ بندے جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام۔"

اس آیت میں بیان ہوا کہ کامل ایمان والوں کا اپنے نفس کے ساتھ معاملہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ اطمینان اور وقار کے ساتھ، عاجزانہ شان سے زمین پر آہستہ چلتے ہیں۔ متکبرانہ طریقے پر جوتے کھٹکھٹاتے، پاؤں زور سے مارتے اور اتراتے ہوئے نہیں چلتے۔

صبر اور استقامت

" وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ"[3]

" اور صبر اور نماز سے مدد حاصل کرواور بیشک نماز ضرور بھاری ہے مگر ان پر جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں۔"

" وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ"[4]

کریم میں ایک مکمل سورت اس کے نام پر ہے۔ آخری عمر رملہ اور بیت المقدس میں گزاری اور یہیں 3ہزار سال کی عمر میں وفات پائی۔ [ابن کثیر، البداية والنهاية، طبع اول(بیروت:دار احیاء التراث العربی،1988ء)،ج2،ص146]

[1] خازن، تفسیر خازن،ج:3،ص:471

[2] سورۃ الفرقان63:25

[3] سورۃ البقرۃ45:2

[4] سورۃ البقرۃ155:2-156

"اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور خوشخبری سنا ان صبر والوں کو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"

سخاوت اور صدقہ

" الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ "[1]

"وہ لوگ جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اپنے خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ تکلیف دیتے ہیں ان کا انعام ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

"الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ"[2]

"وہ جو خوشحالی اور تنگدستی میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے در گزر کرنے والے ہیں اور اللہ نیک لوگوں سے محبت فرماتا ہے۔"

سورۃ التوبہ اور سورۃ المائدۃ

تہذیب الاخلاق کے مطالعہ کی اہمیت سورہ توبہ اور سورہ مائدہ کی روشنی میں ان **سورتوں** سے ملنے والی گہری اخلاقی اور اخلاقی رہنمائی میں مضمر ہے۔ سورۃ التوبہ اور سورۃ المائدۃ دونوں **ایسی** آیات پر مشتمل ہیں جو اخلاقی اقدار کو فروغ دینے اور ذاتی طرز عمل اور معاشرتی تعاملات میں اخلاقی اقدار کو برقرار رکھنے کی اہمیت پر زور دیتی ہیں۔

سورہ توبہ مومنوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں ایمانداری، امانت داری اور انصاف کے اصولوں پر عمل کریں۔ مثال کے طور پر، آیت 119 کہتی ہے:

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ"[3]

"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔"

---

[1] سورۃ البقرۃ 261:2

[2] سورۃ النساء 134:3

[3] سورۃ التوبہ 119:9

یہ آیت تہذیب الاخلاق کی اقدار کی عکاسی کرتے ہوئے اپنے قول و فعل میں سچے اور مخلص ہونے کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔

اسی طرح سورہ المائدۃ مختلف اخلاقی اور اخلاقی مسائل کو حل کرتی ہے جن میں ایمانداری، ہمدردی اور دوسروں کا احترام شامل ہے۔ اس میں ایسی آیات ہیں جو دوسروں کے عقائد یا پس منظر سے قطع نظر ان کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کے ساتھ برتاؤ کرنے کی اہمیت پر زور دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر، آیت 8 کہتی ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۚ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ"[1]

"اے ایمان والو! اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جاؤ، اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، انصاف کرو کہ یہی بات تقویٰ کے زیادہ نزدیک ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ اس سے خبردار ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔"

یہ آیت تہذیب الاخلاق کے اصولوں کی عکاسی کرتے ہوئے ہر حال میں عدل و انصاف کو برقرار رکھنے کی اخلاقی ضرورت پر روشنی ڈالتی ہے۔

تہذیب الاخلاق کا مطالعہ سورۃ التوبہ اور سورۃ المائدۃ کی روشنی میں افراد کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور عصری زندگی سے ان کی مطابقت کے بارے میں گہرائی سے سمجھ سکیں۔ یہ کردار کی خصوصیات اور طرز عمل کے بارے میں قابل قدر بصیرت فراہم کرتا ہے جن کی اسلام میں حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، مومنین کو نیک صفات پیدا کرنے اور صالح زندگی گزارنے کی کوششوں میں رہنمائی کرتی ہے۔ ان ابواب میں بیان کردہ اخلاقی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر، افراد معاشرے کی بہتری اور دنیا میں امن، ہم آہنگی اور ہمدردی کے فروغ میں اپنا حصہ ڈال سکتے ہیں۔

مطابقت اور عصری اہمیت:

آج کی تیز رفتار اور باہم جڑی ہوئی دنیا میں "تہذیب الاخلاق" کا مطالعہ بہت زیادہ مطابقت اور عصری اہمیت کا حامل ہے۔ مسلمانوں کو اپنی ذاتی، پیشہ ورانہ اور معاشرتی زندگی میں مختلف اخلاقی چیلنجوں اور اخلاقی مخمصوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جن کے لیے اخلاقی خوبیوں اور اخلاقی اصولوں کی گہری سمجھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن پاک کی

---

[1] سورۃ المائدۃ 8:5

روشنی میں "تہذیب الاخلاق" کا مطالعہ کرنے سے، اہل ایمان حکمت، ہمدردی اور دیانت کے ساتھ ان چیلنجوں کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اسلام میں "تہذیب الاخلاق" کا مطالعہ ان مسلمانوں کے لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہے جو اعلیٰ کردار کے خدوخال پیدا کرنے اور اخلاقی معیارات کو برقرار رکھنے کے خواہاں ہیں۔ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے بصیرت حاصل کرکے، مومنین اپنی زندگیوں میں دیانت، احسان، عاجزی اور صبر جیسی خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ "تہذیب الاخلاق" کی مشق کے ذریعے مسلمان دنیا اور آخرت دونوں میں اخلاقی فضیلت، روحانی ترقی اور حتمی کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

2. تدبیر منزل کے مطالعہ کی اہمیت قرآن کریم کی روشنی میں

تدبیر منزل، ایک ایسا تصور ہے جس کی جڑیں اسلامی تعلیمات میں گہری ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں دانشمندی، دور اندیشی اور دیکھ بھال کے ساتھ اپنے گھر کے معاملات کو سنبھالنے کی ذمہ داری شامل ہے۔ قرآن خاندانی اکائی کے اندر نظم وضبط، ہم آہنگی اور انصاف کو برقرار رکھنے کی اہمیت پر زور دیتا ہے، اس طرح روحانی ترقی، سماجی ہم آہنگی اور ذاتی ترقی کے لیے سازگار ماحول کو فروغ دیتا ہے۔

تدبیر منزل اس کے بنیادی حصے میں وسائل کا دانشمندانہ نظم ونسق، نیک کردار کی خصوصیات کی آبیاری، اور گھر کے اندر پرورش اور معاون ماحول کا قیام شامل ہے۔ یہ مالیاتی انتظام، باہمی تعلقات، تعلیم، اور اخلاقی پرورش سمیت مختلف جہتوں پر محیط ہے۔ تدبیر منزل محض مادی املاک کی نگرانی کے لیے نہیں ہے بلکہ خاندان کے افراد کے درمیان روحانی اور جذباتی بہبود کو فروغ دینے کے لیے بھی ہے۔

تدبیر منزل پر روشنی ڈالنے والی قرآنی آیات:

متعدد قرآنی آیات تدبیر منزل کے تصور پر روشنی ڈالتی ہیں اور اس ذمہ داری کو مؤثر طریقے سے نبھانے کے بارے میں رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ ایک نمایاں آیت سورۃ الروم میں موجود ہے، جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَ مِنْ اٰیٰتِه اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ "[1]

"اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے تا کہ تم

---

[1] سورۃ الروم 21:30

ان کی طرف آرام پاؤ اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھی۔ بے شک اس میں غور وفکر کرنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔"

یہ آیت ازدواجی رشتے کے اندر محبت، رحم اور سکون کو فروغ دینے کی اہمیت کو واضح کرتی ہے، جو گھریلو انتظام کے موثر ہونے کی بنیاد ہے۔ یہ باہمی احترام، افہام وتفہیم اور ہمدردی پر مبنی ہم آہنگ تعلقات کو فروغ دینے کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔

مزید بر آں، سورہ النساء گھر کے اندر میاں بیوی کے کردار اور ذمہ داریوں کو بیان کرتی ہے:

"اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا "[1]

"مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس لیے کہ انہوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں، پھر نیک عورتیں تابعدار ہوتی ہیں کہ مردوں کی غیر موجودگی میں اللہ کی مدد سے (ان کے حقوق کی) حفاظت کرتی ہیں، اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا خطرہ ہو تو انہیں سمجھاؤ اور بستر میں انہیں جدا کر دو اور مارو، پھر اگر تمہارا کہا مان جائیں تو ان پر الزام لگانے کے لیے بہانے مت تلاش کرو، بے شک اللہ سب سے اوپر بڑا ہے۔"

عورت کی ضروریات، اس کی حفاظت، اسے ادب سکھانے اور دیگر کئی امور میں مرد کو عورت پر تَسلُّط حاصل ہے گویا کہ عورت رعایا اور مرد بادشاہ، اس لئے عورت پر مرد کی اطاعت لازم ہے، اس سے ایک بات یہ واضح ہوئی کہ میاں بیوی کے حقوق ایک جیسے نہیں بلکہ مرد کے حقوق عورت سے زیادہ ہیں اور ایسا ہونا عورت کے ساتھ ناانصافی یا ظلم نہیں بلکہ عین انصاف اور حکمت کے تقاضے کے مطابق ہے۔

سورۃ النساء میں عورتوں کے متعلق ارشاد ہے:

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ

---

[1] سورۃ النساء 34:4

فَعَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا کَثِیْرًا"[1]

"اے ایمان والو! تمہارے لئے حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور عورتوں کو اس نیت سے روکو نہیں کہ جو مہر تم نے انہیں دیا تھا اس میں سے کچھ لے لو سوائے اس صورت کے کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے گزر بسر کرو پھر اگر تمہیں وہ ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے۔"

سورۃ النساء کی پہلی آیت میں ارشاد ہے:

"یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا"[2]

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں، اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتہ داری کے تعلقات کو بگاڑنے سے بچو، بے شک اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔"

سورۃ البقرۃ میں اولاد کے حقوق میں سے حقِ رضاعت کی تفصیل درج ذیل آیت میں ملاحظہ ہو:

"وَالْوَالِدَاتُ یُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن یُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَکِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُکَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَن تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا وَإِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَکُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّا آتَیْتُم بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِیرٌ"[3]

"اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، اس کے لیے جو چاہے کہ دودھ کی مدت پوری کرے اور وہ مرد جس کا بچہ ہے، اس کے ذمے معروف طریقے کے مطابق ان (عورتوں) کا کھانا

---

[1] سورۃ النساء 19:4

[2] ایضاً 1:4

[3] سورۃ البقرۃ 233:2

اور ان کا کپڑا ہے۔ کسی شخص کو تکلیف نہیں دی جاتی مگر جو اس کی گنجائش ہے، نہ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف دی جائے اور نہ اس مرد کو جس کا بچہ ہے، اس کے بچے کی وجہ سے۔ اور وارث پر بھی اسی جیسی ذمہ داری ہے، پھر اگر وہ دونوں آپس کی رضامندی اور باہمی مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر تم چاہو کہ اپنے بچوں کو دودھ پلواؤ تو تم پر کوئی گناہ نہیں، جب معروف طریقے کے مطابق پورا ادا کر دو جو تم نے دیا تھا اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک اللہ اس کو جو تم کر رہے ہو، خوب دیکھنے والا ہے۔"

سورۃ الانعام میں فرمایا:

"وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّه وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِه لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ"[1]

"اور سوائے کسی بہتر طریقہ کے یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچے، اور ناپ اور تول کو انصاف سے پورا کرو، ہم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے، اور جب بات کہو تو انصاف سے کہو اگرچہ رشتہ داری ہو، اور اللہ کا عہد پورا کرو، (اللہ نے) تمہیں یہ حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔"

سورۃ البقرۃ کی ذیلی آیت میں رشتہ داروں کے حقوق کو بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّه ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ "[2]

"اصل نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق یا مغرب کی طرف کر لو بلکہ اصلی نیک وہ ہے جو اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور اللہ کی محبت میں عزیز مال رشتہ

---

[1] سورۃ الانعام 152:6

[2] سورۃ البقرۃ 177:2

داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں کو اور (غلام لونڈیوں کی) گردنیں آزاد کرانے میں خرچ کرے اور نماز قائم رکھے اور زکوۃ دے اور وہ لوگ جو عہد کر کے اپنا عہد پورا کرنے والے ہیں اور مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت صبر کرنے والے ہیں یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیز گار ہیں۔"

سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہے:

"يَسْأَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِه عَلِيْمٌ "[1]

"آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں، کہہ دو جو مال بھی تم خرچ کرو وہ ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کا حق ہے، اور جو نیکی تم کرتے ہو سو بے شک اللہ خوب جانتا ہے۔"

یہ آیت خاندان کے اندر سرپرستی اور سرپرستی کے تصور پر زور دیتی ہے، جس میں مردوں کو اپنی بیویوں اور بچوں کی پرورش اور حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ یہ ان فرائض کو دیانتداری، انصاف اور ہمدردی کے ساتھ ادا کرنے کی اہمیت کو واضح کرتا ہے، اس طرح تدبیر منزل کے اصولوں کو برقرار رکھتا ہے جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔

مجموعی طور پر، قرآنی آیات جو تدبیر منزل پر روشنی ڈالتی ہیں، ہم آہنگ خاندانی تعلقات کو برقرار رکھنے، عدل و ہمدردی کے ساتھ ذمہ داریاں نبھانے، اور روحانی اور اخلاقی ترقی کے لیے سازگار ماحول کو فروغ دینے کی اہمیت پر زور دیتی ہیں۔ یہ آیات مسلمانوں کے لیے اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنے گھر کا انتظام کرنے میں رہنما اصولوں کا کام کرتی ہیں۔

تدبیر منزل کی اہمیت

گھریلو انتظام پر اسلامی نقطہ نظر:

اسلام میں، گھریلو انتظام، یا تدبیر منزل، بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس کا تعلق خاندانی اکائی کے موثر اور ہم آہنگ کام سے ہے۔ قرآنی تعلیمات اور نبوی روایات گھر کے اندر نظم وضبط، نظم وضبط اور توازن برقرار رکھنے

---

[1] ایضاً 215:2

کی اہمیت پر زور دیتی ہیں۔ تدبیر منزل کا تصور مالی انتظام، باہمی تعلقات اور اخلاقی پرورش سمیت مختلف پہلوؤں پر محیط ہے۔

اسلامی تعلیمات گھر کے سربراہ کے کردار کو نمایاں کرتی ہیں، عام طور پر شوہر اور باپ، خاندان کے فراہم کنندہ اور محافظ کے طور پر۔ یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ مادی اور روحانی طور پر خاندان کے تمام افراد کی بھلائی اور رزق کو یقینی بنائے۔ اس میں دانشمندانہ مالی منصوبہ بندی، حلال روزی کمانا، اور اعتدال کے اسلامی اصولوں پر عمل کرتے ہوئے خاندان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے دانشمندی سے وسائل مختص کرنا اور اسراف سے بچنا شامل ہے۔

مزید برآں، تدبیر منزل باہمی احترام، مہربانی اور ہمدردی پر مبنی خاندانی تعلقات کے انتظام کو گھیرے ہوئے ہے۔ قرآن میاں بیوی کو ایک دوسرے کے ساتھ محبت، افہام و تفہیم اور مساوات کے ساتھ پیش آنے کی تاکید کرتا ہے، ذاتی ترقی اور روحانی ترقی کے لیے سازگار اور پرورش بخش ماحول کو فروغ دیتا ہے۔ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کی اسلامی اقدار کے مطابق پرورش کریں، اخلاقی رہنمائی کریں اور تقویٰ، دیانت اور ذمہ داری کو فروغ دینے کے لیے تعلیم دیں۔

انفرادی اور خاندانی زندگی میں اہمیت:

تدبیر منزل انفرادی کردار کی تشکیل اور خاندانی ہم آہنگی کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ گھریلو انتظام کے اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر، افراد نظم و ضبط، صبر اور بے لوثی جیسی خوبیاں پیدا کر سکتے ہیں، جو ذاتی ترقی اور تکمیل کے لیے ضروری ہیں۔ ایک اچھی طرح سے منظم گھرانہ امن اور سکون کی پناہ گاہ کے طور پر کام کرتا ہے، جہاں خاندان کے افراد زندگی کے چیلنجوں کے درمیان سکون، مدد اور حوصلہ افزائی پاتے ہیں۔

مزید برآں، تدبیر منزل کی مشق سماجی ہم آہنگی، استحکام اور اتحاد کو فروغ دے کر معاشرے کے تانے بانے کو مضبوط کرتی ہے۔ وہ خاندان جو باہمی احترام، تعاون اور ہمدردی کی اسلامی اقدار پر کاربند رہتے ہیں، کمیونٹی کی مجموعی فلاح و بہبود میں اپنا حصہ ڈالتے ہیں، دوسروں کی تقلید کے لیے رول ماڈل کے طور پر کام کرتے ہیں۔ موثر گھریلو انتظام کے ذریعے، افراد اور خاندان اللہ، اپنے خاندان اور معاشرے کے لیے اپنی ذمہ داریاں پوری کر سکتے ہیں، اس طرح دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی اور اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔

آخر میں، تدبیر منزل اسلام میں گہری اہمیت رکھتی ہے کیونکہ یہ قرآنی تعلیمات اور نبوی روایات پر مبنی گھریلو انتظام کے اصولوں اور طریقوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ اعتدال، ہمدردی اور ذمہ داری کی اقدار کو برقرار رکھنے

سے، افراد اور خاندان مضبوط رشتوں کو پروان چڑھا سکتے ہیں، روحانی ترقی کو فروغ دے سکتے ہیں اور مجموعی طور پر معاشرے کی بہتری میں اپنا حصہ ڈال سکتے ہیں۔

سورۃ المائدۃ کا خصوصی مطالعہ

سورہ المائدۃ، قرآن کی پانچویں سورت، اسلامی قانون اور اخلاقیات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے، ایمان، اخلاقیات اور سماجی طرز عمل کے بارے میں رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ اس سورت میں زندگی کے تمام پہلوؤں میں انصاف کو برقرار رکھنے، وعدوں کو پورا کرنے اور راستبازی کے اصولوں پر عمل کرنے کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ سورہ المائدۃ میں جن اہم موضوعات کو دریافت کیا گیا ہے ان میں معاہدوں کی حرمت، سود کی ممانعت اور اسلام کے غذائی قوانین شامل ہیں۔

سورۃ المائدۃ کے مرکزی موضوعات میں سے ایک اللہ کے سامنے جواب دہی کا تصور ہے۔ مومنوں کو ان کا فرض یاد دلایا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو برقرار رکھیں اور اپنی ذمہ داریوں کو خلوص اور دیانتداری کے ساتھ ادا کریں۔ یہ سورت مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان تعلقات کو بھی مخاطب کرتی ہے، انصاف اور انصاف کے اصولوں کو برقرار رکھتے ہوئے باہمی احترام، مکالمے اور تعاون پر زور دیتی ہے۔

تدبیر منزل کا تجزیہ:

سورہ المائدۃ کے اندر ایسی آیات ہیں جو بالواسطہ طور پر گھریلو نظم و نسق یا تدبیر منزل کے تصور کی طرف اشارہ کرتی ہیں، جس میں خاندانی رشتوں کو برقرار رکھنے، عدل و انصاف کو برقرار رکھنے، اور وسائل کا دانشمندی سے انتظام کرنے کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر، سورۃ المائدۃ کی درج ذیل آیت مومنوں کو نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرنے کی ترغیب دیتی ہے، جس کا دائرہ گھریلو امور کے انتظام تک ہے:

"وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ"[1]

"ور نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو"

مزید برآں، سورۃ المائدۃ ازدواجی تعلقات، وراثت اور خاندان کے افراد کی ایک دوسرے کے لیے ذمہ داریوں کے بارے میں رہنمائی پر مشتمل ہے۔ یہ تعلیمات تدبیر منزل کے اصولوں کی عکاسی کرتے ہوئے خاندانی

---

[1] سورۃ المائدۃ 2:5

اکائی کے اندر باہمی احترام، ہمدردی اور تعاون کی اہمیت پر زور دیتی ہیں۔

مجموعی طور پر، سورۃ المائدۃ اسلامی نقطہ نظر سے گھریلو نظم و نسق کے اصولوں کے بارے میں قیمتی بصیرت فراہم کرتی ہے، جو خاندان اور معاشرے میں بڑے پیمانے پر ہم آہنگی، انصاف، اور راستبازی کو برقرار رکھنے کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ اس سورت میں بیان کردہ رہنمائی پر عمل پیرا ہو کر، افراد تدبیر منزل کے تصور کو اپنی روزمرہ کی زندگیوں میں مؤثر طریقے سے نافذ کر سکتے ہیں، اپنے گھرانوں میں امن، استحکام اور خوشحالی کو فروغ دے سکتے ہیں۔

سورۃ التوبہ کا خصوصی مطالعہ

سورۃ التوبہ، قرآن کی نویں سورۃ اسلامی قانون اور اخلاقیات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے، جو ایمان، جنگ، سفارت کاری، اور سماجی طرز عمل کے بارے میں رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ سورۃ التوبہ کے اہم موضوعات میں عبادات میں اخلاص کی اہمیت، نفاق کے نتائج اور اللہ اور ساتھی انسانوں کی طرف مومنین کی ذمہ داریاں شامل ہیں۔

سورہ توبہ کے مرکزی موضوعات میں سے ایک اللہ کے سامنے جوابدہی کا تصور ہے۔ مومنین کو ان کا فرض یاد دلایا جاتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو برقرار رکھیں اور زندگی کے تمام پہلوؤں میں سچائی، دیانت اور انصاف کے اصولوں پر عمل کریں۔ اس سورت میں مسلم کمیونٹی کو درپیش چیلنجوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، بشمول بیرونی خطرات اور اندرونی اختلافات، مومنوں کو اپنے ایمان اور اسلام سے وابستگی پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔

تدبیر منزل کا تجزیہ:

سورۃ التوبہ میں ایسی آیات ہیں جو بالواسطہ طور پر گھریلو نظم و نسق یا تدبیر منزل کے تصور کی طرف اشارہ کرتی ہیں، جس میں خاندانی تعلقات کو برقرار رکھنے، انصاف کو برقرار رکھنے، اور وسائل کا دانشمندی سے انتظام کرنے کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ اگرچہ سورہ بنیادی طور پر ایمان اور حکمرانی کے معاملات پر توجہ مرکوز کرتی ہے، اس کی تعلیمات انفرادی اور خاندانی زندگی پر اثرات رکھتی ہیں۔

مثال کے طور پر، آیت نمبر 71 راست بازی[1] اور تقویٰ میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے کی اہمیت کو اجاگر

---

[1] راست بازی سے مراد ایمانداری، سچائی، دیانت داری کے ہیں ایسے عمل پر کاربند رہنے والے کو راست باز یعنی سچا، ایماندار اور دیانت دار کہتے ہیں۔

کرتی ہے، جس کا دائرہ تدبیر منزل کے انتظام تک ہے:

"وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ "[1]

"اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا، بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔"

مجموعی طور پر، سورہ توبہ اسلامی نقطہ نظر سے گھریلو نظم ونسق کے اصولوں کے بارے میں قیمتی بصیرت فراہم کرتی ہے، جس میں خاندان اور معاشرے میں ہم آہنگی، عدل، اور راستبازی کو برقرار رکھنے کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ اس سورت میں بیان کردہ رہنمائی پر عمل پیرا ہو کر، افراد تدبیر منزل کے تصور کو اپنی روزمرہ کی زندگیوں میں مؤثر طریقے سے نافذ کرسکتے ہیں، اپنے گھرانوں میں امن، استحکام اور خوشحالی کو فروغ دے سکتے ہیں۔

3. سیاست مدنیہ کے مطالعہ کی اہمیت

قرآن پاک کی روشنی میں سول سیاست کا مطالعہ کرنے کی اہمیت مسلم معاشروں میں موثر حکمرانی، اخلاقی قیادت اور ذمہ دار شہریت کے لیے رہنمائی اور اصول پیش کرنے کی صلاحیت میں مضمر ہے۔ گورننس، انصاف اور سماجی نظم کے بارے میں قرآنی نقطہ نظر کا جائزہ لے کر، یہ مطالعہ قابل قدر بصیرت فراہم کرتا ہے جو پالیسی سازوں، اسکالرز، اور ماہرین کو عصری چیلنجوں سے نمٹنے اور بہترین گورننس کو فروغ دینے میں مطلع کرتا ہے۔

اخلاقی قیادت: یہ مطالعہ عوامی سیاست میں اخلاقی قیادت کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے، انصاف، احتساب اور ذمہ داری کے قرآنی اصولوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ ان اصولوں کو سمجھنے سے ایسے رہنما پیدا کرنے میں مدد مل سکتی ہے جو اپنے حلقوں کی فلاح و بہبود کو ترجیح دیتے ہیں اور فیصلہ سازی کے عمل میں اخلاقی سالمیت کو برقرار رکھتے ہیں۔

سماجی انصاف اور مساوات: قرآنی تعلیمات حکمرانی میں سماجی انصاف اور مساوات کی اہمیت پر زور دیتی ہیں، اس بات کو یقینی بناتی ہیں کہ معاشرے کے تمام افراد کے حقوق اور وقار کا تحفظ ہو۔ ان اصولوں کا مطالعہ کرکے،

---

[1] سورۃ التوبۃ 71:9

پالیسی ساز ایسی پالیسیاں اور اقدامات تیار کر سکتے ہیں جو سماجی و اقتصادی تفاوت کو دور کریں اور شمولیت اور مساوات کو فروغ دیں۔

مشاورتی فیصلہ سازی: قرآن حکمرانی میں شوریٰ (مشاورت) کے تصور کو فروغ دیتا ہے، رہنماؤں کو اپنے حلقوں سے رائے لینے اور بات چیت اور غور وفکر میں مشغول ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس اصول کو سیاسی عمل میں شامل کرنے سے فیصلہ سازی میں زیادہ شفافیت، جوابدہی اور قانونی حیثیت کو فروغ مل سکتا ہے۔

عصری چیلنجوں سے نمٹنا: قرآنی اصولوں کو معاصر چیلنجوں جیسے کہ بدعنوانی، طاقت کے غلط استعمال اور فرقہ واریت کے تناظر میں جانچ کر، یہ مطالعہ اچھی حکمرانی اور سماجی ہم آہنگی کو فروغ دینے کے ممکنہ حل اور حکمت عملیوں کے بارے میں بصیرت فراہم کرتا ہے۔

اخلاقی شہریت کا فروغ: قرآن پاک کی روشنی میں سیاستِ مدنیہ کا مطالعہ افراد کو فعال اور مصروف شہری بننے کی ترغیب دے سکتا ہے جو اخلاقی اقدار کو برقرار رکھتے ہیں، شہری زندگی میں حصہ لیتے ہیں اور اپنی برادریوں کی بہتری میں اپنا حصہ ڈالتے ہیں۔ یہ ایک زیادہ منصفانہ، جامع اور ہم آہنگ معاشرے کی ترقی کا باعث بن سکتا ہے۔

مجموعی طور پر، اس مطالعہ کی اہمیت قرآن پاک کے اصولوں پر مبنی اخلاقی حکمرانی، سماجی انصاف، اور ذمہ دار شہریت کو فروغ دینے کی کوششوں کو مطلع کرنے اور ان کی حوصلہ افزائی کرنے کی صلاحیت میں مضمر ہے۔ قرآنی تعلیمات کو سیاسی گفتگو اور فیصلہ سازی کے عمل میں ضم کرکے، پالیسی ساز اور رہنما ایسے معاشروں کی تعمیر کے لیے کام کر سکتے ہیں جو اسلام میں قائم انصاف، ہمدردی اور یکجہتی کی اقدار کی عکاسی کرتے ہوں۔

حکمرانی اور قیادت پر قرآنی تناظر

قرآن پاک حکمرانی کی نوعیت اور موثر قیادت کی خوبیوں کے بارے میں گہری بصیرت پیش کرتا ہے۔ قرآنی تعلیمات حکمرانی میں انصاف، ہمدردی اور جوابدہی کی اہمیت پر زور دیتی ہیں۔ راہنماؤں سے کہا جاتا ہے کہ وہ خدا کی تخلیق کے ذمہ داروں کے طور پر خدمت کریں، جنہیں اپنی برادریوں کی فلاح وبہبود اور خوشحالی کو فروغ دینے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ قرآنی حکایات موسیٰ، داؤد اور سلیمان جیسے انبیاء کی مثالی قیادت کو اجاگر کرتی ہیں جنہوں نے حکمت، دیانت اور راستبازی کے ساتھ حکومت کی۔

انصاف، مساوات اور احتساب کے اصول

حکمرانی کے بارے میں قرآنی تعلیمات کے مرکز میں انصاف ہے۔ قرآن بار بار مومنوں کو سیاسی معاملات

سمیت زندگی کے تمام پہلوؤں میں عدل، انصاف اور مساوات کو برقرار رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ رہنماؤں کو یہ یقینی بنانے کا کام سونپا جاتا ہے کہ تمام افراد کے حقوق کا تحفظ کیا جائے اور انصاف کا انتظام غیر جانبداری سے کیا جائے۔ مزید برآں، قرآنی اصول حکمرانی میں احتساب اور شفافیت کی اہمیت پر زور دیتے ہیں، قائدین کو خدا اور ان کے اجزاء کے سامنے ان کے اعمال اور فیصلوں کے لیے ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔ انصاف، مساوات اور جوابدہی کا یہ ڈھانچہ قرآن پاک میں سیاستِ مدنیہ کے سنگ بنیاد کے طور پر کام کرتا ہے، اخلاقی حکمرانی اور ذمہ دار شہریت کے حصول میں مومنین کی رہنمائی کرتا ہے۔

اسلام میں سیاستِ مدنیہ کی اخلاقی بنیادیں

اخلاقی قیادت اور عوامی خدمت

سول سیاست میں اخلاقی قیادت دیانتداری، عاجزی اور جوابدہی کے ساتھ عوام کی بھلائی کے عزم پر محیط ہے۔ اسلامی تعلیمات میں رہنمائی کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے جو اخلاقی اقدار جیسے ایمانداری، انصاف اور ہمدردی کو اپنے حلقوں کے ساتھ تعامل میں برقرار رکھتے ہیں۔ قائدین کو ان لوگوں کے مفادات کی خدمت کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے جن پر وہ حکومت کرتے ہیں، ان کی فلاح و بہبود کو ذاتی فائدے یا عزائم پر ترجیح دیتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عاجزی، ایمانداری اور کمیونٹی کی خدمت کے لیے لگن کے ذریعے اخلاقی قیادت کی مثال پیش کی، قائدین کے لیے ایک لازوال مثال قائم کی۔

گورننس میں اخلاقی اقدار اور اصول

اسلامی طرز حکمرانی کی رہنمائی قرآن و سنت میں موجود اخلاقی اقدار اور اصولوں سے ہوتی ہے۔ ان میں انصاف، مساوات، مشاورت (شوریٰ) اور انسانی حقوق کے تحفظ کے اصول شامل ہیں۔ قرآنی تعلیمات معاشرے میں انصاف کے قیام کی اہمیت پر زور دیتی ہیں، اس بات کو یقینی بناتی ہیں کہ قوانین اور پالیسیاں تمام شہریوں کے لیے منصفانہ اور مساوی ہوں۔ رہنماؤں سے کہا جاتا ہے کہ وہ دانشمندی اور ہمدردی کے ساتھ حکومت کریں، اپنے حلقوں کی فلاح و بہبود اور سماجی ہم آہنگی اور ہم آہنگی کو فروغ دیں۔ مزید برآں، اسلامی طرز حکمرانی مشاورت اور شراکتی فیصلہ سازی کو فروغ دیتی ہے، جس سے کمیونٹی کے اندر متنوع آوازوں کی ان پٹ اور نمائندگی کی اجازت ملتی ہے۔

شہریوں کے حقوق اور وقار کو برقرار رکھنا

اسلام میں سیاستِ مدنیہ کی اخلاقی بنیادوں کا مرکز شہریوں کے حقوق اور وقار کی پہچان اور تحفظ ہے۔ اسلامی

تعلیمات ہر فرد کی فطری قدر اور وقار پر زور دیتی ہیں، قطع نظر اس کے پس منظر، نسل یا سماجی حیثیت سے۔ رہنماؤں کو شہریوں کے حقوق کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے، بشمول ان کی زندگی، آزادی، جائیداد اور مذہبی آزادی کے حقوق۔ انسانی وقار کو برقرار رکھنے کے لیے رہنماؤں کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ سماجی ناانصافیوں کو دور کریں، امتیازی سلوک کا مقابلہ کریں، اور معاشرے کے تمام اراکین کے لیے شمولیت اور مساوات کو فروغ دیں۔ شہریوں کے حقوق اور وقار کو ترجیح دیتے ہوئے، اسلامی طرز حکمرانی کمیونٹی کے اندر احترام، رواداری اور باہمی افہام و تفہیم کے کلچر کو فروغ دیتی ہے۔

سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبہ کی روشنی میں سیاستِ مدنیہ کے مطالعہ کی اہمیت

سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبہ قرآن کے دو ابواب ہیں جو اسلام میں سیاستِ مدنیہ کے اصولوں کے بارے میں گہری بصیرت فراہم کرتے ہیں۔ یہ ابواب حکمرانی، قیادت، انصاف، اور سماجی نظم کے مختلف پہلوؤں پر توجہ دیتے ہیں، جو افراد اور معاشروں کے لیے اخلاقی اور منصفانہ سیاسی نظام قائم کرنے اور برقرار رکھنے کے بارے میں رہنمائی پیش کرتے ہیں۔ ان ابواب کی روشنی میں سول سیاست کا مطالعہ گورننس اور قیادت کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر اور عصری معاشروں پر اس کے اثرات کو سمجھنے کے لیے بہت ضروری ہے۔

سورۃ المائدۃ حکومت میں انصاف، مساوات اور احتساب کی اہمیت پر زور دیتی ہے۔ اس باب میں ایسی آیات ہیں جو مشکل حالات میں بھی انصاف کو برقرار رکھنے کی ضرورت کو اجاگر کرتی ہیں اور رہنماؤں کو ان کی ذمہ داری کی یاد دلاتی ہیں کہ وہ انصاف اور دیانت کے ساتھ حکومت کریں۔ مثال کے طور پر، آیت 5:8 کہتی ہے، "اے ایمان والو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔" یہ آیت کسی کے ذاتی مفادات یا وابستگیوں سے قطع نظر سب کے لیے انصاف کو یقینی بنانے کی اخلاقی ضرورت پر زور دیتی ہے۔

اسی طرح، سورۃ التوبہ حکمرانی، قیادت، اور ایک منصفانہ سماجی نظام کے قیام سے متعلق مسائل کو حل کرتی ہے۔ اس باب میں ایسی آیات ہیں جو فیصلہ سازی کے عمل میں مشاورت (شوریٰ) کی اہمیت پر زور دیتی ہیں اور رہنماؤں کو حکمت اور ہمدردی کے ساتھ حکومت کرنے کی ضرورت پر زور دیتی ہیں۔ یہ سورۃ مومنین کی اجتماعی ذمہ داری کو اجاگر کرتی ہے کہ معاشرے میں راستبازی اور انصاف کو فروغ دیں، اخلاقی اقدار اور اصولوں کو برقرار رکھنے کے لیے مل کر کام کریں۔

سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبہ کی روشنی میں سیاستِ مدنیہ کا مطالعہ افراد کو اسلامی طرز حکمرانی کی اخلاقی

بنیادوں اور انصاف، مساوات اور احتساب کو فروغ دینے میں قائدین کے کردار کے بارے میں گہرا فہم حاصل کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ یہ قیمتی بصیرت فراہم کرتا ہے کہ اسلامی اصولوں کو عصری سیاسی سیاق وسباق پر کس طرح لاگو کیا جاسکتا ہے، پالیسی سازوں، کارکنوں اور شہریوں کو ایسے معاشروں کی تعمیر کے لیے ان کی کوششوں میں رہنمائی کرتا ہے جو انصاف، ہمدردی، اور جامعیت کی اقدار کی عکاسی کرتے ہیں جو قرآن کے ذریعے برقرار ہیں۔

خلاصہ باب

باب اول تعارف موضوع، تفاسیر، مفسرین کا اجمالی تعارف، تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدینہ کا تعارف اور تاریخی پس منظر پر مشتمل ہے۔ یہ باب تین فصول پر مشتمل ہے۔

فصل اول تفسیر فی ظلال القرآن، تفہیم القرآن، ہدایت القرآن اور تبیان القرآن کا اجمالی منہج واسلوب اور مفسرین کے تعارف اور علمی خدمات پر مشتمل ہے۔ اس میں چاروں مذکورہ تفاسیر (فی ظلال القرآن، تفہیم القرآن، ہدایت القرآن اور تبیان القرآن) کے مفسرین کے حالاتِ زندگی، نام ونسب، تعلیم وتربیت، حیات وخدمات، وفات ان کی تفاسیر کا تعارف، سبب تالیف منہج وخصوصیات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

فصل دوم فلسفہ عملی کی تین اقسام تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدینہ کے عناوین کا تعارف اور تاریخی جائزے پر مشتمل ہے اس میں تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل مثلاً تدبیر منزل کے تقاضے اس کی اقسام، اور اس کی خرابیوں کے تدارک پر بحث کی گئی ہے۔ اسی طرح سیاست مدینہ، سرابرہ مملکت کی ضرورت، سربراہ مملکت کے ضروری اوصاف، نظام مملکت میں خلل ڈالنے والی چیزیں اور ملک کی حفاظت کے لیے ضروری انتظامات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

فصل سوم قرآن مجید میں مذکورہ عنوانات (تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدینہ) کا عمومی مطالعہ اور سورۃ المائدۃ سورۃ التوبہ میں خصوصی مطالعہ کی اہمیت پر مشتمل ہے۔ اس فصل میں تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدینہ کے مطالعہ کی اہمیت قرآن کریم کی روشنی میں عمومی جائزہ اور مذکورہ دو سورتوں (سورۃ المائدۃ و سورۃ التوبہ) کی روشنی میں خصوصی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

باب دوم: تبیان القرآن اور ہدایت القرآن کے مشمولات کی روشنی میں سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبۃ میں مذکور تین عنوانات کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ

فصل اول: تبیان القرآن اور ہدایت القرآن میں تہذیب الاخلاق کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ

فصل دوم: تبیان القرآن اور ہدایت القرآن میں تدبیر منزل کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ

فصل سوم: تبیان القرآن اور ہدایت القرآن میں سیاست مدنیہ کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ

خلاصہ باب

فصل اول: تبیان القرآن اور ہدایت القرآن میں تہذیب الاخلاق کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ

قرآن، اسلامی تعلیمات کا مقدس مبلغ اور رہنمائی فراہم کنندہ ہے جو انسانی حیات کے ہر پہلو کو روشن کرتا ہے۔اس کے تفاسیر میں دو مشہور تفاسیر، "تفسیر تبیان القرآن" اور "تفسیر ہدایت القرآن"، علمی روشنیوں کے ساتھ اخلاقی اصولوں اور آموزشوں کو بیان کرتی ہیں جو انسانیت کو رہنمائی اور ہدایت کا نور فراہم کرتی ہیں۔ یہ فصل ان دو تفاسیر میں تہذیب الاخلاق کے اصولوں کے اطلاق و تطبیق کے علمی مطالعے پر مبنی ہے۔تہذیب الاخلاق وہ فن ہے جو اخلاقی اصولوں کو سمجھنے، ان کے اطلاقات کو جاننے، اور ان کو اپنی زندگی میں عملی شکل دینے میں مدد فراہم کرتا ہے۔

سورۃ المائدۃ میں تہذیب الاخلاق کے دس احکام بیان ہوئے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

1. ایفائے عہد (سورۃ المائدۃ 1)
2. صبر (سورۃ المائدۃ 2)
3. اللہ کے عہد و میثاق کا معنی (سورۃ المائدۃ 7)
4. جھوٹ اور جھوٹی گواہی (سورۃ المائدۃ 8)
5. یہود کی عہد و پیمان کا حال (سورۃ المائدۃ 12-13)
6. عیسائیوں کے عہد و پیمان کا حال (سورۃ المائدۃ 14)
7. اخلاص اور حسد (سورۃ المائدۃ 27)
8. معافی (سورۃ المائدۃ 45)
9. سخاوت اور بخل (سورۃ المائدۃ 64)
10. نفرت کا سبب (سورۃ المائدۃ 64)

سورۃ التوبۃ میں تہذیب الاخلاق کے متعلق سات احکام درج ذیل ہیں:

1. مشرکین کی طرف سے معاہدہ حدیبیہ کی عہد شکنی (سورۃ التوبۃ 1-2)
2. خطا پر تنبیہ کا لطیف پیرایہ (سورۃ التوبۃ 43)
3. توکل (سورۃ التوبۃ 51)
4. زکوۃ کی حکمتیں اور مصلحتیں (سورۃ التوبۃ 60)
5. حیا اور کریم النفسی (سورۃ التوبۃ 61)

6. صدقہ کی ترغیب (سورۃ التوبۃ103)

7. ریاکاری اور نام ونمود (سورۃ التوبۃ107)

پہلا حکم: ایفائے عہد

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ"[1]

" اے ایمان والو! معاہدوں کو پورا کرو۔ تمہارے لیے وہ چوپائے حلال کردیے گئے ہیں جو مویشیوں میں داخل (یا ان کے مشابہ) ہوں۔ سوائے ان کے جن کے بارے میں تمہیں پڑھ کر سنایا جائے گا بشرطیکہ جب تم احرام کی حالت میں ہو اس وقت شکار کو حلال نہ سمجھو۔ اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس کا حکم دیتا ہے۔"

تفسیر تبیان القرآن

عقود عقد کی جمع ہے۔ عقد کا معنی ہے کسی چیز کی پختگی اور مضبوطی کے ساتھ دوسری چیز کے ساتھ واصل کرنا یا ایک چیز کی دوسری چیز کے ساتھ گرہ باندھنا۔ عہد کا معنی ہے کسی چیز کو لازم کرنا اور عقد کا معنی ہے پختگی کے ساتھ کسی چیز کا التزام کرنا یعنی اس لزوم کا ماننا اور عقود سے مراد عہود ہیں جو اللہ تعالیٰ اور بندو کے درمیان کیے گئے یا وہ عہود ہیں جو بندوں نے آپس میں عقد بیع اور عقد نکاح وغیرہ کے ساتھ کئے یا جو لوگ ایک دوسرے کا ساتھ دینے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کے عہد کیے یا جس چیز پر حلف اٹھا کر عہد کیا۔

اس آیت میں عقود سے کیا مراد ہے؟ علامہ غلام رسول سعیدی نے اس کے متعلق کئی مفسرین کے اقوال نقل کئے ہیں:

i. امام ابن جریرؒ[2] اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالی نے اپنے بندوں سے یہ عقد کیا ہے کہ وہ اس پر ایمان لائیں، اس کی اطاعت کریں، جن چیزوں کو اس نے حلال کیا ہے،

---

[1] سورۃ المائدۃ01:05

[2] ابن جریر طبری کا نام محمد ہے۔ ابو جعفر کنیت ہے۔ طبرستان کے علاقہ آمل میں 224 ہجری کو پیدا ہوئے۔ مایہ ناز مفسر اور مؤرخ ہے۔ قاضی بننے کی پیشکش کی لیکن ٹکرادی۔ کئی ضخیم کتابیں تصنیف کی جیسے اخبار الرسل والملوک المعروف بتاریخ الطبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن المعروف بتفسیر الطبری، اختلاف الفقہاء، المسترشد، جزء الاعتقاد، القرآءات کافی مشہور ہیں، 310 ہجری کو وفات ہوئی۔ طبقات المفسرین، 1/95

ان کو حلال قرار دیں اور جن کو اس نے حرام کیا ہے ان کو حرام قرار دیں۔

ii. ابن زیدؒ[1] اور زید بن اسلمؒ[2] نے کہا اس سے مراد وہ عقد اور عہد ہیں جو لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں۔ مثلاً قسم کھا کر معاہدہ کرنا، عقد نکاح اور عقد بیع وغیرہ۔

iii. مجاہدؒ[3] نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد وہ عقود ہیں جو زمانہ جاہلیت میں لوگ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لیے کرتے تھے۔

iv. قتادہؒ[4] نے بیان کیا ہے: "اس سے مراد وہ عقود ہیں جو اللہ تعالی نے اہل کتاب سے تورات اور انجیل میں لیے تصدیق کریں گے اور آپ کی کتاب پر ایمان لائیں گے۔ [5]

---

[1] امام مبرد کا پورا نام ابو العباس محمد بن یزید بن عبد الاکبر ہے جو کہ مبرد سے مشہور ہے۔10 ذی الحجہ 210ھ کو پیدا ہوئے۔ علم النحو کے جید ائمہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ بصرہ میں علوم حاصل کیے۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف کی جن میں الکامل فی اللغۃ والادب، الفاضل، المقتضب، شرح لامیۃ العرب وغیرہ معروف ومشہور ہیں۔ فروخ، عمر، تاریخ الادب العربی (بیروت دار العلم للملایین) ص:354

[2] زید بن اسلم عدوی مدنی، ابو اسامہ یا ابو عبد اللہ ان کی کنیت تھی۔ عمر ابن الخطاب کے غلام تھے، جو قرآن پاک، حدیث اور فقہ کے بلند پایہ عالم تھے۔ مسجد نبوی میں درس حدیث دیا کرتے تھے۔ آپ کی شخصیت بڑی بارعب تھی۔ درس حدیث کے دوران کسی کو بولنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ جن کے اقوال تفسیر میں معتبر سمجھے جاتے تھے ۔ابن حجر، تہذیب التہذیب، ج:2، ص:395

[3] مجاہد بن جبیر، ابو الحجاج مکی جلیل القدر تابعین میں سے ہے۔21ھ میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ بنو مخزوم کے مولیٰ تھے۔ اہل مکہ کے مفسر تھے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہے کہ شیخ القراء والمفسرین ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تین مرتبہ تفسیر پڑھا ہے۔ ہر آیت پر رک کر پوچھتے تھے کہ یہ آیت کس واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے؟ اور اس کی تفصیل کیا ہے؟104ھ کو وفات پائی۔ الاعلام، 5:278۔ محمد بن احمد ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (بیروت: دار الکتب العلمیہ، الطبعۃ الاولیٰ، 1998ء) ج1، ص80

[4] قتادہؒ کا نام قتادہ بن دعامہ سدوسی البصری ہے۔ آپ سن ٦١ ہجری میں نابینا پیدا ہوئے۔ طلب علم میں ان تھک کوششیں کیں۔ آپ کا حافظہ بہت ہی قوی تھا' یہاں تک کہ خود اپنے بارے میں کہتے ہیں: "میں نے کبھی محدث سے یہ نہیں کہا کہ: "اس حدیث کو میری خاطر دہرا دیجیے اور نہ ہی کبھی میرے کانوں نے کوئی بات سنی، مگر دل نے اس کو یاد کر لیا"۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا ذکر بہت اچھے الفاظ و انداز میں کیا ہے۔ اور وہ آپ کا علم' فقہ اور معرفت بالاختلاف' اور تفسیر نشر کرنے میں لگ گئے۔ اور آپ کو حافظ اور فقیہ کے القاب سے موصوف کیا ہے۔ اور فرمایا: "آپ اہل بصرہ میں سب سے قوی حافظہ والے تھے۔ کوئی بھی چیز نہیں سنتے تھے' مگر اسے حفظ کر لیتے تھے۔ آپ کا انتقال سن 117 ہجری میں 56 سال کی عمر میں واسط میں ہوا۔ ابو العباس احمد بن محمد، ابن خلکان، وفیات الاعیان (بیروت: دار صادر، طبع سابع، 1994ء) ج:4، ص:85

[5] طبری، محمد بن جریر بن یزید، جامع البیان فی تاویل آی القرآن (بیروت: دار الفکر، 1415ھ) ج:6، ص:64-66

اس کے بعد علامہ غلام سعیدی نے عقود کی تین اقسام بیان کی ہے:

i. اللہ اور بندہ کے درمیان عقد

ii. بندہ اور اس کے نفس کے درمیان عقد

iii. ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ عقد

اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

جو عقد اللہ اور بندہ کے درمیان ہے اس کا موجب عقل ہے یا شرع ہے۔ عقل سے مراد یا تو بداہت عقل ہے کیونکہ انسان کی عقل میں اللہ تعالی نے ایسا نور رکھا ہے جس سے انسان اپنے خالق کی معرفت حاصل کرلیتا ہے اور یا عقل سے مراد یہ ہے کہ انسان مخلوق میں غور و فکر کرے تو ہر چیز کا ایک نظم اور ضبط کے ساتھ کام کرنا اور نظام کائنات میں کسی فرق اور رخنہ کا واقع نہ ہونا۔زبان حال سے یہ کہنا ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے اور وہ خالق احدہ لا شریک ہے اور یا اس عقد کا موجب شرع ہے اور شرع سے مراد کتاب اور سنت ہے۔سو کتاب اور ملت میں اللہ تعالی کے جو احکام بیان کیے گئے ہیں، بندہ ایمان لانے کے بعد ان سب پر عمل کرنے کا اللہ سے عقد کرلیتا ہے۔

جو عقد بندہ اور اس کے نفس کے درمیان ہے اس سے مراد ہے بندہ کا نذر مان لینا۔اگر وہ کسی عبادت کی اور کار خیر کی نذر مان لیتا ہے تو اس کو پورا کرنا واجب ہے، اگر وہ کسی مباح کام کو ترک کرنے کی قسم کھاتا ہے، مثلا یہ کہ وہ اونٹ کا گوشت یا شہد نہیں کھائے گا تو اس قسم کو پورا کرنا مستحب ہے۔اور اس کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرنا بھی جائز ہے۔اگر وہ کسی معصیت کی یا کسی عبادت کو ترک کرنے کی قسم کھاتا ہے تو اس قسم کو پورا کرنا حرام ہے اور اس کو توڑنا واجب ہے۔

جو عقد ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان ہوتا ہے، جیسے عقد بیع، عقد نکاح وغیرہ۔ان کا حکم معقود علیہ کے اعتبار سے ہے، جس چیز پر عقد کیا ہے اگر وہ واجب ہے تو عقد واجب ہے، مثلاً غلبہ شہوت کے وقت نکاح واجب ہے تو یہ عقد واجب ہے۔اگر وہ سنت ہے تو عقد سنت ہے، جیسے عام حالات میں عقد نکاح۔اگر وہ جائز ہے تو عقد جائز ہے، جیسے بیع شراء۔اگر وہ مکروہ ہے تو عقد مکروہ ہے، جیسے نبیذ کی بیع۔اگر وہ حرام ہے تو عقد حرام ہے، جیسے خمر اور خنزیر کی بیع ہے۔اس طرح عقد اجارہ کی اقسام ہیں۔[1]

تفسیر ہدایت القرآن

---

[1] سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن، ج:3، ص:34

سورۃ کی پہلی آیت نہایت اہم ہے، ایک ضابطہ کلیہ سے شروع ہوئی ہے: "جو معاہدہ کیاجائے اسے پورا کیاجائے"۔ عقود: عقد کی جمع ہے، عقد کے معنی ہیں: "باندھنا"، ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ گرہ لگا کر مضبوط باندھا، اس کا ترجمہ عہد وپیمان اور قول واقرار کیا جاتا ہے، اس میں تمام تکالیفِ شرعیہ اور احکامِ دینیہ آجاتے ہیں جن کی تعمیل بندوں کے لیے ضروری ہے، نیز امانات اور معاملات کے جملہ عہد وپیمان بھی اس میں شامل ہیں، جن کا پورا کرنا شرعاً اور اخلاقاً ضروری ہے۔ اور اس کو ایک مثال سے مزید واضح کیاہے کہ لوگ جانور پالتے ہیں، ان کے ساتھ اچھا برتاو کرنا مامور بہ ہے، گھاس پانی کا خیال رکھنا ضروری ہے، نبی ﷺ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے جس کی پیٹھ (بھوک کی وجہ سے اس کے پیٹ سے مل گئی تھی، پس آپ ﷺ نے فرمایا: "اتقوا اللہ فی ھٰذہ البھائم المعجمة فارکبوھا صالحة واترکوھا صالحة"[1] ترجمہ: ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان پر ٹھیک طرح سواری کرو، اور ان کو ٹھیک طرح (چرنے کے لیے) چھوڑو![2]

اطلاق وتطبیق

سورۃ المائدۃ کے شروع میں ایفائے عہد کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ دونوں مفسرین نے پہلے تو لفظِ عقود کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق کی ہیں اور پھر عقود کی مکمل وضاحت کرتے ہوئے اس کا مصداق بیان کیاہیں۔

علامہ غلام رسول سعیدی نے ائمہ مفسرین کے حوالے سے عقد کے چار مصداق بیان کئے ہیں: ایمان، ایک دوسرے کے ساتھ کئے گئے عقود، زمانہ جاہلیت کے عقوداور اہل کتاب سے لیے گیے عقود۔ اس کے بعد عقود کی تین اقسام بنائی ہیں اور ان پر سیر حاصل بحث کیاہے۔ اس کے علاوہ علامہ غلام رسول سعیدی ہر مسئلہ کے متعلق احادیث، آثارِ صحابہ، اقوال ائمہ ومفسرین اور آراء فقہاء تفصیل کے ساتھ نقل کرتے ہیں جب کہ علامہ سعیدی احمد پالن پوری اختصار سے کام لیتے ہیں۔ علامہ سعید احمد پالن پوری نے اختصار اور جامعیت سے کام لیتے ہوئے عقد کا مصداق تمام تکالیف شرعیہ اور احکام دینیہ کو قرار دیاہے۔

دوسرا حکم: صبر

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا[3]

---

[1] ابوداود، سنن ابی داود، کتاب الجہاد، باب مایؤمر بہ من القیام علی الدواب والبھائم، حدیث نمبر: 2548 یہ حدیث صحیح ہے۔ (البانی)

[2] پالن پوری، سعید احمد، ہدایت القرآن (دیوبند: مکتبہ حجاز،)ج:2، ص:210

[3] سورۃ المائدۃ 02:05

"ور کسی قوم کے ساتھ تمہاری یہ دشمنی کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم (ان پر) زیادتی کرنے لگو۔

تبیان القرآن

شنأٰن کے معنی بغض ہیں اور آیت کا معنی یہ ہے کہ کسی قوم کے ساتھ تمہارا بغض تمہیں اس کے ساتھ زیادتی پر نہ ابھارے یعنی جس طرح مشرکین نے تمہیں عمرہ کے لیے مسجدِ حرام میں جانے سے روک دیا تھا، اسی طرح تم ان کو مسجد حرام میں جانے سے نہ روکنا۔ اس خاص صورت کے علاوہ یہ حکم عام ہے اور کسی قوم کے ساتھ عداوت رکھنے کی وجہ سے اس کے ساتھ زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔[1]

ہدایت القرآن

حجاج اور متعمرین مقامی لوگوں کے ساتھ زیادتی نہ کریں، جو لوگ حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور خوشنودی کے طالب بن کر مکہ مکرمہ جارہے ہیں ان کو شعائر اللہ میں داخل کیا ہے، پس وہ لوگ مکہ مکرمہ پہنچ کر اس بات کا خیال رکھیں کہ وہ مقالی لوگوں کے ساتھ زیادتی نہ کریں۔ مالک مکان کے ساتھ یا ڈرائیور کے ساتھ نہ الجھیں، صبر سے کام لیں سورۃ البقرۃ میں ہے: "وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ"[2] حج میں کسی سے جھگڑتے ہوئے کبھی آدمی آپے باہر ہو جاتا ہے اور زیادتی ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد سعید احمد پالن پوریؒ نے اس آیت کا شان نزول ذکر کیا ہے کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے بعد عمرہ قضا سے پہلے نازل ہوئی ہے، مکہ والوں نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا، اس وجہ سے مسلمان بپھرے ہوئے تھے، اندیشہ تھا کہ جب عمرہ قضا کے لیے جائیں گے تو مکہ والوں کے ساتھ ترکی بہ ترکی معاملہ کریں گے، پس یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو ہدایت دی کہ وہ مقالی لوگوں کے ساتھ جواباً بھی زیادتی نہ کریں۔ وہ یاد رکھیں کہ وہ اللہ کا فضل و کرم اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے گئے ہیں، اگر وہ مقامی لوگوں کے ساتھ بد معاملگی کریں گے تو وہ مجرم سمجھے جائیں گے، جب کہ حجاج اور معتمرین کو گناہ سے بچنا چاہیے۔[3]

---

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ج:5، ص:48

[2] سورۃ البقرۃ 197:02

[3] پالن پوری، سعید احمد، ہدایت القرآن، ج:2، ص:218-219

اطلاق وتطبیق

مذکورہ بالا آیت میں مسلمانوں کو صبر کی تلقین کی گئی ہے۔ علامہ غلام رسول سعیدی نے اس آیت کا مصداق عمرہ سے روکنے والے واقعہ کو قرار دیا ہے کہ جس طرح انہوں نے ظلم وجبر کا ارتکاب کیا تھا تم اس طرح نہ کرنا بلکہ صبر سے کام لینا۔

علاوہ سعید احمد پالن پوری نے پہلے آیت کا عمومی حکم بیان کیا ہے کہ اس کا تعلق ہر حاجی کے ساتھ ہے کہ وہاں جاکر صبر سے کام لے اور اپنے آپ پر قابو رکھے کسی سے لڑائی جھگڑا نہ کرے اور اس کے بعد شان نزول بیان کیا ہے جس کی طرف علامہ غلام رسول سعیدی نے اشارہ کیا ہے۔

تیسرا حکم اللہ کے عہد ومیثاق کا معنی

"وَ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَاوَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ"[1]

"اللہ نے تم پر جو انعام فرمایا ہے اسے اور اس عہد کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا تھا۔ جب تم نے کہا تھا کہ: ہم نے (اللہ کے احکام کو) اچھی طرح سن لیا ہے، اور اطاعت قبول کرلی ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ یقیناً سینوں کے بھید سے پوری طرح باخبر ہے۔"

تبیان القرآن

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانوں اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم کو عطا فرمائی ہے کہ اس نے تم کو اسلام کی ہدایت دی اور اس عہد کو یاد کرو جو اس نے تم سے لیا تھا۔ جب تم نے رسول اللہ ہی سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ تمہیں خوشی ہو یا رنج، سہولت ہو یا تنگی، ہر حال میں تم اللہ کے احکام سن کے کر قبول کروگے اور اس کی اطاعت کروگے اور تم نے یہ کہا تھا کہ آپ ہمیں جس چیز کا حکم دیں گے ہم اس کو بجالائیں گے اور جس کام سے منع کریں گے اس سے باز رہیں گے اور تم پر یہ بھی اللہ کا انعام تھا کہ تم نے یہ عہد کیا ہو اے مسلمانو! تم اپنے اس محمد کو پورا کرو تا کہ اللہ تعالی تمہیں آخرت میں دائمی نعمتیں عطا فرمائے۔ تم اس عہد کو توڑنے یا پورا نہ کرنے کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو ایسا نہ کرتا کہ زبان سے اطاعت کا اقرار کرد اور ان میں اس کے خلاف ہو اور اپنے ظاہر اور باطن میں اس عہد

---

[1] سورۃ المائدۃ 07:05

کی خلاف ورزی کرنے سے اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ تعالی تمہارے دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔[1]

ہدایت القرآن

مولانا سعید احمد پالن پوریؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: گذشتہ آیت میں اعذار کی صورت میں تیمم کی اجازت کو مسلمانوں پر اللہ کا ایک احسان قرار دیا تھا، اب اور احسان کا ذکر فرماتے ہیں، اور وہ دولتِ ایمان ہے، یہ اللہ کا مسلمانوں پر بڑا انعام واحسان ہے، دنیا میں دو تہائی انسان اس نعمت سے محروم ہیں، وہ کچھ بے عقل نہیں، فرزانے ہیں، آسمان زمین کے قلابے ملاتے ہیں، اور چاند پر کمندیں پھینکتے ہیں، مگر اپنے خالق و مالک کو نہیں پہچانتے، اور مسلمانوں کو یہ دولت خاص محنت کے بغیر مل گئی، اس لئے ان کو یاد کرنے کا حکم دیا یعنی اس کا شکر بجالانا چاہئے، اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہئے۔ پھر جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے سنا اور مانا، ان سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ان کو سزا نہیں دیں گے۔ حدیث میں ہے نبی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: جانتے ہو بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ اور اللہ تعالی پر بندوں کا کیا حق ہے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں، اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں، اور بندوں کا اللہ تعالی پر حق یہ ہے کہ وہ اس شخص کو سزا نہ دیں جو ان کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔[2] پھر آخر میں تنبیہ کی ہے کہ جب ایمان لائے ہو تو اس کے تقاضوں کو پورا کرو، دل میں خلاف ورزی کا خیال بھی مت لاؤ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں سے بھی واقف ہیں۔[3]

اطلاق و تطبیق

سورۃ المائدۃ کے مذکورہ آیت میں بھی عہد ومیثاق کی یاد دہانی کرائی گئی ہے۔ جس پر علامہ غلام رسول سعیدی نے اس آیت میں عہد ومیثاق سے اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اطاعت پر لیا ہوا میثاق مراد لیاہے۔ علامہ سعید احمد پالن پوری نے بھی اس عہد کا مصداق احکامِ شریعت کی پابندی کو ٹھہرایا ہے اور اس کی تائید کے لیے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی نقل کی ہے۔

---

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:116

[2] بخاری، صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب من جاھد نفسہ فی طاعۃ اللہ، حدیث نمبر:6500

[3] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:236-237

چوتھا حکم: جھوٹ اور جھوٹی گواہی

اِعۡدِلُوۡاهُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی"[1]

"انصاف سے کام لو، یہی طریقہ تقوی سے قریب تر ہے۔"

تبیان القرآن

تبیان القرآن میں مفتی محمد شفیعؒ کے تفسیر سے اقتباس نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"آخر میں ایک اور اہم بات بھی یہاں جاناضروری ہے۔ وہ یہ کہ لفظ شہادت اور گواہی کا جو مفہوم آج کل عرف میں مشہور ہو گیا ہے وہ تو صرف مقدمات و خصومات میں کسی حاکم کے سامنے گواہی دینے کے لیے مخصوص سمجھا جاتا ہے۔ مگر قرآن وسنت کی اصطلاح میں لفظ شہادت اس سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ مثلاً کسی بیمار کو ڈاکٹری سرٹیفکیٹ دینا کہ یہ ڈیوٹی ادا کرنے کے قابل نہیں یا نوکری کرنے کے قابل نہیں یہ بھی ایک شہادت ہے۔ اگر اس میں واقعہ کے خلاف لکھا گیا تو وہ جھوٹی شہادت ہو کر گناہ کبیرہ ہو گیا۔ اسی طرح امتحانات میں طلباء کے پرچوں پر نمبر لگانا بھی ایک شہادت ہے۔ اگر جان بوجھ کر یا بے پروائی سے نمبروں میں کمی بیشی کر دی تو وہ بھی جھوٹی شہادت ہے اور حرام اور سخت گناہ ہے۔"[2]

پھر اپنی رائے پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اگر کوئی ڈاکٹر کسی صحت مند شخص کو کسی تعلق کی بناپر یا رشوت لے کر بیماری کا سرٹیفکیٹ دے دیتا ہے تو اس کے سر پر ایک گناہ تو رشوت لینے کا ہے اور اپنے منصب سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا گناہ ہے۔ اور دوسرا گناہ اس کا جھوٹ ہے اور جھوٹ گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹوں پر لعنت فرمائی ہے:

اگر کوئی ممتحن کسی طالب علم کے پرچہ میں رشوت لے کر یا سفارش یا تعلق کی بناپر زیادہ نمبر لگاتا ہے یا دشنی اور عداوت کی بناپر اس کے نمبر کم لگاتا ہے تو یہ ظلم ہے کیونکہ ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا۔[3]

یہ تفصیل ہدایت القرآن میں نہیں ہے۔

---

[1] سورۃ المائدۃ 08:02

[2] عثمانی، محمد شفیع، معارف القرآن (کراچی: ادارۃ المعارف) ج:2، ص:70-71

[3] جرجانی، کتاب التعریفات، ص:62- سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:117-118

پانچواں حکم: یہود کے عہد وپیمان کا حال

" وَ لَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا وَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ"[1]

"اور یقیناً اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا، اور ہم نے ان میں سے بارہ نگران مقرر کیے تھے اور اللہ نے کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی، میرے پیغمبروں پر ایمان لائے، عزت سے ان کا ساتھ دیا اور اللہ کو اچھا قرض دیا تو یقین جانو کہ میں تمہاری برائیوں کا کفارہ کردوں گا، اور تمہیں ان باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، پھر اس کے بعد بھی تم میں سے جو شخص کفر اختیار کرے گا تو درحقیقت وہ سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا۔"

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی نے بنی اسرائیل کی عہد شکنی امام فخر الدین رازیؒ کے حوالے سے لکھی ہے، وہ لکھتے ہیں:[2]

"حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان بارہ نقیبوں سے یہ عہد اور میثاق لیا تھا کہ وہ جبابرہ کے جو بہت بڑے بڑے جسم دیکھ کر آئے تھے اس کی بنی اسرائیل کو خبر نہ دیں، لیکن انہوں نے ان کو یہ خبر دے دی اور یہی ان کا عہد توڑنا تھا۔"[3]

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی کے لکھتے ہیں:

"ابو العالیہ نے کہا اللہ تعالی نے ان سے یہ میثاق لیا تھا کہ وہ اس کی اخلاص کے ساتھ عبادت کریں اور اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں اور مقابل نے کہا ان سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ تورات کے

---

[1] سورۃ المائدۃ 05:12-13

[2] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:127-128

[3] رازی، محمد بن عمرو، تفسیر مفاتیح الغیب المعروف بہ تفسیر رازی (بیروت: دار الفکر) ج:3، ص:382

احکام پر عمل کریں۔"[1]

ہدایت القرآن

سعید احمد پالن پوریؒ یہود کی وعدہ خلافی کے متعلق لکھتے ہیں:

"اور تورات میں عہد و پیمان کی پاسداری کے سلسلہ میں ان کو جو نصیحتیں کی گئی تھی ان کا بڑا حصہ انہوں نے بھلا دیا، وہ نصیحتیں اب بھی تورات میں ہیں، مگر وہ اس کا کچھ خیال نہیں کرتے، یہ بھول جانا ہے۔ یہود کی دھوکہ دہی اب بھی جاری ہے۔ یہود نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بھی برابر خیانتیں کرتے رہتے تھے۔ دھوکہ دہی کو کائی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ ہر دن ان کی نئی خیانت سامنے آتی تھی، البتہ چند نیک فطرت یہودی مستثنیٰ ہیں جو ایمان لے آئے تھے۔ ان دغابازوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟ آخر میں نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ جب بھی ان کی کوئی خیانت سامنے آئے تو ان سے درگزر کریں، ان کو معاف کریں۔ الڑھ جانور کے ساتھ نرمی بہتر ہے اور ظالم کو معاف کرنا اچھا کام ہے اور اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔"[2]

اطلاق و تطبیق:

سورۃ المائدۃ کی مذکورہ دونوں آیات میں یہود کے عہد و پیمان کا حال بیان کیا گیا ہے۔ علامہ غلام رسول سعیدی نے اس آیت کا مصداق بیان کرنے کے لیے امام رازی کا قول نقل کیا ہے۔ یہاں جن بنی اسرائیلوں کی عہد شکنی کا حال بیان ہوا ہے وہ وہی بارا نقیب تھے جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک شام کے عمالقہ کا حال معلوم کرنے کے بھیجا تھا۔ جب علامہ سعید احمد پالن پوری نے اس کو عموم پر محمول کرتے ہوئے وہ عہد و میثاق مراد لیے ہیں جو تورات میں مذکور ہیں۔

چھٹا حکم: عیسائیوں کے عہد و پیمان کا حال

"وَ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰۤى اَخَذْنَا مِیْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَ سَوْفَ یُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ"[3]

"اور جن لوگوں نے کہا تھا کہ ہم نصرانی ہیں، ان سے (بھی) ہم نے عہد لیا تھا، پھر جس چیز کی ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک بڑا حصہ وہ (بھی) بھلا بیٹھے۔ چنانچہ ہم نے ان کے درمیان قیامت

---

[1] جوزی، عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی، تفسیر زاد المسیر، طبع اول (بیروت: مکتب اسلامی، 1407ھ) ج:2، ص:310

[2] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:242

[3] سورۃ المائدۃ 14:05

کے دن تک کے لیے دشمنی اور بغض پیدا کر دیا اور اللہ انہیں عنقریب بتادے گا کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔"

تبیان القرآن

تبیان القرآن میں اس آیت کا معنی یہ کیا ہے کہ ہم نے نصاری سے بھی اس بات کا پختہ عہد لیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی پیروی کریں گے اور آپ کی مدد کریں گے، لیکن انہوں نے بھی یہود کی طرح اس عہد کو توڑ دیا اور انہوں نے اپنے دین کے احکام پر عمل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی سزا یہ دی کہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف عداوت اور بغض کو ڈال دیا اور قیامت تک اسی مخالفت میں برقرار رہیں گے۔[1]

ہدایت القرآن

جب عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ نصاری کو انجیل دی گئی تو ان سے عہد و پیمان لیا تھا کہ وہ آنے والے رسول پر ایمان لائیں۔ نبی ﷺ کے سلسلہ میں واضح پیشن گوئیاں آج بھی انجیل میں موجود ہیں، مگر عیسائیوں نے ان کو پسِ پشت ڈال دیا اور عہد و پیمان کی پاسداری کے سلسلہ میں انجیل میں ان کو جو نصیحتیں کی گئی تھیں ان کو بھلا دیا اور وہ مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ بڑے فرقے پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک ہیں۔ ان میں مذہب کی بنیادی باتوں میں بھی اتفاق نہیں اور باہم تشدد، ظلم و ستم اور انسان سوزی کے واقعات سے مذاہبِ عالم کی تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے، ان کو جان لینا چاہئے کہ دنیا ایک دن ختم ہونے والی ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو ان کی حرکتیں جتلائیں گے، وہ غافل نہ رہے۔[2]

اطلاق و تطبیق

سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر 14 میں عیسائیوں کے عہد و میثاق حال بیان کیا گیا ہے۔ علامہ غلام رسول سعیدی نے اس کا مصداق نبی کریم ﷺ پر ایمان کو ٹھہرایا لیکن انہوں نے یہ عہد توڑا۔ علامہ سعیدی احمد پالن پوری نے بھی اس عہد و میثاق کا مصداق نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا بیان کیا۔ اسی طرح ان معاہدوں کو ان میں شامل کیا ہے جو انجیل میں ان سے لی گئی تھی لیکن انہوں نے ان کا لحاظ نہ رکھا اور یہودیوں کے نقش قدم پر چلیں۔

---

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:131

[2] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:244

ساتواں حکم: اخلاص اور حسد

"وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَ لَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ"[1]

"اور (اے پیغمبر) ان کے سامنے آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناؤ۔ جب دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تھی، اور ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوگئی، اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ اس (دوسرے نے پہلے سے) کہا کہ: میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔ پہلے نے کہا کہ اللہ تو ان لوگوں سے (قربانی) قبول کرتا ہے جو متقی ہوں۔"

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول نے اس آیت کی تفسیر میں مستقل طور پر اخلاص پر تو بات نہیں کی البتہ انہوں نے اس واقعہ سے حسد کا برائی ہونا بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حسد سب سے بڑی خرابی اور بہت بڑا جرم ہے۔ قابیل نے اس حسد کی آگ کی وجہ سے اپنے سگے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔[2]

ہدایت القرآن

ہابیل نے اخلاص سے قربانی پیش کی تھی، اس لیے قبول ہوئی۔ آسمان سے سفید آگ آئی اور قربانی کو خاکستر کر گئی اور قابیل کے دل میں کھوٹ تھا، اس کی قربانی قبول نہیں ہوئی، پڑی رہ گئی، اس پر وہ جل بھن گیا، اس نے ہابیل کو دھمکی دے دی کہ میں تجھ کو قتل کر کے رہوں گا۔

سعید احمد پالن پوری لکھتے ہیں کہ عبادت اگر اخلاص سے خالی ہو تو عامل کے منہ پر مار دی جاتی ہے۔[3]

اطلاق و تطبیق

سورۃ المائدۃ کی مذکورہ آیت میں تہذیب الاخلاق کے حوالے سے دو چیزیں ذکر کی گئی ہیں جن میں ایک یعنی اخلاص محمود ہے جب کہ دوسرا یعنی حسد مذموم ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی اس آیت کی تفسیر میں حسد کی برائی اور مذمت بیان کی ہے جب کہ علامہ سعید احمد نے صرف اخلاص کی اہمیت واضح کی ہے۔

---

[1] سورۃ المائدۃ 27:05

[2] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:158

[3] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:256

آٹھواں حکم: معافی

"فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ"[1]

"ہاں جو شخص اس (بدلے) کو معاف کردے تو یہ اس کے لیے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔"

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں: اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اگر جنایت (جرم) کرنے والے نے تائب ہو کر خود کو خوشی کے ساتھ حد کے لیے پیش کر دیا تو اس کا یہ عمل اس کے گناہ کا کفارہ اور جائے گا۔ امام مسلم حضرت عبادہ بن الصامت دین سے روایت کرتے ہیں کہ[2]

"رسول اللہ ﷺ نے ہم سے عہد لیا کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، چوری نہ کریں، زنا نہ کریں اور کسی کو ناحق قتل نہ کریں۔ جس نے یہ عہد پورا کیا اس کا اجر اللہ کے ذمہ پر ہے اور جس نے ان میں سے کوئی کام کیا اور اس پر حد جاری ہوئی تو یہ اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔"[3]

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اگر بدلہ لینے والے نے جنایت (جرم) کرنے والے کو معاف کر دیا اور اس بدلہ نہ لیا تو اس کا یہ عمل اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی۔ قرآن مجید میں اس کی تائید میں یہ آیت ہے

" فَمن عفَا وَ أَصْلَحَ فَاجْرَهُ عَلَى اللهِ"[4]

"جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی اس کا اجر اللہ ذمہ پر ہے۔"

اس کی تائید میں حسب ذیل حدیث ہے۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص کے جسم میں کوئی زخم لگے اور وہ اس کو صدقہ کر دے تو اللہ تعالیٰ اس صدقہ کے

---

[1] سورۃ المائدۃ 45:05

[2] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:202-203

[3] قشیری، صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب الحدود کفارات لاھلھا، حدیث نمبر: 4463

حدیث کے الفاظ یوں ہے: "اخذ علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم كما اخذ على النساء، ان لا نشرك بالله شيئا، ولا نسرق ولا نزني ولا نقتل اولادنا ولا يعضه بعضنا بعضا، فمن وفى منكم، فاجره على الله ومن اتى منكم حدا، فاقيم عليه فهو كفارته ومن ستره الله عليه، فامره إلى الله إن شاء عذبه وإن شاء غفر له "

[4] سورۃ الشوریٰ 40:42

برابراس کے گناہ مٹادے گا۔[1]

ہدایت القرآن

علامہ سعید احمد پالن پوریؒ معافی کے متعلق لکھتے ہیں: نفس اور مادون النفس کی جنایات کا برابر بدلہ یعنی قصاص لینا جائز ہے اور معاف کرنا بڑا ثواب کا کام ہے۔ قتلِ عمد میں مقتول کے ورثاء قصاص معاف کریں اور دیت لیں یا دیت بھی معاف کریں تو عظیم ثواب کے مستحق ہوں گے اور مادون النفس جنایت میں خود وہ شخص جانی کو معاف کرے گا جس پر جنایت کی گئی تو یہ معافی اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگی۔ حدیث میں ہے: جو شخص اپنے بدن کی کوئی تکلیف معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اس کے اتنے گناہ معاف کریں گے۔[2]

اطلاق وتطبیق

مذکورہ آیت میں عفوودرگزر کی ترغیب دی گئی ہے۔ علامہ غلام رسول سعیدی نے اس کی دو تفسیر نقل کی ہے۔ ایک تفسیر ہے کہ اس سے مراد جرم کرنے والا ہے اور تصدق سے مراد اس کا خوشی سے اپنے آپ کو حد کے لیے پیش کرنا ہے اور پھر اس کی تائید میں ایک حدیث بھی نقل کیا ہے جس میں مسلمان ہوتے وقت لیے گیے بیعت کا تذکرہ ہے اور آخر میں عفوودرگزر کی ترغیب ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس کا مصداق بدلہ لینے والا ہے اور اس کی تائید میں قرآن پاک کی آیت اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی ہے۔

علامہ سعید احمد پالن پوری نے نفس اور مادون النفس دونوں صورتوں بدلہ لینے کو جائز قرار دیا ہے اور معافی کے فضائل بیان کئے ہیں۔

نواں حکم: سخاوت اور بخل

"وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ"[3]

---

[1] احمد بن حنبل، مسند احمد، 22792 یہ حدیث شواہد کی بنیاد پر صحیح ہے۔ حدیث کے الفاظ یوں ہے:
"من جرح في جسده جراحة فتصدق بها كفر الله عز وجل عنه بمثل ما تصدق به "

[2] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:280

[3] سورۃ المائدۃ 64:05

"یہُودی کہتے ہیں اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ باندھے گئے ان کے ہاتھ، اور لعنت پڑی اِن پر اُس بکواس کی بدولت جو یہ کرتے ہیں۔ اللہ کے ہاتھ تو کشادہ ہیں، جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کلام تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے وہ ان میں سے اکثر لوگوں کی سرکشی و باطل پرستی میں اُلٹے اضافہ کا موجب بن گیا ہے، اور (اس کی پاداش میں) ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور دُشمنی ڈال دی ہے۔ جب کبھی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اُس کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ یہ زمین میں فساد پھَیلانے کی سعی کر رہے ہیں مگر اللہ فساد برپا کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا"

تبیان القرآن

اس آیت میں یہود کی سب سے بڑی برائی اور سب سے بڑا کفر بیان کیا کہ انہوں نے اللہ عزوجل کی طرف بخل کو منسوب کیا اور یہ ایسی جرات ہے جس کا ارتکاب کوئی صاحبِ عقل نہیں کر سکتا۔ ہم اس قول سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی نسبت سے پاک، بلند اور برتر ہے۔

اس کے متعلق مفسر نے معجم طبرانی کے حوالے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر بھی نقل کیا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہود میں سے ایک شخص نباش بن قیس تھا۔ اس نے کہا آپ کا رب بخیل ہے، خرچ نہیں کرتا۔ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی اور یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔[1]

ان کا یہ مقصد نہیں تھا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ لیکن ان کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالی نے ان پر رزق کے ذرائع بند کر دیتے ہیں، اللہ تعالی نے ان کے اس افتراء کا رد کرتے ہوئے فرمایا: خود ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔

اس کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اس آیت میں ہماری زبانوں سے ان کے خلاف دعا ضرر فرمائی ہے یعنی ان کے ہاتھ باندھ دیئے جائیں۔ ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی یعنی اللہ تعالی نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا، وہ اس بخل کی وجہ سے ہر خیر سے محروم ہیں۔ ان سے کسی کو خیر حاصل نہیں ہو سکتی اور وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ بخیل ہیں۔ غُل کا معنی طوق بھی ہے سو اس کا معنی ہے کہ دنیا میں ان پر قید و بند کا طوق ڈال دیا گیا اور آخرت

[1] طبرانی، المعجم الکبیر (بیروت: دار احیائ التراث العربی) ج:12، حدیث نمبر:14497

میں ان پر جسم میں طوق ڈال دیا جائے گا۔[1]

ہدایت القرآن

مدینہ کے یہودی معاشی اعتبار سے بہت مضبوط تھے، ان کے پاس کھیت، باغات اور تجارت تھی اور مدینہ کے مشرکین ان کے دست نگر تھے۔ ان سے سود پر قرض لیتے تھے جو یہود کی مستقل آمدنی تھی، جب نبی ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سختیوں میں مبتلا کیا۔ ان کی آمدنی گھٹنے لگی۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ پر ردّہ رکھا اور کہا: اللہ تعالیٰ بخیل ہوگئے ہیں۔ اس لیے ہم پر ان کے افضال کم ہوگئے ہیں! ایسے نالائق جو بے عیب اللہ تعالیٰ میں بھی عیب نکالیں و مسلمانوں کو کیا بخشیں گے؟ ان کے کمالات کا مذاق اڑائیں تو کیا بعید ہے؟

اللہ تعالیٰ ان پر رد فرماتے ہیں کہ بخیل تو وہ خود ہیں، کسی کو ایک کوڑی نہیں دیتے۔ بخل بڑا عیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہیں اور سخاوت بڑا کمال ہے اور تمام کمالات اللہ تعالیٰ کی ذات میں جمع ہیں۔ ان سے بڑا کوئی سخی نہیں۔ ان کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ وہ جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں۔[2]

اطلاق و تطبیق

مذکورہ بالا آیت میں یہودیوں کی بے ادبی کا بیان ہے۔ علامہ غلام رسول لکھتے ہیں کہ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف بخل کی نسبت کرکے بڑے کفر کا ارتکاب کیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے معجم طبرانی کے حوالے سے اس کا قائل بھی متعین کیا ہے کہ یہ بے ادبی کا ارتکاب نباش بن قیس نے کیا تھا۔ علامہ نے ہاتھ بندھے ہونے کا مطلب بھی بیان کیا ہے۔

علامہ سعید احمد نے بھی بخل کا وہی مطلب لیا ہے یعنی یہود پر جب نبی ﷺ کی آمد کے بعد تنگی ہوئی تو انہوں نے اس بے ادبی کا ارتکاب کیا۔

دسواں حکم: نفرت کا سبب

وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ[3]

---

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:237-238

[2] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:305

[3] سورۃ المائدۃ 64:05

"اور ہم نے ان کے درمیان قیامت کے دن تک کے لیے عداوت اور بغض پیدا کر دیا ہے۔ جب کبھی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اس کو بجھا دیتا ہے اور یہ زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں، جبکہ اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

ہدایت القرآن

اختلاف دوری پیدا کرتا ہے۔ خو یہود میں فرقہ بندی ہے۔ عیسائیوں میں بھی اور مسلمانوں میں بھی۔ اس سے باہمی دشمنی اور آخری درجہ کی نفرت جنم لیتی ہے۔ بار بار تلواریں نکل آتی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ جنگ نہیں ہونے دیتے، مگر دلوں میں میل باقی رہتا ہے اور پروپیگنڈہ مشینری کام کرتی رہتی ہے۔ لوگوں کے عقائد خراب ہوتے ہیں، زمین میں بگاڑ پھیلتا ہے اور بگاڑ پیدا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے، اس لیے اہلِ حق کو ان کی تردید کرنی پڑتی ہے جو ان کو کھلتی ہے![1]

یہ تفصیل تبیان القرآن میں نہیں ہے۔

سورۃ التوبۃ کا پہلا حکم: مشرکین کی طرف سے معاہدہ حدیبیہ کی عہد شکنی

"بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ"[2]

"(مسلمانو) یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے دستبرداری کا اعلان ہے ان تمام مشرکین کے خلاف جن سے تم نے معاہدہ کیا ہوا ہے۔ لہٰذا (اے مشرکو) تمہیں چار مہینے تک اجازت ہے کہ تم (عرب کی) سرزمین میں آزادی سے گھومو پھرو، اور یہ بات جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور یہ بات بھی کہ اللہ اب کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔"

تبیان القرآن

یہاں معاہدین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے بغیر کسی مدت کے تعین کے عہد کیا تھا، یا جن لوگوں کا عہد چار ماہ کی مدت سے کم تھا، سو ان دونوں کو چار ماہ مکمل کرنے کی مہلت دی گئی اور جن لوگوں کا عہد کی خلاف ورزی کی ان کو بھی چار ماہ کی مہلت دی گئی اور جن لوگوں نے عہد کی پابندی کی، ان کے ساتھ ان آیتوں میں مدت عہد کو پورا

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:306

[2] سورۃ البراءۃ 09:1-2

کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔"فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ" اس سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں سے بغیر تعین مدت کے عہد کیا تھا یا جن سے چار ماہ سے کم مدت کا عہد تھا ان لوگوں کو اس مدت میں امان کے ساتھ زمین میں چلنے کی مہلت ہے۔ اس مدت کی ابتداء زہری کے قول کے مطابق شوال 9ھ سے ہوئی کیونکہ سورۃ التوبہ شوال میں نازل ہوئی تھی اور پھر چار ماہ کے بعد تمہارے لیے امان نہیں ہو گی۔[1]

سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے دوٹوک الفاظ میں مشرکین سے مسلمانوں کے کئے ہوئے معاہدہ کو فسخ کرنے کا اعلان فرمادیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ 6ھ میں مسلمانوں نے مشرکین سے حدیبیہ میں صلح کی تھی۔ پھر 9ھ میں بنوضمرہ اور بنوکنانہ کے سوا سب نے عہد شکنی کی، تب مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ مشرکین سے کئے ہوئے معاہدہ سے بری الذمہ ہو جائے۔[2]

ہدایت القرآن

سورۃ التوبہ کے شروع میں سورۃ الانفال کے ساتھ ربط بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غزہ احزاب کے بعد سنہ 6 ہجری میں نبی ﷺ پندرہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لیے روانہ ہوئے۔ بیت اللہ ایک عام عبادت گاہ تھی۔ ہر ایک کو حج وعمرہ کے لیے آنے کی عام اجازت تھی، مگر مکہ والوں نے دستور کے خلاف مسلمانوں کو مکہ میں داخلہ سے روک دیا، بالآخر حدیبیہ میں قریش کے ساتھ دس سال کے لیے ناجنگ معاہدہ ہو گیا جو تاریخ میں صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے خزاعہ آپ ﷺ کے حلیف بن گئے اور بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے۔ اس معاہدہ کی بائیسویں مہینے میں بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کیا اور قریش نے سپاہیوں اور اسلحہ کے بنو بکر کا تعاون کر کے معاہدہ کو توڑ دیا۔ بنو خزاعہ نے نبی ﷺ کو شکایت کی تو آپ نے خفیہ جنگی تیاری شروع کی اور ہجرت کے آٹھویں سال رمضان المبارک میں بھاری جمعیت لے کر مکہ مکرمہ فتح کر لیا اور مکہ اور اطرافِ مکہ میں بسنے والوے سبھی غیر مسلموں کو جان ومال کا امان دے دیا۔ سنہ 9 ہجری میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر حج کرانے کے لیے بھیجا، اس میں ان کی خلافت بلا فصل کی طرف اشارہ ہے۔ اس حج میں معاہدہ کے خاتمہ کا اعلان کیا گیا تا کہ بات سارے عرب میں پہنچ جائے۔

آگے مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ معاہدہ کی رو سے غیر مسلموں کے مختلف حالات تھے۔

---

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ج:5، ص:48

[2] ایضاً، ص:49

i. کچھ لوگ وہ تھے جن کے ساتھ حدیبیہ میں صلح کا معاہدہ ہوا تھا مگر خود انہوں نے اس معاہد کی دھجیاں بکھیر دی تھیں اور ان کی یہی حرکت فتح کا سبب بنی تھی۔

ii. کچھ لوگوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ خاص وقت کے لیے ہوا تھا اور وہ اپنے معاہدہ پر قائم تھے، یہ بنو ضمرہ اور بنو مدلج تھے۔

iii. کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے ساتھ صلح کا معاہدہ مدت کی تعیین کے بغیر ہوا تھا۔

iv. اور ایسے لوگ بھی تھے جن کے ساتھ کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں تھا۔

پہلی دو آیتوں میں صراحۃً تیسری قسم کا حکم ہے اور ضمناً چوتھی قسم کا، جن کے ساتھ صلح کا معاہدہ مدت کی تعیین کے بغیر ہوا ہے یا جن سے سرے سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا، ان کو چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس مدت میں یا تو اسلام قبول کرلیں یا جزیرۃ العرب چھوڑ دیں۔[1]

اطلاق و تطبیق

سورۃ براءت کی ابتدائی آیات میں مشرکین کے ساتھ کئے عہد و میثاق کا تذکرہ ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں علامہ غلام سعیدی نے مشرکین کو عہد و میثاق کے لحاظ سے کئی اقسام میں تقسیم کیا ہیں: پہلی قسم میں وہ معاہدین ہیں جن سے بلا تعیین مدت عہد ہوا تھا اور دوسرے نمبر جن کا عہد چار ماہ تھا۔ ان دونوں قسم کے مشرکین کے چار ماہ مہلت دی گئی۔

علامہ سعید احمد پالن پوری نے مکمل پس منظر بیان کیا ہے کہ درحقیقت صلح حدیبیہ کا معاہد توڑنے کی وجہ مسلمانوں نے تیاری کی اور مکہ فتح کر لیا اور پھر 9 ہجری میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے عہد و میثاق کے مذکورہ اعلانات حج کے موقع پر کئے گئے۔ انہوں نے معاہدین کو چار اقسام میں تقسیم کیا ہے اور پھر ہر کا حکم سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات سے منطبق کیا ہے۔

دوسرا حکم: خطا پر تنبیہ کا لطیف پیرایہ

تہذیب الاخلاق میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جب کوئی انسان خطا کرے تو اس کو لطیف اور بہترین انداز میں تنبیہ کی جائے نہ یہ کہ اس کو رسوا اور شرمندہ کیا جائے۔

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:222-227

"عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ"[1]

"(اے پیغمبر) اللہ نے تمہیں معاف کر دیا ہے، (مگر) تم نے ان کو (جہاد میں شریک نہ ہونے کی) اجازت اس سے پہلے ہی کیوں دے دی کہ تم پر یہ بات کھل جاتی کہ کون ہیں جنہوں نے سچ بولا ہے اور تم جھوٹوں کو بھی اچھی طرح جان لیتے۔"

ہدایت القرآن

سعید احمد پالن پوریؒ لکھتے ہیں کہ آیت پاک میں غور فرمائیں: خطا پر تنبیہ کس قدر لطیف پیرایہ میں ہے۔ پہلے تو معافی کا اعلان کیا، پھر خطا کا تذکرہ کیا کیونکہ محبوب کی معمولی ناراضگی بھی محبِ صادق کے لیے ناقابلِ تحمل ہو جاتی ہے، اگر تنبیہ پہلے کی جاتی تو قلبِ نبوت ناقابل برداشت غم میں ڈوب جاتا۔

ہمارے لیے اس پیرایہ میں دو سبق ہیں:

i. اگر اپنے چھوٹوں سے خطا ہو جائے اور انہیں ہم سے قلبی تعلق ہو تو ہمیں ان کی غلطی پر تنبیہ کرنے کے لیے یہی پیرایہ بیان اختیار کرنا چاہئے جو اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کے ساتھ اختیار فرمایا ہے۔

ii. اپنے بڑوں اور بزرگوں کو کسی خطا پر متنبہ کرنے کے لیے یا تنقید کے لیے یہی پیرایہ بیان اختیار کرنا چاہئے۔ اردو میں یوں کہے: اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے میرے بارے میں آپ نے ایسی بات کیوں کی؟ اور اللہ آپ کے مراتب بلند کرے آپ یہ بات تو صحیح معلوم نہیں ہوتی!"[2]

یہ تفصیل تفسیر تبیان القرآن میں موجود نہیں ہے۔

تیسرا حکم: توکل

"قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ"[3]

"کہہ دو کہ: اللہ نے ہمارے مقدر میں جو تکلیف لکھ دی ہے ہمیں اس کے سوا کوئی اور تکلیف ہر گز نہیں پہنچ سکتی۔ وہ ہمارا رکھوالا ہے، اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔"

---

[1] سورۃ التوبہ 43:09

[2] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:295

[3] سورۃ التوبۃ 51:05

ہدایت القرآن

علامہ سعید احمد پالن پوریؒ توکل کا صحیح مطلب سمجھاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اور توکل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا ہے کہ جو قسمت میں ہو گا ہو جائے گا بلکہ پوری قوت وہمت سے کام لینے کے بعد صرف اللہ تعالی پر نظر رکھنی چاہیے کہ نتائج اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالی پر توکل نہیں کرتے وہ بے دین ہیں انہوں نے مادی اسباب ہی کو خدا بنالیا ہے اور جنہوں نے توکل کو اپنی کم ہمتی اور بے کاری کا بہانہ بنالیا ہے وہ خوش فہم ہیں۔ صراط مستقیم ہے کہ ظاہری اسباب اختیار کئے جائیں، اور پھر بھروسہ اللہ تعالی پر رکھا جائے۔ حضور ﷺ جہاد کے لئے پوری تیاری فرماتے تھے احد اور حنین کے معرکوں میں آپ ﷺ نے دوہری زر میں پہنی تھیں، کیونکہ معرکے سخت تھے اور جب ایک دیہاتی نے آپ ﷺ سے توکل کی حقیقت پوچھی تو آپ نے اسے یوں سمجھایا کہ اونٹ کو دامنی دے کر جنگل میں چرنے کے لئے چھوڑو پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔ بہر حال ظاہری اسباب کا استعمال خدا پرستی کے خلاف نہیں، توکل یہ ہے کہ اسباب کو اسباب کے درجہ میں رکھا جائے اور یہ ایمان رکھا جائے کہ نتائج و ثمرات اسباب کے تابع نہیں، اللہ تعالی کے حکم کے تابع ہیں۔

آگے دنیا پرست اور خدا پرست کی ذہنیت کا فرق سمجھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

آیت پاک کو ایک بار پھر پڑھئے وہ ہمیں دنیا پرست اور خدا پرست کی ذہنیت کا فرق سمجھائے گی کہ دنیا پرست کی اپنی دنیا ہر جگہ مقدم رہتی ہے وہ جو قدم اٹھاتا ہے وہ اپنی دنیا سنوارنے کے لئے اٹھاتا ہے اور جب اس کا یہ مقصد پورا ہو جاتا ہے تو وہ پھول جاتا ہے اور اسی کو اپنی بڑی کامیابی خیال کرتا ہے۔ لیکن اللہ پر یقین رکھنے والا انسان ہر قدم اللہ کی رضا کے لئے اٹھاتا ہے اس پر خواہ مصائب نازل ہوں یا کامرانیوں کی بارش ہو وہ دونوں صورتوں کو اللہ پاک کی مرضی کا نتیجہ تصور کرتا ہے منہ مصائب سے اس کا دل ٹوٹتا ہے نہ کامیابیوں پر اسے غرہ ہوتا ہے۔[1]

یہ تفصیل تبیان القرآن میں موجود نہیں ہے۔

چوتھا حکم: زکوٰۃ کی حکمتیں اور مصلحتیں

"اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِیْنَ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ"[2]

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:302-303

[2] سورۃ التوبہ 60:09

"صدقات تو دراصل حق ہے فقیروں کا، مسکینوں کا اور ان اہلکاروں کا جو صدقات کی وصولی پر مقرر ہوتے ہیں۔ اور ان کا جن کی دلداری مقصود ہے۔ نیز انہیں غلاموں کو آزاد کرنے میں اور قرض داروں کے قرضے ادا کرنے میں اور اللہ کے راستے میں اور مسافروں کی مدد میں خرچ کیا جائے۔ یہ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔"

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی نے زکوۃ کی چھ مصلحتیں اور حکمتیں تحریر کی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

i. زکوۃ دینے کے ذریعے مسلمان اپنے ایمان اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے دعوی پر دلیل پیش کرتا ہے۔

ii. زکوۃ دینے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ زکوۃ ادا کرنے سے انسان سے بخل کی صفت زائل ہو جاتی ہے اور بخل سے نجات کی ایک بڑی کامیابی ہے۔

iii. زکوۃ ادا کرنے کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ زکوۃ ادا کرکے انسان اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے بدن اور مال کی نعمت عطا فرمائی۔

iv. جب انسان کے پاس مال اس کی ضروریات سے بہت زیادہ ہو گا تو وہ اس مال سے اپنے عیش و عشرت کے ذرائع اور وسائل مہیا کرے گا اور یوں اس کا دل دنیا کی رنگینیوں میں اور دنیا کی مرغوب چیزوں اور لذتوں میں لگا رہے گا اور آخرت کی طرف متوجہ نہیں ہو گا یا کم متوجہ ہو گا اور وہ سوچے گا کہ عبادات اور نیک کاموں اور زکوۃ، عشر اور صدقہ و خیرات ادا کرنے سے اس کے مال میں کمی ہو گی اور اس وجہ سے وہ نیک کاموں میں اپنے مال کو بالکل خرچ نہیں کرے گا یا کم کرے گا۔

v. مال کی کثرت سے انسان میں غرور اور تکبر پیدا ہو گا اور سرکشی اور بغاوت پیدا ہو گی اور زکوۃ اور صدقات ادا کرنے سے اس کے تکبر اور سرکشی میں کمی ہو گی اور اس کا دل اللہ سے مغفرت طلب کرنے اور اس کی رضاجوئی کی طرف متوجہ ہو گا۔

vi. جب انسان زکوۃ اور عشر ادا کرے گا اور صدقہ و خیرات کرے گا تو ضرورت مند لوگ اس کے لیے دعائیں کریں گے اور اس کی دعاؤں سے اس کا مالی نقصان اور بربادی سے محفوظ رہے گا۔[1]

ہدایت القرآن

علامہ سعید احمد پالن پوریؒ نے صدقات میں نیکی کے تین پہلو بیان کیے ہیں:

---

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ج:5، ص:167-168

i. یہ کہ صدقات عبادت ہیں۔بندہ مسلم زکوۃ وصدقات دیتاہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی قرب اور رضا حاصل کرسکے۔صدقات کے ذریعہ مومن بندہ اس بات کا عملی ثبوت دیتاہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کا اپنا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے جسے وہ اسی کے حکموں پر قربان کرتاہے۔

ii. دوسرا پہلو یہ ہے کہ صدقات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ضرورت مند اور پریشان حال بندوں کی خدمت واعانت ہوتی رہتی ہے اور دولت کے ایک جگہ سمٹ جانے سے اقتصادی اعتبار سے طبقاتی تقسیم رونما نہیں ہونے پاتی۔

iii. تیسرا پہلو یہ ہے کہ دولت پرستی کا علاج بھی اس سے ہوتا رہتاہے جو ایک ایمان کش اور نہایت مہلک روحانی بیماری ہے۔زکوۃ وصدقات سے اس کے گندے اور زہریلے اثرات سے نفس پاک ہوجاتاہے۔[1]

اطلاق وتطبیق

مذکورہ بالا آیت میں یہودیوں کی بے ادبی کا بیان ہے۔علامہ غلام رسول لکھتے ہیں کہ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف بخل کی نسبت کرکے بڑے کفر کا ارتکاب کیاتھا۔اس کے بعد انہوں نے معجم طبرانی کے حوالے سے اس کا قائل بھی متعین کیاہے کہ یہ بے ادبی کا ارتکاب نباش بن قیس نے کیاتھا۔علامہ نے ہاتھ بندھے ہونے کا مطلب بھی بیان کیاہے۔

علامہ سعید احمد نے بھی بخل کا وہی مطلب لیاہے یعنی یہود پر جب نبی ﷺ کی آمد کے بعد تنگی ہوئی تو انہوں نے اس بے ادبی کا ارتکاب کیا۔

پانچواں حکم:حیااور کریم النفسی

"وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ يُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ "[2]

"اور انہی (منافقین) میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی کو دکھ پہنچاتے ہیں اور (ان کے بارے میں) یہ کہتے ہیں کہ: وہ تو سراپا کان ہیں۔ کہہ دو کہ: وہ کان ہیں اس چیز کے لیے جو تمہارے لیے بھلائی ہے۔ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کی بات کا یقین کرتے ہیں، اور تم میں سے جو (ظاہری طور پر) ایمان لے آئے ہیں، ان کے لیے وہ رحمت (کا معاملہ کرنے والے) ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کے رسول کو دکھ پہنچاتے ہیں ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب تیار ہے۔"

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:312

[2] سورۃ التوبہ 61:05

ہدایت القرآن

بات در حقیقت یہ تھی کہ آپ ﷺ حیا اور کریم النفسی کی وجہ سے جھوٹے کو بھی منہ پر جھوٹا نہیں کہتے تھے۔ بلند اخلاق کی وجہ سے چشم پوشی فرماتے تھے جس کی وجہ سے یہ بے وقوف خیال کرتے تھے کہ آپ ﷺ نے معاملہ کی حقیقت سمجھی ہی نہیں۔

منافقوں کی بدگوئی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ کانوں کے کچے ہیں ہر شخص کی بات سن لیتے ہیں جس کا جی چاہتا ہے آپ کے پاس پہنچ جاتا ہے جس طرح چاہتا ہے آپ کے کان بھرتا ہے اور آپ اس کی بات مان لیتے ہیں۔ یہ بات انہوں نے اس لیے کہی تھی کہ سچے مسلمان منافقوں کی سازشوں، شرارتوں اور مخالفانہ گفتگوؤں سے نبی پاک ﷺ کو مطلع کر دیا کرتے تھے جس پر یہ منافق سیخ پا ہو کر کہتے تھے کہ آپ کانوں کے کچے ہیں ہم جیسے شرفاء ومعززین کے خلاف ہر بے حیثیت اور فقیری کی دی ہوئی خبروں پر یقین کر لیتے ہیں۔[1]

تبیان القرآن میں منافقین کا اعتراض اور جواب مذکور ہے لیکن حیا وکریم النفسی پر انہوں نے بات نہیں کی۔

چھٹا حکم: صدقہ کی ترغیب

"خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ "[2]

"(اے پیغمبر) ان لوگوں کے اعمال میں سے صدقہ وصول کر لو جس کے ذریعے تم انہیں پاک کر دو گے اور ان کے لیے باعث برکت بنو گے، اور ان کے لیے دعا کرو۔ یقیناً تمہاری دعا ان کے لیے سراپا تسکین ہے، اور اللہ ہر بات سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔"

تبیان القرآن

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: جن بندوں نے اپنے گناہوں پر توبہ کی اور اس کے کفارہ میں صدقہ کیا عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اس آیت میں توبہ کو قبول کرنے کی امید دلائی تھی، توبہ قبول کرنے کی خبر نہیں دی تھی، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حتمی طور پر یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات کو لیتا ہے، تاکہ بندے زیادہ ذوق وشوق اور رغبت سے صدقہ وخیرات کریں۔[3]

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:316

[2] سورۃ التوبہ 103:09

[3] سعیدی، تبیان القرآن، ج:5، ص:250

ہدایت القرآن

توبہ قبول ہونے پر ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنا کل اثاثہ بطور صدقہ پیش کیا: ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ آپ ان کے اموال میں سے بطور صدقہ کچھ لے لیجئے چنانچہ آپ سال اسی نے ایک تہائی مال قبول فرمایا کیونکہ آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ پورا مال نہ لیا جائے بلکہ بعض لیا جائے۔ لفظ من سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ آپ اس (صدقہ) کے ذریعہ ان کو پاک صاف اور ان کی نشو نما کریں گے۔ مال کی محبت اور دولت کی پوجا ایمان کش اور نہایت مہلک روحانی بیماریاں ہیں۔ اور اللہ پاک کی راہ میں خرچ کرنے سے اس کے گندے اور زہریلے اثرات سے نفس پاک صاف ہو جاتا ہے نیز اس خرچ کرنے میں نفس کی پاکی کے ساتھ ساتھ اس کی تربیت کا سامان بھی ہے۔ زکات و صدقات سے نفس بخل و حرص اور خود غرضی جیسی مہلک بیماریوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے اور سخاوت، ہمدردی، الفت و محبت، بھائی چارگی اور غرباء پروری جیسی اچھی صفات سے آدمی آراستہ ہو جاتا ہے۔ احادیث نبویہ میں خیرات و صدقات کی اور بھی خوبیاں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:

"إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ، وَتُدْفِعُ مِيْتَةَ السوء"[1]

"صدقہ اللہ پاک کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔"

اس حدیث شریف میں صدقہ کے دو فائدے بیان فرمائے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر بندے کی کسی لغزش اور معصیت کی وجہ سے اللہ پاک کا غضب اس کی طرف متوجہ ہو جائے تو صدقہ اس غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے یعنی صدقہ کی وجہ سے بندو بجائے اللہ پاک کے غضب و ناراسگی کے اس کی رضا اور رحمت کا مستحق بن جاتا ہے۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ صدقہ بری موت سے آدمی کو بچاتا ہے یعنی صدقہ کی برکت سے اس کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے: إن ظلَّ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ القِيَامَةِ صَدَقَتُهُ (احمد) قیامت کے دن مؤمن کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا۔ یعنی صدقہ خیرات سائبان بن کر قیامت کے دن کی تپش سے محفوظ رکھے گا۔[2]

اطلاق و تطبیق

سورۃ التوبہ کی مذکورہ آیت میں نبی کریم ﷺ کو صحابہ کرام سے صدقات وصول کرنے کا حکم ہے۔ اس آیت کا مصداق دونوں مفسرین نے تقریباً ایک ہی قرار دیا ہے کہ اس آیت سے پہلے ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تذکرہ ہے جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے اور ان کے پیچھے رہ جانے کا سبب حبِ مال تھا تو ان صدقات

---

[1] ترمذی، سنن ترمذی، کتاب الزکوۃ، باب ماجاء فی فضل الصدقۃ، حدیث نمبر: 664، یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[2] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج: 3، ص: 370

کے ذریعے حبِ مال والے مرض کا علاج ہے۔ علامہ سعید احمد پالن پوری نے صدقہ وخیرات کے مزید فوائد بھی بیان کئے ہیں جن میں بخل وحرص اور خود غرضی کا علاج ہے۔ اس سے سخاوت، ہمدردی، الفت ومحبت، بھائی چارگی اور غرباء پروری جیسے بہترین صفات پیدا ہوتی ہیں اور پھر اس کی تائید کے حدیث بھی نقل کیا ہے۔

ساتواں حکم: ریاکاری اور نام ونمود

"وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَه مِنْ قَبْلُ وَ لَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ "[1]

"اور کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک مسجد اس کام کے لیے بنائی ہے کہ (مسلمانوں کو) نقصان پہنچائیں، کافرانہ باتیں کریں، مومنوں میں پھوٹ ڈالیں اور اس شخص کو ایک اڈہ فراہم کریں جس کی پہلے سے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ ہے۔ اور یہ قسمیں ضرور کھالیں گے کہ بھلائی کے سوا ہماری کوئی اور نیت نہیں ہے، لیکن اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ وہ قطعی جھوٹے ہیں۔"

ہدایت القرآن

علامہ سعید احمد پالن پوری نے عنوان "مسجد کے قریب مسجد بنانے یا ریاونمود کے مسجد بنانے کا حکم" باندھا ہے اور اس میں لکھتے ہیں:

یہ نام نہاد مسجد جسے قرآن کریم نے مسجد ضرار" قرار دیا ہے اور جسے حضور ﷺ نے مسمار کر دیا تھا وہ در حقیقت مسجد نہیں تھی، کیونکہ وہ نماز پڑھنے کے مقصد کے لئے نہیں بنائی گئی تھی بلکہ کچھ اور مقاصد کے لئے بنائی گئی تھی۔ لہذا آج اگر کسی مسجد کے مقابلہ میں اس کے قریب کوئی دوسری مسجد کچھ مسلمان بنادیں اور بنانے کا مقصد بھی مسلمانوں میں باہم تفرقہ پیدا کرنا ہو یا پہلی مسجد کی جماعت کو توڑنا ہو یا اسی قسم کی اور فاسد اغراض ہوں تو اگر چہ ایسی مسجد بنانا جائز نہیں، نہ بنانے والوں کو کوئی ثواب ملے گا، بلکہ الٹا تفریق پیدا کرنے کی وجہ سے گناہ لازم ہو گا لیکن بایں ہمہ اس جگہ کو شرعی حیثیت سے مسجد ہی کہا جائے گا اور مسجد کے تمام آداب واحکام اس پر جاری ہوں گے۔ اس کو مسمار کر دینا، یا اس میں آگ لگا دینا جائز نہیں۔ اور جو لوگ اس میں نماز پڑھیں گے ان کی نماز بھی ادا ہو جائے گی۔

اس مسجد کو مسجد ضرار پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ مسجد ضرار صرف نام کی مسجد تھی ورنہ بنانے والوں کا

---

[1] سورۃ التوبہ 107:09

مقصد مسجد بنانا تھا ہی نہیں۔ اور اس مسجد کو بنانے والوں نے مسجد ہی بنایا ہے اگر چہ اس کے ساتھ فاسد اغراض بھی شامل ہو گئی ہیں۔ اس لئے دونوں کا حکم یکساں نہیں۔[1]

تبیان القرآن میں مسئلہ مذکورہ پر کوئی بحث نہیں ہے۔

فصل دوم: تبیان القرآن اور ہدایت القرآن میں تدبیر منزل کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ

قرآن مجید کی تعلیمات ہر پہلو میں رہنمائی فراہم کرتی ہیں، چاہے وہ فرد کی ذاتی زندگی ہو، خاندانی تعلقات ہوں یا معاشرتی ذمہ داریاں۔ "تبیان القرآن" اور "ہدایت القرآن" جیسے تفسیری ماخذوں میں تدبیر منزل کے اصول اور اطلاق کے حوالے سے اہم نکات پیش کیے گئے ہیں۔ یہ اصول اسلام کے خاندانی نظام کو مضبوط بنانے اور معاشرتی نظم و ضبط کو قائم رکھنے کے لیے نہایت اہم ہیں۔ تدبیر منزل کا اطلاق خاندان کے تمام افراد پر ہوتا ہے اور ان کے درمیان باہمی تعلقات، احترام، اور حقوق و فرائض کے تعین میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

فصل دوم میں تدبیر منزل کے اطلاق و تطبیق کے علمی مطالعہ کے تحت سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبہ کی مخصوص آیات کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ سورۃ المائدۃ میں چھ احکام تدبیر منزل سے متعلق بیان کیے گئے ہیں۔ ان احکام میں باہم تعاون و تناصر کا معیار، پاک دامن کتابی عورت سے نکاح، دین کا تعلق رشتہ داری اور دوستی سے مقدم، بھائیوں کے درمیان تعلقات، انسانی زندگی کا احترام، اور زنا کا سدِ باب شامل ہیں۔ یہ احکام نہ صرف خاندان بلکہ معاشرتی نظام کی بنیادوں کو مضبوط بناتے ہیں۔

اسی طرح، سورۃ التوبہ میں تین احکام تدبیر منزل سے متعلق ہیں۔ ان میں دغاباز اور مکار لوگوں سے لاتعلقی، تعلق کا بنیاد اللہ کی خوشنودی، اور سچوں سے تعلقات رکھنا شامل ہیں۔ یہ احکام معاشرتی تعلقات میں صداقت اور دیانت داری کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں اور افراد کو صحیح رفاقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

اس علمی مطالعہ کا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں تدبیر منزل کے اصولوں کو سمجھا جائے اور ان کو عملی زندگی میں کس طرح اطلاق کیا جا سکتا ہے، اس کا جامع تجزیہ پیش کیا جائے۔ قرآن مجید کی یہ

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:380-381

آیات ہمیں یہ سبق دیتی ہیں کہ خاندان اور معاشرتی تعلقات کی بنیاد کن اصولوں پر رکھی جانی چاہیے اور کس طرح ایک متوازن اور مستحکم معاشرہ تشکیل دیا جاسکتا ہے۔

سورۃ المائدۃ میں چھ احکام تدبیر منزل سے متعلق ہیں جو کہ درجہ ذیل ہیں:

1. باہم تعاون وتناصر کا معیار (سورۃ المائدۃ 2)
2. پاک دامن کتابی عورت سے نکاح (سورۃ المائدۃ 5)
3. دین کا تعلق رشتہ داری اور دوستی سے مقدم (سورۃ المائدۃ 23)
4. بھائیوں کے درمیان تعلقات (سورۃ المائدۃ 27)
5. انسانی زندگی کا احترام (سورۃ المائدۃ 32)
6. زنا کا سدِباب (سورۃ المائدۃ 41)

سورۃ التوبہ میں تین احکام تدبیر منزل سے متعلق ہیں جو کہ درجہ ذیل ہیں:

1. دغاباز اور مکار لوگوں سے لاتعلقی (سورۃ التوبۃ 84)
2. تعلق کا بنیاد اللہ کی خوشنودی (سورۃ التوبۃ 106)
3. سچوں سے تعلقات رکھنا (سورۃ التوبۃ 119)

پہلا حکم: باہم تعاون وتناصر کا معیار

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ[1]

اور نیکی اور تقوی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔"

تبیان القرآن

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بر یعنی نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے۔ بر سے مراد ہر وہ نیک کام ہے جس کا شریعت نے حکم دیا ہے اور تقوی سے مراد ہر اس کام سے اجتناب ہے جس کو کرنے سے

---

[1] سورۃ المائدۃ 02:05

شریعت نے روکا ہے اور فرمایا ہے: گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ گناہ سے مراد ہر وہ کام ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے اور ہر وہ کام جس پر لوگوں کے مطلع ہونے کو انسان ناپسند کرتا ہے اور ظلم کا معنی دوسرے کے حقوق میں تعدی اور تصرف کرنا اور اثم وعدوان سے مراد وہ تمام جرائم ہیں جن کی وجہ سے انسان اخروی سزا کا مستحق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے۔[1]

ہدایت القرآن

سعید احمد پالن پوریؒ نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں ایک عنوان "ظلم وزیادتی نہ ابتداءً جائز ہے نہ رد عمل کے طور" قائم کیا ہے اور اس میں دو قاعدہ لکھے ہیں:

i. نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔

ii. گناہ اور ظلم وزیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد مت کرو۔

ان دونوں ضابطوں کا تعلق گزشتہ سبھی مسائل سے ہے، یعنی جو ان احکام پر عمل کرنا چاہے اس کی مدد کرو، اور ان کے خلاف کرنے لگے اس کی مدد مت کرو، اور دوسرے ضابطہ کے بعد جو وعید ہے اس کا مقابل پہلے ضابطہ کے بعد محذوف ہے یعنی نیکی کے کاموں میں مدد کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرمائیں گے۔

ان دونوں ضابطوں سے معلوم ہوا کہ جو حکم اصل کا ہوتا ہے وہ ذرائع کا ہوتا ہے اور جو بات دین میں مطلوب ہو اس میں تعاون بھی اسی درجہ مطلوب ہوگا، اور جو بات گناہ ہو اس میں تعاون بھی اسی درجہ کا گناہ ہوگا، اسی لیے حدیث میں سودی معاملہ میں تعاون کرنے والوں کو اور شراب پینے میں تعاون کرنے والوں کو برابر درجہ کا گناہ گار قرار دیا ہے۔[2]

اطلاق و تطبیق

گھر کے اندر اور باہر یار دوستوں کے ساتھ بہترین تعلقات جس سے تعبیر رفاقت کے ساتھ ہوتی ہے کے لیے باہمی تعاون وتناصر کا جذبہ ہونا لازمی ہے جس کا مذکورہ آیت میں حکم دیا گیا ہے۔ علامہ غلام رسول سعیدی اس

---

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:48

[2] پالن پوری، سعید احمد، ہدایت القرآن، ج:2، ص:218-219

آیت کی تفسیر تعاون علی البر میں بر کا مصداق ہر اس قول وعمل کو قرار دیا ہے جس کا شریعت نے حکم دیا۔

علامہ سعید احمد پالن پوری نے تفسیر ہدایت القرآن اس آیت کی ضمن میں دو قاعدے مرتب کیے ہیں اور پھر ان قواعد کو ان تمام مسائل پر منطبق کیا ہے۔ اس کے بعد اس تعاون کا شرعی حکم بھی بیان کیا ہے۔

دوسرا حکم: پاک دامن کتابیہ عورت سے نکاح

" وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ"[1]

"اور ان لوگوں میں سے پاک دامن عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی جبکہ تم نے ان کو نکاح کی حفاظت میں لانے کے لیے ان کے مہر دے دیے ہوں، نہ تو (بغیر نکاح کے) صرف ہوس نکالنا مقصود ہو اور نہ خفیہ آشنائی پیدا کرنا۔"

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی اہل کتاب مردوں سے مسلمان عورتوں کے نکاح ناجائز ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ذبیحہ کے بیان میں جانبین سے حکم فرمایا کہ اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے اور تمہار ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور نکاح کے متعلق فرمایا: اور اہل کتاب کی عورتیں تمہارے کے لیے حلال ہیں۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ تمہاری عورتیں ان کے لیے حلال ہیں۔ سو نکاح میں صرف ایک جانب سے حلت ہے اور وجہ فرق ظاہر ہے کیونکہ مسلمانوں اور اہل کتاب میں دونوں طرف سے طعام حلال ہونا کسی شرعی خرابی کو مستلزم نہیں ہے اور اگر نکاح میں بھی دونوں جانب سے جواز ہوتا اور مسلمان عورتوں کا اہل کتاب سے نکاح جائز ہوتا اور شوہر بیوی پر حاکم ہوتا ہے تو مسلمان عورت پر کافر مرد کا غلبہ ہوتا اور یہ شرعاً ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا"[2]

"اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں پر غالب آنے کا ہرگز کوئی راستہ نہیں رکھے گا۔"

اس کے بعد اہل کتاب عورتوں سے مسلمان مردوں کے نکاح حال ہونے کی وجہ بیان فرمائی ہیں: اس تخصیص کی بھی وجہ یہ ہے کہ اسلام اور اہل کتاب کے دین میں بنیادی امور مشترک ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو فرشتوں کو

---

[1] سور المائدۃ 05:05

[2] سورۃ النساء 141:04

، آسمانی کتابوں کو، انبیاء علیہم السلام کو، مرنے کے بعد اٹھنے کو، جزاو سزا کو اور جنت و دوزخ کو یہ سب مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ جن رشتوں سے اسلام میں نکاح حرام ہے اصل کتاب کے نزدیک بھی ان سے نکاح حرام ہے۔ موجودہ چھپی ہوئی کتاب مقدس میں لکھا ہوا ہے:

> تو اپنی ماں کے بدن کو جو تیرے باپ کا بدن ہے بے پردہ نہ کرتا کیونکہ وہ تیری ماں ہے تو اس کے بدن کو بے پردانہ کریں، تو اپنے باپ کی بیوی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا، کیونکہ وہ تیرے باپ کا بدن ہے تو اپنی بہن کے بدن کو چاہے، وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو چاہے، تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو خواہ اور کہیں، بے پردہ نہ کرناں، تو اپنی پوتی یا نواسی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ ان کا بدن تو تیرا ہی بدن ہے، تو اپنی پھوپھی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے باپ کی قریبی رشتہ دار ہے، تو اپنی خالہ کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا، کیونکہ وہ تیری ماں کی قریبی رشتہ دار ہے، تو اپنے باپ کے بھائی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا یعنی اس کی بیوی کے پاس نہ جانا وہ تیری چچی ہے تو اپنی بہو کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے بیٹے کی ہوئی ہے سو تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا، تو اپنی بھاوج کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا اور نہ تو اس عورت کی پوتی یا نواسی سے بیاہ کر کے ان میں سے کسی کے بدن کو بے پردہ کرنا کیونکہ وہ دونوں اس صورت کی قریبی رشتہ دار ہیں۔ یہ بڑی خباثت ہے تو اپنی سالی سے بیاہ کر کے اسے اپنی بیوی کی سوکن نہ پاتا کہ دوسری کے جیتے جی اس کے بدن کو بھی بے پردہ کرے اور تو عورت کے پاس جب تک وہ حیض کے سب سے ناپاک ہے اس کے بدن کو بے پردہ کرنے کے لیے نہ جانا۔[1]

علامہ غلام رسول سعیدی آزاد اور پاک دامن عورتوں کی تخصیص کی وجہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے اے مسلمانوں تمہارے لیے آزاد مسلمان عورتیں اور یہودیوں اور عیسائیوں کی عورتیں خواہ ذمی ہوں یا حربی ہوں، حلال کر دی گئی ہیں۔ جب تم ان کے مہر ادا کرو۔ مہر کا ذکر اس لیے کیا ہے تاکہ اس کا وجوب اور موکد ہونا ظاہر ہو۔ یہ نکاح کے حلال ہونے کی شرط نہیں ہے اور آزاد عورتوں کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ مسلمان باندیوں سے نکاح کرنے کی بہ نسبت آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنا اولی اور رائج ہے اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ مسلمان باندیوں سے نکاح کرتا جائز نہیں ہے۔

نیز اللہ تعالی نے فرمایا ہے اور آنحالیکہ تم ان کو نکاح کی قید میں لانے والے ہو نہ اعلانیہ بدکاری کرنے والے

---

[1] پرانا عہد نامہ (لاہور: بائبل سوسائٹی) احبار، باب 18، آیت 7-19

اور نہ خفیہ طریقہ سے آشنا بنانے والے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے مسلمان آزاد عورتوں سے نکاح حلال کیا گیا ہے جبکہ تم آزاد عورتوں سے نکاح کر کے اپنے آپ کو زنا سے بچاؤ۔ نہ ظاہراً بدکاری کرو اور نہ خفیہ طریقہ سے بدکاری کرو۔ یعنی صحیح اور قانونی طریقہ سے خواہش نفس پوری کرو اور اعلانیہ اور خفیہ طریقہ سے بدکاری سے اجتناب کرو۔ پھر اللہ تعالی نے وعید فرمائی کہ اگر کسی شخص نے ان احکام شرعیہ کی جائز سمجھ کر مخالفت کی تو وہ کافر ہو جائے گا، دنیا میں اس کے عمل ضائع ہو جائیں گے اور آخرت میں وہ عذاب کا مستحق ہو گا۔[1]

ہدایت القرآن

علامہ سعید احمد پالن پوریؒ پاک دامن کتابی عورت سے نکاح کے متعلق لکھتے ہیں کہ کتابیہ سے نکاح شرائط و مقاصد نکاح کا لحاظ کر کے جائز ہے۔ اب اس کی نظیر بیان کرتے ہیں: اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح بھی جائز ہے، جب کہ عورت عفیفہ ہو، اور اس کو مہر دیا جائے، اور نکاح کا مقصد عفت (پاک دامنی) ہو، زنا کرنے والا اور خفیہ آشنائی کرنے والا نہ ہو، بلکہ باقاعدہ پیام دے کر نکاح کرے جس طرح مسلمان عورت سے کیا جاتا ہے، اور یہ ترجیحی شرطیں ہیں، جیسے سورۃ النور کے شروع میں زانی اور زانیہ سے نکاح کی ممانعت ہے، مگر نکاح ہو جاتا ہے، اسی طرح کتابی عورت سے کو (محبت) کا نکاح کیا جائے تو بھی ہو جاتا ہے، البتہ مسلمان عورت کا نکاح کتابی مرد سے درست نہیں، اس لئے اس کا تذکر نہیں کیا، خاموشی اختیار کی، کیونکہ محل بیان میں خاموشی دلیل نفی ہوتی ہے، جیسے تعدد ازدواج کی اجازت چار پر روک دی معلوم ہوا کہ بیک وقت پانچ عورتوں سے نکاح درست نہیں، اور اس وجہ سے دوسری بات میں بے ضرورت بھی مشاکلہ: وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ کے بڑھایا تھا، اور اس تیسرے مسئلہ میں خاموشی اختیار کی، یہ دلیل نفی ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح مسلمان مرد کے سوا کسی سے نہیں ہو سکتا۔[2]

آگے کتابی کے ذبیحہ کی حلت اور کتابی عورت سے نکاح کا جواز بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہود و نصاری کے ساتھ رواداری اور تعلقات کی استواری کے لئے ہے، اور اسی مقصد سے نبی ﷺ نے غزوہ خیبر کے بعد حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا، تاکہ یہود قریب آئیں مگر وہ بے بہود اور دور ہو گئے! اور عورت مرد کے زیر اثر ہوتی ہے، پس کتابی عورت سے نکاح کے جواز میں عورت کی اخروی مصلحت بھی پیش نظر ہے، اور مسلمان عورت کے کتابی سے نکاح کے جواز میں اس کے دین کا خطرہ ہے، اس لئے جائز نہیں۔[3]

---

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:91-92

[2] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:331

[3] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:331

کچھ آگے محبت اور خفیہ آشنائی کے نکاح کے خطرات اور نقصانات واضح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

جہاں عورتیں مردوں کے زیر اثر نہیں، جیسے مغربی ممالک میں، وہاں اگر محبت کی بنیاد پر نکاح ہو گا یا خفیہ آشنائی نکاح کا سبب ہو گی تو خطرہ ہے، اولاد تو ماں کے ساتھ چرچ میں جائے گی، اور ممکن ہے شوہر بھی مرتد ہو جائے، اس لئے آخر آیت میں تنبیہ کی ہے کہ اگر شوہر نے ایمان چھوڑ دیا یا اولاد کو برباد کیا تو وہ آخرت میں ماخوذ ہو گا، اور اس کا سب کیا کرایا کارت جائے گا۔[1]

زنا اور نکاح میں فرق درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

معشوقہ (Girl Friend) سے بڑھاپے میں تعلق ٹوٹ جاتا ہے، اور بیوی سے بڑھ جاتا ہے، اور مرنے کے بعد تو وہ دل سے نہیں نکلتی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہمیشہ نبی ﷺ کے دل میں رہیں۔[2]

اطلاق و تطبیق

تدبیر منزل میں نکاح بھی شامل ہے۔ مذکورہ آیت میں اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کا جواز بیان ہوا ہے۔ اس آیت کی ضمن میں علامہ غلام رسول سعیدی نے پہلے تو اہل کتاب مردوں سے مسلمان عورتوں کی نکاح جائز نہ ہونے کی وجہ بیان فرمائی ہے۔ اس کے بعد اہل کتاب عورتوں سے مسلمانوں مردوں کے نکاح جائزہ ہونے کی وجہ تحریر کی ہے۔ فحاشی، بے حیائی اور زنا کی مذمت بائبل کے حوالے سے بیان کی ہے۔

علامہ سعید احمد پالن پوری نے تفسیر ہدایت القرآن میں کتابیہ عورت سے نکاح شرائط و مقاصد کا لحاظ کر کے جائزہ و حلال ہے اور پھر وہ شرائط و مقاصد بیان کیے ہیں۔ کتابی عورت سے نکاح کا جواز اور نبی کریم ﷺ کا صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا مقصد واضح کیا ہے۔ اس کے بعد زنا اور نکاح میں فرق بیان کیا ہے۔

تیسرا حکم: دین کا تعلق رشتہ داری اور دوستی سے مقدم

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ "[3]

"اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ بھائی کفر کو ایمان کے مقابلے میں ترجیح دیں تو ان کو اپنا سرپرست نہ بناؤ۔ اور جو لوگ ان کو سرپرست بنائیں گے وہ ظالم ہوں گے۔"

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:331

[2] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:332

[3] سورۃ التوبہ 23:09

تبیان القرآن

کفار کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کے متعلق علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں: اس آیت میں تمام مومنین سے خطاب ہے اور اس کا حکم قیامت تک باقی ہے اور اس آیت میں مسلمانوں کو کفار کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرمادیا ہے، لیکن مسلمان ملکوں میں جو کافر مسلمانوں کی اجازت سے رہتے ہیں ان کے ساتھ خرید و فروخت مزدوری کرنے اور مزدوری کرانے اور ملکی، ملی اور سماجی امور میں ان سے تعاون کرنا جائز ہے۔ اللہ تعالی نے ان سے دوستی اور محبت رکھنے سے منع کیا ہے، اس آیت میں فرمایا ہے: تم اپنے کافر باپ دادا اور بھائیوں سے دوستی اور محبت نہ رکھو۔ اس آیت میں بیٹوں کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ بیٹے باپ کے تابع ہوتے ہیں اور فرمایا ہے: تم میں سے جو لوگ ان کو دوست بنائیں گے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ لوگ مشرک ہیں کیونکہ جو شخص شرک کے ساتھ راضی ہو وہ مشرک ہے لیکن یہ اس پر محمول ہے کہ جب وہ ان کے شرک کی وجہ سے ان کو پسند کرے اور اس وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے تو وہ حرام کا مرتکب ہو رہا ہے اور مشرک نہیں ہو گا۔

یہود و نصاری اور دیگر کافروں سے دوستی اور محبت کا تعلق رکھے بغیر مسلمانوں کے مفاد میں ان سے دفاعی اور تجارتی معاہدے کرنے جائز ہیں، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہودیوں سے معاہدے کیے اور حدیبیہ میں مکہ کے کافروں سے معاہدہ کیا اور آپ نے معاہدہ کی پابندی فرمائی تو ضرورت کی بنا پر کافر ملکوں سے معاہدے کرنا جائز ہیں۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے ماں باپ کافر ہیں تو ان سے صلہ رحم کرنا اور کافر رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنا بھی جائز ہے۔[1]

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا "[2]

" دنیا میں مشرک ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

اور حدیث شریف میں ہے:

" حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں، انہوں نے کہا میرے پاس میری ماں آئیں در آنحالیکہ وہ مشرکہ تھیں اور جب قریش نے مسلمانوں سے معاہدہ کیا تھا تو وہ ان کے ساتھ تھیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یارسول اللہ! میرے پاس میرے پاس میری ماں آئی ہیں در آنحالیکہ وہ اسلم سے اعراض کرنے والی ہیں، کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحم

---

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ج:5، ص:100-101

[2] سورۃ لقمان 15:31

کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحم کرو۔"[1]

ہدایت القرآن

بہر حال رشتہ داری اور دوستی کے تعلقات سے دین کا تعلق مقدم ہے اس لئے جو تعلق اس سے ٹکرائے وہ توڑنے کے قابل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی یہی شان تھی انہوں نے رسول اللہ ﷺ پر اپنی جان، مال اور ہر رشتہ کو قربان کر دیا تھا، حبشہ کے حضرت بلال، روم کے حضرت صہیب، فارس کے حضرت سلمان، مکہ کے مہاجرین اور مدینہ کے انصار رضی اللہ عنہم بھائی بھائی ہو گئے تھے، اور بدر اور احد کے میدانوں میں باپ بیٹے اور بھائی بھائی دست و گریبان ہو گئے تھے۔ یہ جذبہ توحید اور کامل انقیاد کی کرشمہ سازی تھی۔[2]

اطلاق و تطبیق

سورۃ التوبہ کی مذکورہ بالا آیت میں اسلامی رشتوں کی اہمیت اجاگر کی گئی ہے اور یہ بات واضح کی ہے کہ مسلمان اور کافر کے درمیان رشتہ نہیں ہو سکتا۔ علامہ غلام رسول سعیدی نے تفسیر تبیان القرآن میں کفار کے ساتھ مسلمانوں کس حد تک جائز ہے اور کس حد تک ناجائز، پر سیر حاصل بحث کیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس آیت کا حکم تا قیامت باقی کہ مسلمان کافروں کے ساتھ دوستی نہیں کر سکتا۔ دوسرا یہ کہ اس آیت میں بیٹوں کو ذکر نہ کی وجہ بتایا ہے۔ مزید لکھتے ہیں کہ کاروبار لین دین اور تعلقات کافروں کے ساتھ رکھنا جائز ہے۔ والدین اگر کافر ہو تو ان کے ساتھ صلہ رحمی سے منع نہیں ہے پھر اس کے متعلق آیت اور اسماء رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے۔

علامہ سعید احمد پالن پوری نے واضح کیا کہ دین کا تعلق اور رشتہ خاندانی رشتوں اور دوستی سے مقدم ہے۔

چوتھا حکم: بھائیوں کے درمیان تعلقات

"وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَىْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَ لَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ"[3]

"اور (اے پیغمبر) ان کے سامنے آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناؤ۔ جب دونوں

---

[1] بخاری، صحیح بخاری، کتاب الجریۃ والموادعۃ، باب، حدیث نمبر:3183، حدیث یوں ہے:

عن اسماء ابنة ابي بكر رضي الله عنهما، قالت: قدمت علي امي وهي مشركة في عهد قريش إذ عاهدوا رسول الله صلى الله عليه وسلم ومدتهم مع ابيها فاستفتت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالت: يا رسول الله إن امي قدمت علي وهي راغبة افاصلها، قال:" نعم صليها"

[2] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:248

[3] سورۃ المائدۃ 27:05

نے ایک ایک قربانی پیش کی تھی، اور ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوگئی، اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ اس (دوسرے نے پہلے سے) کہا کہ: میں تجھے قتل کرڈالوں گا۔ پہلے نے کہا کہ اللہ توان لوگوں سے (قربانی) قبول کرتا ہے جو متقی ہوں۔"

ہدایت القرآن

سعید احمد پالن پوری لکھتے ہیں: دشمن ہمیشہ غیر نہیں ہوتا، اپنے بھی دشمن ہوتے ہیں، بھائی بھائی کا گلا کاٹتا ہے۔ مضمون چلا آرہاہے کہ مشرکین، یہود اور نصاری تمہارے دشمن ہیں، وہ ہر وقت تمہارے نقصان کے درپے رہتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرتے ہیں، یہ تم پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے۔ اب ایک واقعہ کے ضمن میں یہ بتاتے ہیں کہ دشمن ہمیشہ غیر نہیں ہوتا، کبھی اپنے بھی دشمن ہوتے ہیں، بھائی بھائی کا گلا کاٹتا ہے۔[1]

یہ تفصیل تبیان القرآن میں موجود نہیں ہے۔

پانچواں حکم: انسانی زندگی کا احترام

"مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَ مَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ"[2]

"اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جو کوئی کسی کو قتل کرے، جبکہ یہ قتل نہ کسی اور جان کا بدلہ لینے کے لیے ہو اور نہ کسی کے زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے ہو، تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کو قتل کردیا اور جو شخص کسی کی جان بچالے تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کی جان بچالی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پیغمبر ان کے پاس کھلی کھلی ہدایات لے کر آئے، مگر اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتیاں ہی کرتے رہے ہیں۔"

تبیان القرآن

ایک انسان کو قتل کرنا تمام انسانوں کے برابر کس طرح ہوگا؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے علامہ غلام رسول سعیدی رقم طراز ہیں:

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جس نے بغیر قصاص یا بغیر زمین میں فساد کے قتل کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:256

[2] سورۃ المائدۃ 32:05

قتل کرنے کی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔

i. ایک وجہ قصاص ہے۔

ii. دوسری وجہ کسی کافر کا مسلمان سے جنگ کرتا ہے۔

iii. تیسری وجہ ارتداد ہے۔

iv. چوتھی وجہ شادی شدہ کا زنا کرتا ہے۔

v. پانچ میں وجہ زمین میں ڈاکہ ڈالنا ہے۔

پہلی وجہ کا اس آیت میں صراحتاً ذکر ہے اور پانچویں وجہ یعنی ڈاکہ کا اس آیت کے بعد والے حصہ میں تفصیلی بیان آرہا ہے۔ باقی ماندہ تین وجوہات زمین میں فساد پھیلانے کے ضمن میں آگئیں۔ اس لیے فرمایا: جس نے بغیر قصاص یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے کے قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا۔

اس کے بعد علامہ غلام رسوم سعیدی نے مذکورہ آیت پر ایک اشکال پیش کیا ہے اور پھر اس کا جواب دیا ہے ،وہ لکھتے ہیں:

اس آیت پر یہ سوال ہے کہ ایک انسان کو قتل کرنا تمام انسانوں کو قتل کرنے کے کیسے مساوی ہو سکتا ہے؟ حتی کہ اس آیت میں ایک انسان کے قتل کو تمام انسانوں کے قتل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے یہ مقصود بے قصور انسان کو عمداً قتل کرنا اللہ تعالی کے نزدیک اتنا بڑا جرم ہے جتنا تمام انسانوں کو قتل کر دینا۔ اسی لیے اللہ تعالی نے ایک مسلمان کو عمداً قتل کرنے کی سزا جہنم مقرر کی۔ اس پر اپنا غضب نازل کیا اور لعنت کی اور اس کے لیے عذابِ عظیم تیار کیا اور اگر کوئی شخص تمام انسانوں کو قتل کر دیتا تب بھی اس کی یہی سزا ہوتی۔ نیز اگر تمام انسان کسی ایک بے قصور انسان کے قتل میں عمداً شریک ہوں تو ان سب کو قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی ایک بے قصور انسان کو عمداً قتل کرنا اتنا سنگین جرم ہے جو تمام انسانوں کو قتل کرنے کے برابر ہے۔[1]

ہدایت القرآن

قابیل نے بھائی کو ناحق قتل کیا اور انسانوں میں ناحق قتل کا سلسلہ شروع ہو تو تورات میں یہ مضمون اتارا کہ جو شخص کسی کو ناحق قتل کرتا ہے وہ انسانی زندگی کا احترام نہیں جانتا پس وہ بہت سے انسانوں کو قتل کر سکتا ہے۔ حدیث میں ایک اسرائیلی کا واقعہ ہے۔ اس نے ننانوے قتل کئے تھے پھر توبہ کرنی چاہی۔ ایک بزرگ سے مسئلہ پوچھا

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:160

کہ میری توبہ قبول ہو گی؟ اس نے جواب دیا: نہیں۔ ایک قتل بخشا نہیں جاتا، ننانوے کیسے بخشے جائیں گے؟ اس نے اس بزرگ کو بھی قتل کر دیا اور سو کی تعداد پوری کر لی۔[1] اسی طرح قاتل جیل سے نکلتے ہی قتل کرتا ہے۔ اس کے نزدیک انسانی زندگی کا کوئی احترام نہیں۔ اور جو شخص انسانی زندگی کی اہمیت اور حرمت سمجھتا ہے وہ لوگوں کی جانیں بچاتا ہے، خود کو خطرے میں ڈالتا ہے اور ڈوبتے کو بچاتا ہے، یہ سب کو زندہ کرنا ہے۔[2]

اطلاق و تطبیق

تدبیر منزل کے لیے لازمی ہے کہ انسانی زندگی کا احترام ہو۔ علامہ غلام رسول سعیدی نے پہلے قتل کے پانچ وجوہات بیان کی ہیں اور اس آیت پر وارد ہونے سوال (کہ ایک انسان کو قتل کرنا تمام انسانوں کے قتل کے کیسے مساوی ہے؟) کا تسلی بخش جواب دیا ہے۔

جب کہ علامہ سعید احمد پالن پوری نے اس آیت کی تفسیر میں انسانی زندگی کے احترام پر بحث کیا ہے اور پھر اس کے متعلق بنی اسرائیل کے ننانوے آدمیوں کو مارنے والے قاتل کی روایت نقل کی ہے۔

چھٹا حکم: زنا کا سدِ باب

"يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ"[3]

"اے پیغمبر! جو لوگ کفر میں بڑی تیزی دکھا رہے ہیں وہ تمہیں غم میں مبتلا نہ کریں یعنی ایک تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے زبان سے تو کہہ دیا ہے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، مگر ان کے دل ایمان

---

[1] بخاری، صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب بلا ترجمۃ الباب، حدیث نمبر:3470۔ حدیث یوں ہے:

"كان في بني إسرائيل رجل قتل تسعة وتسعين إنسانا ثم خرج يسال فاتى راهبا فساله، فقال له: هل من توبة؟، قال: لا، فقتله فجعل يسال، فقال له: رجل ائت قرية كذا وكذا فادركه الموت فناء بصدره نحوها فاختصمت فيه ملائكة الرحمة وملائكة العذاب فاوحى الله إلى هذه ان تقربي، واوحى الله إلى هذه ان تباعدي، وقال: قيسوا ما بينهما فوجد إلى هذه اقرب بشبر فغفر له"

[2] پالن پوری، تبیان القرآن، ج:2، ص:259

[3] سورۃ المائدۃ 41:05

نہیں لائے، اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے (کھلے بندوں) یہودیت کا دین اختیار کر لیا ہے۔ یہ لوگ جھوٹی باتیں کان لگا لگا کر سننے والے ہیں (اور تمہاری باتیں) ان لوگوں کی خاطر سنتے ہیں جو تمہارے پاس نہیں آئے جو (اللہ کی کتاب کے) الفاظ کا موقع محل طے ہو جانے کے بعد بھی ان میں تحریف کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو اس کو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ دیا جائے تو بچ کر رہنا۔ اور جس شخص کو اللہ فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کر لے تو اسے اللہ سے بچانے کے لیے تمہارا کوئی زور ہر گز نہیں چل سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ (ان کی نافرمانی کی وجہ سے) اللہ نے ان کے دلوں کو پاک کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور انہی کے لیے آخرت میں زبردست عذاب ہے۔"

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی نبی ﷺ کا یہودی زانیوں کو رجم کرانے کے متعلق روایات نقل کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یہودی مرد اور عورت کو لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ یہود کے پاس تشریف لے گئے آپ نے فرمایا جو شخص زنا کرے اس کے متعلق تمہارے نزدیک تورات میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا ہم ان کا منہ کالا کر کے ان کو سواری پر بٹھاتے ہیں اور دونوں کے چہرے مخالف جانب میں کرتے ہیں پھر ان کا چکر لگایا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ۔ وہ تورات لے کر آئے اور اس کو پڑھا اور جب رجم کی آیت سے گزرے تو پڑھنے والے نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس کے آگے اور پیچھے سے پڑھا۔ حضرت عبد اللہ بن سلام اللہ آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا آپ اس سے فرمائیں کہ اپنا ہاتھ اٹھائے جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے رجم کی آیت تھی پھر رسول اللہ علیہ کے حکم سے ان کو رجم کیا گیا۔[1]

ہدایت القرآن

[1] بخاری، صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب احکام اھل الذمۃ، حدیث نمبر: 6450۔ بخاری میں حدیث یوں ہے:
"عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما أنه قال إن اليهود جاءوا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكروا له أن رجلا منهم وامرأة زنيا فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم ما تجدون في التوراة في شأن الرجم فقالوا نفضحهم ويجلدون قال عبد الله بن سلام كذبتم إن فيها الرجم فأتوا بالتوراة فنشروها فوضع أحدهم يده على آية الرجم فقرأ ما قبلها وما بعدها فقال له عبد الله بن سلام ارفع يدك فرفع يده فإذا فيها آية الرجم قالوا صدق يا محمد فيها آية الرجم فأمر بهما رسول الله صلى الله عليه وسلم فرجما فرأيت الرجل يحني على المرأة يقيها الحجارة"

خیبر کے ایک یہودی اور یہودیہ نے زنا کیا۔ دونوں شادی شدہ تھے۔ اس کی سزا تورات میں سنگساری تھی، مگر یہود میں ان کو سزا دینے کے بارے میں اختلاف ہوا۔ وہ لوگ شریف کو کچھ سزا دیتے تھے اور رذیل کو کچھ۔ زانی اور زانیہ بڑے لوگ تھے یا معمولی؟ اس میں اختلاف ہوا۔ انہوں نے سوچا کہ نبی ﷺ کی شریعت میں آسانی ہو، اس لیے اس کا فیصلہ ان سے کرایا جائے تاکہ وہ اللہ کے سامنے یہ عذر کر سکیں کہ یہ آپ کے نبی ﷺ کا فیصلہ تھا، پس آپ جانیں اور وہ جانیں!

پھر ان کے بڑے تو آئے نہیں، چھوٹوں کو زانی اور زانیہ کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔ مدینہ کے یہودی منافق بھی ان کے ساتھ ہو گئے، ان عوام کو ان کے بڑوں نے سمجھا دیا تھا کہ اگر نبی ﷺ کالا منہ کر کے تشہیر کرنے کا فیصلہ کریں تو اس پر عمل کرنا، اور سنگساری کا فیصلہ کریں تو اس پر عمل مت کرنا۔

یہ مقدمہ آپ کے پاس آیا، آپ نے پوچھا تمہاری شریعت میں شادی شدہ کے زنا کی کیا سزا ہے؟ انھوں نے کہا: زانی زانیہ کا منہ کالا کر کے ان کی تشہیر کی جاتی ہے، آپ کو وحی سے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی سزا تورات میں سنگساری ہے، یہ آیات نازل ہو چکی تھیں، چنانچہ آپ نے فرمایا: تورات لاؤ! تورات لائی گئی، اور خیبر میں فدک نامی گاؤں کے ایک بڑے یہودی عالم عبد اللہ بن صوریا کو بلایا گیا، اس نے پڑھنا شروع کیا، وہ رجم کی آیت چھوڑ گیا، حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے چوری پکڑی کہ بیچ کی ایک آیت کیوں چھوڑی؟ عبد اللہ بن صوریا کو مجبوراً وہ آیت پڑھنی پڑی، اس میں سنگسار کرنے کا حکم تھا، ابن صوریا نے کہا: ہم نے اس حکم میں تبدیلی کر دی ہے، جب یہود میں بڑے لوگ زنا کرنے لگے تو بڑے لوگوں نے سزا میں تخفیف کر دی، اب ہم زانی زانیہ کا منہ کالا کر کے گدھے پر الٹا بٹھا کر شہر میں گھماتے ہیں! پس نبی صلی ﷺ نے حکم دیا کہ تورات کے حکم کے مطابق دونوں کو سنگسار کر دیا جائے، اور فرمایا: میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے اس حکم کو زندہ کیا جس کو تم نے مار دیا تھا؟[1]

اطلاق و تطبیق

مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں دونوں مفسرین نے یہودی مرد و عورت کی زنا اور ان کے رجم کا واقعہ نقل کیا ہے۔

سورۃ التوبۃ میں پہلا حکم: دغاباز اور مکار لوگوں سے لاتعلقی

"وَ لَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:270

وَ مَاتُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ "[1]

"اور (اے پیغمبر) ان (منافقین) میں سے جو کوئی مر جائے، تو تم اس پر کبھی نماز (جنازہ) مت پڑھنا، اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔ یقین جانو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کا رویہ اپنایا، اور اس حالت میں مرے ہیں کہ وہ نافرمان تھے۔"

تبیان القرآن

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی اہانت اور ان کی مذمت کرنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں ان کی مزید اہانت کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے سے بھی منع فرمادیا اور اس سے بڑی اور کیا مذمت ہو گی؟[2]

ہدایت القرآن

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مدینہ شریف میں بارہ منافقوں کا ایک گروہ تھا جو رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی مخالفت کر کے گھر بیٹھے رہنے پر گھی کے چراغ جلا رہا تھا جنہیں جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کرنا گوارا نہیں تھا جو دوسروں کو بہلا پھسلا کر بلا کی گرمی سے ڈرا کر غزوہ میں جانے سے روک رہا تھا۔ ایسے شریروں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے؟ ان آیتوں میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ دنیا میں تو آئندہ کے لئے ان کا نام مجاہدین اسلام کی فہرست سے خارج کر دیا جائے اور کسی جہاد میں ان کو شرکت کی اجازت نہ دی جائے اور مرنے کے بعد ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، نہ آپ اس لیے ہم ان کے لئے مغفرت کی دعا کریں اور نہ ان کے کفن و دفن میں شرکت فرماویں۔[3]

اطلاق و تطبیق

تدبیر منزل کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ برے لوگوں سے تعلقات توڑ لیے جائیں۔ مذکورہ آیت یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ علامہ غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے منافقین کی اہانت اور مذمت ثابت ہوتی ہے۔

---

[1] سورۃ التوبہ 84:09

[2] سعیدی، تبیان القرآن، ج:5، ص:217

[3] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:343

علامہ سعید احمد پالن پوری نے تفسیر ہدایت القرآن میں اس آیت کا شان نزول بیان کیا ہے کہ اس آیت کا مصداق بارہ منافقین ہیں جن سے قطع تعلق کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے۔

دوسرا حکم: تعلق کا بنیاد اللہ کی خوشنودی

"وَ اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَ اِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ"[1]

"اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا فیصلہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی کر دیا گیا ہے، یا اللہ ان کو سزا دے گا، یا معاف کر دے گا، اور اللہ کامل علم والا بھی ہے، کامل حکمت والا بھی۔"

ہدایت القرآن

جن لوگوں نے غزوہ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی مسلمان ان سے کھنچے کھنچے رہنے لگے تھے اسی وجہ سے منافقین بار بار جھوٹی قسمیں کھا کر مسلمانوں کو خوش کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ان ساتھیوں سے بھی جنہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی میں قید کر دیا تھا، مسلمان بے تعلق ہو گئے تھے۔ نہ کوئی ان کے ساتھ بولتا تھا نہ ان کے پاس بیٹھتا تھا لیکن چند روز بعد جب ان کی توبہ قبول ہو گئی تو مسلمانوں کے دلوں سے بھی میل دور ہو گیا۔[2] وہ بدستور بھائی بھائی اور باہم شیر و شکر بن گئے۔ نیک لوگوں کے باہمی تعلقات سونے کے برتن کی طرح ہیں جو دیر سے ٹوٹتا ہے اور جلد جڑتا ہے۔ اور برے لوگوں کے تعلقات مٹی کے برتن کی طرح ہیں جو ہر وقت ٹوٹنے کے لئے تیار رہتا ہے اور کبھی بھی جڑ نہیں سکتا؟[3]

یہ تفصیل تبیان القرآن میں مذکور نہیں ہے۔

تیسرا حکم: سچوں سے تعلقات رکھنا

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ "[4]

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔"

تبیان القرآن

---

[1] سورۃ التوبہ 106:09

[2] ابن ہشام، سیرۃ ابن ہشام، ج:2، ص:237

[3] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:372-373

[4] سورۃ التوبہ 119:09

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ اس نے تین مسلمانوں کی توبہ قبول فرمائی، اور ان کی توبہ ان کے سچ بولنے کی وجہ سے قبول فرمائی تھی اس لیے اس آیت میں سچوں کے ساتھ رہنے کا ذکر فرمایا، نیز ان کا تصور یہ تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل نہیں کیا تھا اور آپ کے ساتھ غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے، اس لیے اس آیت میں پہلے یہ حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کرو۔ سچوں سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے "کے اصحاب ہیں[1]، ضحاک نے کہا حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور ان کے اصحاب مراد ہیں، حسن بصری نے کہا اگر تم دنیا میں سچوں کے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو دنیا میں بے رغبتی رکھو اور دوسرے ادیان سے بچو۔[2]

ہدایت القرآن

آخر میں فرمایا اے ایمان والو! اللہ پاک سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھی بنو۔ یعنی سچوں کی صحبت رکھو، اور انہی جیسے کام کرو۔ دیکھ لو یہ تین شخص سچ ہی کی بدولت بخشے گئے ہیں اور مقبول ٹھہرے ہیں برخلاف منافقین کے کہ انہوں نے جھوٹ بولا، اللہ پاک کا ڈر دل سے نکال دیا تو وہ دوزخی ٹھہرے۔[3]

اطلاق و تطبیق

تدبیر منزل کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ سچے اور ایماندار لوگوں تعلقات رکھے جائیں جن کا مذکورہ آیت میں حکم دیا گیا اور دونوں مفسرین اس کی مزید وضاحت کی ہے۔

---

[1] ابن جریر طبری، جامع البیان فی تاویل آی القرآن، ج:14، ص:559

[2] ابن جریر طبری، جامع البیان فی تاویل آی القرآن، ج:14، ص:559-سعیدی، تبیان القرآن، ج:5، ص:290

[3] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:408

فصل سوم: تبیان القرآن اور ہدایت القرآن میں سیاست مدنیہ کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ

قرآن مجید کی تعلیمات میں اسلامی معاشرتی نظام کی تشکیل کے لیے جامع اصول فراہم کیے گئے ہیں جو سیاست مدنیہ کے مختلف پہلوؤں کو شامل کرتے ہیں۔ "تبیان القرآن" اور "ہدایت القرآن" جیسے تفسیری ماخذوں میں سیاست مدنیہ کے اطلاق و تطبیق کے حوالے سے اہم نکات پیش کیے گئے ہیں۔ سیاست مدنیہ کا مقصد اسلامی ریاست کے قیام اور استحکام کے لیے قوانین اور اصولوں کو متعین کرنا ہے تاکہ عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ تشکیل دیا جاسکے۔

فصل سوم میں سیاست مدنیہ کے اطلاق و تطبیق کے علمی مطالعہ کے تحت سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبہ کی مخصوص آیات کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ سورۃ المائدۃ میں سیاست مدنیہ کے متعلق چودہ احکام بیان کیے گئے ہیں۔ ان احکام میں احکام شرعیہ میں عذروں کا لحاظ، سچی شہادت کی اہمیت، طلبِ منصب کی تحقیق، دشمنوں سے حفاظت، حکومت کے خلاف بغاوت، حدود کا حکم، فتنہ کی سرکوبی کے لیے جہاد، حدِ سرقہ کا قیام، رشوت کا سدِ باب، قانونِ قصاص کا قیام، عدل و انصاف کا قیام، وضعی اور شرعی قوانین میں فرق، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اور نظام مملکت کے لیے نقصان دہ چیزوں کا ذکر شامل ہیں۔ یہ احکام اسلامی ریاست کے نظم و نسق اور عدلیہ کے اصولوں کو مضبوط بناتے ہیں۔

اسی طرح، سورۃ التوبہ میں سیاست مدنیہ سے متعلق سات احکام بیان کیے گئے ہیں۔ ان احکام میں کفار کو ویزا دینا، اسلامی ملک میں غیر مسلم کے توہینِ رسالت کی سزا، مشروعیت جہاد کی حکمت، قانونِ جزیہ، جہاد کے لیے نکلنے کا وجوب، اسلامی حکومت کا فریضہ زکوۃ کا نظام، اور قیادت کے اوصاف شامل ہیں۔ یہ احکام اسلامی ریاست کے دفاع، امن و امان کے قیام، اور عدل و انصاف کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے نہایت اہم ہیں۔

اس علمی مطالعہ کا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں سیاست مدنیہ کے اصولوں کو سمجھا جائے اور ان کو عملی زندگی میں کس طرح اطلاق کیا جاسکتا ہے، اس کا جامع تجزیہ پیش کیا جائے۔ قرآن مجید کی یہ آیات ہمیں یہ سبق دیتی ہیں کہ اسلامی ریاست کی بنیاد کن اصولوں پر رکھی جانی چاہیے اور کس طرح ایک منظم اور مستحکم معاشرہ تشکیل دیا جاسکتا ہے۔ ان اصولوں کی عملی تطبیق سے نہ صرف ریاستی نظم و نسق بہتر ہو سکتا ہے بلکہ معاشرتی انصاف اور امن و امان کی فضا بھی قائم کی جاسکتی ہے۔

سورۃ المائدۃ میں سیاست مدنیہ کے متعلق چودہ احکام موجود ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1. احکام شرعیہ میں عذروں کالحاظ(سورۃ المائدۃ3)
2. سچی شہادت کی اہمیت(سورۃ المائدۃ8)
3. طلبِ منصب کی تحقیق(سورۃ المائدۃ8)
4. دشمنوں سے حفاظت(سورۃ المائدۃ11)
5. حکومت کے خلاف بغاوت(سورۃ المائدۃ33)
6. حدود کا حکم(سورۃ المائدۃ33)
7. فتنہ کی سرکوبی کے لیے جہاد(سورۃ المائدۃ35)
8. حدِ سرقہ کا قیام(سورۃ المائدۃ38)
9. رشوت کا سدِباب اور غیر مسلموں کے متعلق فیصلے(سورۃ المائدۃ42)
10. قانونِ قصاص کا قیام(سورۃ المائدۃ45)
11. عدل وانصاف کا قیام(سورۃ المائدۃ48)
12. وضعی اور شرعی قوانین میں فرق(49-50)
13. امر بالمعروف ونہی عن المنکر(سورۃ المائدۃ78-80)
14. نظام مملکت کے لیے نقصان دہ چیزیں(سورۃ المائدۃ90-91)

سورۃ التوبۃ میں سیاست مدنیہ سے متعلق سات احکام موجود ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

1. کفار کو ویزا دینا(سورۃ التوبۃ6)
2. اسلامی ملک میں غیر مسلم کے توہینِ رسالت کی سزا(سورۃ التوبۃ12)
3. مشروعیت جہاد کی حکمت(سورۃ التوبۃ13)
4. قانونِ جزیہ(سورۃ التوبۃ29)
5. جہاد کے لیے نکلنے کا وجوب(سورۃ التوبۃ38-39)
6. اسلامی حکومت کا فریضہ: زکوۃ کا نظام(سورۃ التوبۃ103)
7. قیادت کے اوصاف(سورۃ التوبۃ128)

پہلا حکم: احکام شرعیہ میں عذر کا لحاظ

" فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَۃٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ"[1]

"(لہذا اس دین کے احکام کی پوری پابندی کرو) ہاں جو شخص شدید بھوک کے عالم میں بالکل مجبور ہو جائے (اور اس مجبوری میں ان حرام چیزوں میں سے کچھ کھالے) بشرطیکہ گناہ کی رغبت کی بنا پر ایسا نہ کیا ہو، تو بیشک اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔"

ہدایت القرآن

علامہ سعید احمد پالن پوریؒ لکھتے ہیں: اسلامی مملکت کے احکام یا احکام شرعیہ کی پابندی ضروری ہے البتہ احکام شرعیہ میں اعذار کا لحاظ رکھا گیا ہے، سعید احمد پالن پوریؒ لکھتے ہیں کہ آخر آیت میں ایک خلجان کا جواب ہے: کوئی سوچ سکتا ہے کہ پوری شریعت پر ہر شخص کے لیے عمل کیسے ممکن ہے؟ آدمی کے ساتھ اعذار لگے ہوئے ہیں! اس کا جواب دیتے ہیں کہ اعذار کا احکام میں لحاظ رکھا گیا ہے۔ نابالغ پر نماز فرض نہیں۔ حالتِ حیض اور طویل بے ہوشی کی نمازیں معاف ہیں۔ کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھ بھی نہ سکے تو لیٹ کر پڑھے۔ زکوۃ ہر مال میں فرض نہیں، نصاب تجویز کیا ہے اور مال نامی (بڑھنے والے مال) میں زکوۃ فرض کی ہے، اور بیماری اور سفر میں روزہ رکھنے کی اجازت دی ہے۔ حج کے لیے زاد یعنی توشہ اور راحلہ یعنی سواری شرط کی ہے۔

اسی طرح اگر بھوک مری کی نوبت آجائے یا اکراہِ ملجئ ہو اور جان کا خطرہ ہو تو مردار وغیرہ حرام چیزیں استعمال کرنے کی گنجائش ہے، بشرط یہ کہ لُطف اندوز ہونا مقصود نہ ہو، نہ ضرورت سے زیادہ کھائے، پس جان بچالے![2]

یہ تفصیل ہدایت القرآن میں نہیں ہے۔

دوسرا حکم: سچی شہادت کی اہمیت

" یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ" [3]

" اے ایمان والو! ایسے بن جاؤ کہ اللہ (کے احکام کی پابندی) کے لیے ہر وقت تیار ہو (اور) انصاف کی گواہی دینے والے ہو، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم

---

[1] سورۃ المائدۃ 03:05

[2] پالن پوری، سعید احمد، ہدایت القرآن، ج:2، ص:225

[3] سورۃ المائدۃ 08:05

انصافی کرو۔ انصاف سے کام لو، یہی طریقہ تقوی سے قریب تر ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقینا تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔"

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی اسلامی مملکت کے نظام قضا میں شہادت کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: اس آیت میں دو حکم ہیں: حق پر مضبوطی سے قائم رہنا اور انصاف کے ساتھ گواہی دینا۔ اللہ تعالی کے تمام احکام کا خلاصہ بھی دو چیزیں ہیں۔ اللہ کی تعظیم اور بندوں پر شفقت کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور حق پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا اس کا تعلق اللہ کی تعظیم کے ساتھ ہے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینا اس کا تعلق بندوں پر شفقت کے ساتھ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے قرابت داروں اور دوستوں کی محبت کی وجہ سے شہادت دینے میں کوتاہی یا کمی نہ کرو اور اپنے مخالفوں اور دشمنوں سے بغض کی وجہ سے شہادت میں کوئی رد و بدل نہ کرو۔ صرف انصاف کی رو سے شہادت دو خواہ اس سے تمہارے دوستوں کو نقصان پہنچے یا تمہارے دشمنوں کو فائدہ پہنچے۔ [1]

ہدایت القرآن

سعید احمد پالن پوریؒ تفسیر ہدایت القرآن میں گواہی کے متعلق لکھتے ہیں:

جب مومنین نے عہد کیا کہ سمعنا واطعنا یعنی ہم اللہ کے احکام کو سنیں گے، اور ان کی فرمان برداری کریں گے، ایمان لانے کا یہی مطلب ہے تاہم دو شخصوں سے اس عہد میں کوتاہی ممکن ہے:

i. ایک مقدمہ کے گواہوں سے وہ گواہی میں گڑبڑ کر سکتے ہیں۔

ii. قاضیوں سے وہ انصاف سے فیصلہ نہ کریں۔

ایسا ممکن ہے، اس لئے ایک آیت میں دونوں تنبیہ کی ہے کہ گواہ اللہ کی خوشنودی کے لئے کھڑے ہوں، اور انصاف کے ساتھ گواہی دیں، تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو، قضات بھی انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں تعلقات کا خیال رکھیں نہ عداوت کا، رورعایت کے بغیر فیصلہ کریں۔ یہی پرہیز گار سے اقرب ہے، اور دونوں اللہ سے ڈریں، اور جان لیں کہ اللہ تعالی بندوں کے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہیں![2]

اطلاق و تطبیق

مذکورہ بالا آیت میں انصاف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے گواہی دینے کی تاکید ہے۔ جس سے علامہ غلام رسول سعیدی نے تفسیر تبیان القرآن میں دو حکم مستنبط کیے ہیں: حق پر قائم رہنا اور انصاف کے ساتھ گواہی دینا

---

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:117

[2] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:237

اور پھر ان دونوں کی اہمیت بیان کی ہے۔ تاہم علامہ سعید احمد پالن پوری نے بھی یہی دو مسئلہ ذکر کیے ہیں اور ان کی اہمیت اجاگر کی ہے۔

تیسرا حکم: طلبِ منصب کی تحقیق

" اِعْدِلُوْاهُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ"[1]

" انصاف سے کام لو، یہی طریقہ تقوی سے قریب تر ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقینا تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔"

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی طلبِ منصب کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ہمارے ملک میں طریق انتخاب کی یہ بہت بڑی خامی ہے کہ قومی یا صوبائی اسمبلی کی نشست کے لیے ہر امیدوار از خود کھڑا ہوتا ہے حالانکہ اسلام میں از خود عہدہ کی طلب کرنا ممنوع ہے۔

"سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور میرے ساتھ دو میرے چچازاد بھائی تھے، ان میں سے ایک بولا: یارسول اللہ! ہم کو حکومت دیجئیے کسی ملک کی ان ملکوں میں سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیئے اور دوسرے نے بھی ایسا ہی کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قسم اللہ کہ ہم نہیں دیتے خدمت اس شخص کو جو اس کی درخواست کرے اور جو اس کی حرص کرے۔""[2]

طالب منصب کو منصب نہ دینے میں یہ حکمت ہے کہ طالبِ منصب کے ساتھ اللہ کی توفیق اور تائید شامل نہیں ہوتی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ منصب کو طلب کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے اپنے لیے حکومت کا عہدہ طلب کیا تھا، قرآن مجید میں ہے۔

"قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ"[3]

---

[1] سورۃ المائدۃ 08:05

[2] قشیری، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب النھی عن طلب الامارۃ والحرص علیھا، حدیث 4717 حدیث یوں ہے:

عن ابي موسى ، قال: " دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم انا ورجلان من بني عمي، فقال احد الرجلين: يا رسول الله، امرنا على بعض ما ولاك الله عز وجل، وقال الآخر مثل ذلك: فقال: إنا والله لا نولي على هذا العمل احدا ساله ولا احدا حرص عليه "

[3] سورۃ یوسف 55:12

(حضرت یوسف نے العزیز مصرے) کہا ملک کے خزانے میرے سپرد کر دیجئے میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔"

یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ یہ شریعت سابقہ ہے اور شریعت سابقہ کے جو احکام ہماری شریعت کے خلاف ہوں وہ ہم پر حجت نہیں ہوتے۔ ہمارے لیے یہ حکم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بخدا! ہم اس شخص کو عامل نہیں بنائیں گے جو اس کو طلب کرے گا اور نہ اس شخص کو عامل بتائیں گے جو اس کی حرص کرے گا۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے اور نبی کا تقوی قطعی اور یقینی ہوتا ہے، نبی کو وحی کی تائید حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے افعال کے متعلق اللہ کی رضا سے مطلع رہتے ہیں جبکہ عام آدمی کا تقوی قطعی اور یقینی نہیں ہوتا اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی منصب کا اہل نہ ہو تو جو شخص اہل ہو اس کا محض خدمت کے لیے منصب کو طلب کرنا ضرورت کی بنا پر جائز ہے۔ ہمیں اس قاعدہ کی صحت سے انکار نہیں ہے، لیکن جو چیز ضرورت کی بنا پر جائز کی گئی ہو اس کو صرف ضرورت کی حد تک محدود رکھنا صحیح ہے۔ اس کو عام رواج اور معمول بنالینا صحیح نہیں ہے، مثلاً جب کوئی حلال چیز کھانے کے لیے دستیاب نہ ہو تو ضرورت کی بنا پر شراب اور خنزیر کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ضرورت کے حوالے سے خنزیر اور شراب کو کھانے پینے کا عام معمول بنالے تو یہ صحیح نہیں ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی موجودہ طریقہ انتخاب کے غیر اسلامی ہونے پر بحث کرتے لکھتے ہیں:

پاکستان میں انتخاب کے موقع پر ہر حلقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار از خود کھڑے ہوتے ہیں اور زر کثیر خرچ کر کے اپنے لیے کنونسنگ کرتے ہیں اور مخالف امیدوار کی کردار کشی کرتے ہیں اور اس سلسلے میں غیبت، افتراء اور تہمت کی تمام حدود کو پھلانگ جاتے ہیں۔ یہ طریقہ اسلام میں بالکل ناجائز ہے اور ہر امیدوار کے متعلق یہ کہنا کہ یہ ضرورت کی بناء پر کھڑا ہوا ہے، بداہتہً باطل ہے۔ کیونکہ ہر حلقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ چونکہ اور کوئی اہل نہیں تھا اس لیے یہ سب امیدوار کھڑے ہو گئے ہیں۔

علامہ امیدوار کے لیے شرائط اہمیت نہ ہونے کے غلط نتائج پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں؛ درحقیقت پاکستان کے آئین میں طلب منصب کی اجازت دینا ہی غیر اسلامی دفعہ ہے۔ جو امیدوار انتخاب کے لیے کھڑے ہوتے ہیں ان ہی میں سے منتخب افراد آگے چل کر وزیر اعظم، صدر مملکت اور وزراء اعلیٰ کا انتخاب کرتے ہیں اور یہی

لوگ اسمبلی میں جا کر کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ملک کے سربر آوردہ علماء اور دانشوروں پر مشتمل اسلامی نظریاتی کونسل اتفاق رائے سے کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتی ہے، لیکن وہ اس وقت تک نافذ نہیں ہو سکتا جب تک کہ قومی اسمبلی اس کو منظور نہ کرے اور قومی اسمبلی کے ممبروں کے لیے اسلامی علوم یا مروجہ علوم میں سے کسی علم کی کوئی شرط نہیں ہے۔ نیکی اور تقوی کی مبہم شرائط رکھی گئی ہیں اور ان کا دیانت داری سے متعلقہ امیدواروں پر اطلاق بھی نہیں کیا جاتا۔ حال ہی میں صدر مملکت، چیف الیکشن کمشنر اور بالواسطہ طور پر عدلیہ یہ کہہ چکے ہیں کہ ان کا اطلاق کون کرے گا؟ اور کبھی وہ کہتے ہیں کہ ایسے کڑے معیار پر کون اترے گا؟ گویا وہ بالواسطہ طور پر کہہ رہے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی دفعات 62اور 63 نا قابل اطلاق اور نا قابل عمل ہیں۔ نیز سیاسی تجربہ اور تدبر کی حتی کہ مرد ہونے کی بھی کوئی شرط نہیں ہے۔ دفتر میں کلرک بھرتی ہونے کے لیے بھی کم از کم میٹرک پاس ہونے کی شرط ہوتی ہے۔ بس چلانے والے ڈرائیور کے لیے بھی تجربہ کی شرط ہوتی ہے لیکن اس ملک کو چلانے کے لیے امیدواروں کے علم اور تجربہ کی کوئی شرط نہیں ہے۔ ہر فاسق وفاجر، جاہل اور نا تجربہ کار شخص خواہ مرد ہو یا عورت انتخاب کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے اور پیسہ اور اثر ورسوخ کے زور پر اسمبلی میں پہنچ کر صدر مملکت وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ یا کسی بھی محکمہ کا وزیر بن سکتا ہے۔ اور وہ دینی علم، تجربہ اور اچھے کردار کے بغیر بھی اسلامی نظریاتی کونسل کی پیش کردہ سفارشات کو مسترد کر سکتا ہے اور کسی بھی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔[1]

تفسیر ہدایت القرآن میں یہ تفصیل نہیں ہے۔

چوتھا حکم: دشمنوں سے حفاظت

" یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ"[2]

"اے ایمان والو! اللہ نے تم پر جو انعام فرمایا اس کو یاد کرو۔ جب کچھ لوگوں نے ارادہ کیا تھا کہ تم پر دست درازی کریں، تو اللہ نے تمہیں نقصان پہنچانے سے ان کے ہاتھ روک دیئے اور (اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ) اللہ کا رعب دل میں رکھتے ہوئے عمل کرو، اور مومنوں کو صرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔"

---

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:123-124

[2] سورۃ المائدۃ 11:05

تبیان القرآن

تبیان القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں صرف دو شان نزول نقل کئے ہیں اور پھر اس پر مفسر نے اپنی رائے دی ہے۔ شان نزول درج ذیل ہیں:

امام ابو جعفر محمد بن جریر نے اس آیت کے حسب ذیل دو شان نزول بیان کیے ہیں۔

یزید بن ابی زیاد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ بنو نضیر کے پاس ایک دیت کے معاملہ میں گئے۔ دو عامری مسلمانوں کو محمد بن امیہ ضمری نے قتل کر دیا تھا۔ آپ یہودیوں سے ان کی دیت وصول کرنے تشریف لے گئے تھے۔ آپ نے ان یہودیوں سے فرمایا: اس دیت کی وصول یابی میں میری مدد کرو۔ انہوں نے کہا ہاں! اے ابو القاسم! اب آپ کو ہم سے کام در پیش ہوا ہے۔ آپ بیٹھے ہم آپ کو کچھ کھلاتے ہیں اور آپ کا مطلوب مہیا کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب بیٹھ گئے اور اس کا انتظار کرنے لگے۔ آپ سے یہ گفتگو حیی بن اخطب نے کی تھی۔ وہ یہودیوں کا سردار تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا، جس قدر اب یہ تمہارے قریب ہیں اس سے زیادہ قریب تم ان کو کبھی نہ پاؤ گے۔ ان کو پتھروں سے مار کر قتل کروں، پھر اس کے بعد تم کو کبھی مصیبت کا سامنا نہیں ہو گا۔ وہ چکی کا ایک بہت بڑا پاٹ لے کر آئے تاکہ اس کو آپ پر گرا دیں۔ اللہ تعالی نے ان کے ہاتھوں سے آپ کو بچالیا اور جبرائیل آپ کو وہاں سے اٹھا کر لے گئے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا۔[1]

حضرت جابر بھی یہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک منزل پر ٹھہرے اور مسلمان مختلف درختوں کے نیچے ان کے سایوں میں لیٹ گئے۔ نبی ﷺ نے بھی اپنے ہتھیار اتار کر ایک درخت پر لٹکا دیئے۔ ایک اعرابی آیا اس نے آپ کی تلوار درخت سے اتار لی اور وہ آپ کے سامنے تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ! اس اعرابی نے تلوار میان میں ڈال لی۔ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو بلایا اور ان کو اعرابی کے واقعہ کی خبر دی در آنحالیکہ وہ آپ کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا آپ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔[2]

---

[1] طبری، جامع البیان فی تاویل آی القرآن، ج:6، ص:198

[2] بخاری، صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة ذات الرقاع، حدیث نمبر:4135 حدیث یوں ہے:

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما , اخبره: انه غزا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل نجد , فلما قفل رسول الله صلى الله عليه وسلم قفل معه , فادركتهم القائلة في واد كثير العضاه , فنزل رسول الله صلى الله عليه وسلم وتفرق الناس

اس آیت کے اعتبار سے پہلی روایت میں بیان کیا ہوا شان نزول راجح ہے۔ کیونکہ اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالی نے ایمان والوں سے کافروں کے ہاتھ کو روک لیا اور پہلی روایت میں نبی اور مسلمان دونوں سے ہاتھ روکنے کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں صرف نبی سے ہاتھ روکنے کا ذکر ہے۔[1]

ہدایت القرآن

اللہ تعالیٰ مشرکوں کی دست درازی سے مسلمانوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اب اعدائے اسلام و مسلمین کا تذکرہ شروع فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر ایک احسان یہ ہے کہ وہ مشرکوں کی دست درازی سے ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ دورِ اول میں اور بعد کے ادوار میں سینکڑوں واقعات اس کے شاہد ہیں۔ کسی معین واقعہ کا تذکرہ ضروری نہیں۔ مشرکین کی عداوت طشت از بام ہے۔ وہ ضرر رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ مگر جسے اللہ تعالیٰ رکھے سے کون چکھے! مشرکین جب بھی مسلمانوں کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی اسکیم کو خاک میں ملا دیتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ مسلمان اللہ سے ڈریں اور اس کے احکام کی تعمیل کریں اور اللہ پر بھروسہ کریں۔ آج مسلمانوں کی زبوں حالی کا سبب ان کا اللہ سے نہ ڈرنا، احکام الٰہی کی تعمیل نہ کرنا اور اعدائے اسلام سے دوستی کرنا ہے۔[2]

اطلاق و تطبیق

سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر 11 میں مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف ایک نعمت ذکر کیا گیا ہے جو کہ دشمنوں سے حفاظت ہے۔ اس کے متعلق علامہ غلام رسول سعیدی نے مذکورہ آیت کی دو شان نزول بیان کیے ہیں اور پھر ان دونوں میں ترجیح اور دلیل بیان کی ہے۔ علامہ سعید احمد پالن پوری نے اس آیت کی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کی مذکورہ نعمت کو خوب واضح کیا ہے اور پھر عصر حاضر پر اس کا انطباق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دورِ اول کے مسلمانوں کی جیسے حفاظت فرمائی تھی ویسے اللہ تعالیٰ کی مدد کے وعدے ہمارے بھی ہے البتہ اس کے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اس کے احکامات کی

في العضاه يستظلون بالشجر , ونزل رسول الله صلى الله عليه وسلم تحت سمرة فعلق بها سيفه , قال جابر: فنمنا نومة , ثم إذا رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعونا فجئناه , فإذا عنده اعرابي جالس , فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" إن هذا اخترط سيفي وانا نائم , فاستيقظت وهو في يده صلتا , فقال لي: من يمنعك مني؟ قلت: الله" , فها هو ذا جالس ثم لم يعاقبه رسول الله صلى الله عليه وسلم.

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:124-125

[2] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:239

بجا آوری لازمی ہے۔

پانچواں حکم: حکومت کے خلاف بغاوت

"اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَه وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ"[1]

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں، ان کی سزا یہی ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یا سولی پر چڑھا دیا جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، یا انہیں زمین سے دور کر دیا جائے یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے، اور آخرت میں ان کے لیے زبردست عذاب ہے۔"

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی ڈاکہ کی اصطلاحی تعریف ڈاکٹر وہبہ زحیلی کے حوالے سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں

باغیوں اور محاربین (ڈاکوؤں) میں فرق یہ ہے کہ باغی کسی تاویل سے حکومت کے خلاف جنگ کرتے ہیں اور ڈاکو بغیر کسی تاویل کے قتل اور غارت گری کرتے ہیں۔ فقہاء احناف نے حرابہ (ڈاکہ) کی تعریف کو سرقہ (چوری کی تعریف کے ساتھ لاحق کر دیا ہے۔ کیونکہ ڈاکہ بڑی چوری ہے۔ مگر یہ مطلقا چوری نہیں ہے کیونکہ خفیہ طریقہ سے کسی چیز کو لینا چوری کہلاتا ہے۔ چور محافظ یا مالک سے چھپ کر کوئی چیز لیتا ہے اور ڈاکو اعلانیہ مار دھاڑ کر کے لوٹتا ہے اس لیے ڈاکہ کا تقرر چوری سے زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکہ کی سزا بھی چوری سے زیادہ رکھی گئی ہے۔

ڈاکو (قاطع الطریق یا محارب) ہر وہ مسلمان یا ذمی شخص ہے جس کی جان ڈاکہ ڈالنے سے پہلے محفوظ اور مامون ہو اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے قتل کیا اور مال لوٹا اس پر حد قائم کرنا واجب ہے اور ولی مقتول کے معاف کر دینے اور لوٹا ہوا مال واپس کر دینے سے اس کی حد ساقط نہیں ہو گی اور ڈاکہ ہر اس فعل کو کہتے ہیں، جس میں اس طریقہ سے مال کو لوٹا جائے کہ عادتاً اس سے مال کو بچانا مشکل ہو۔[2]

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں کہ ڈاکہ کا رکن یہ ہے کہ کوئی شخص غلبہ سے مسافروں کا مال لوٹنے

---

[1] سورۃ المائدۃ 33:05

[2] زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج:6، ص:128-129

کے لیے اس طرح نکلے کہ مسافروں کا اس راستے پر سفر کرنا مشکل ہو جائے۔ خواہ ڈاکہ ڈالنے والا ایک فرد ہو یا جماعت جبکہ ڈاکو کے پاس ڈاکہ ڈالنے کی قوت ہو خواہ اس کے پاس ہتھیار ہوں یا لاٹھی یا اینٹ یا پتھر ہوں کیونکہ ان میں سے ہر چیز کے ساتھ ڈاکہ ڈالا جا سکتا ہے' خواہ سب حملہ کریں یا بعض حملہ کریں اور بعض معاون ہوں۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ڈاکو اس فرد یا گروہ کو کہتے ہیں جس کے پاس ایسی قوت ہو جس کا مقابلہ کرنا مسافروں کے لیے مشکل ہو اور وہ اپنی قوت سے مسافروں کا مال لوٹنے کا قصد کریں۔[1]

اور اس کے بعد ڈاکو کے احکامات کو فقہ اسلامی کی روشنی میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔[2]

ہدایت القرآن

کچھ لوگ حکومت کے خلاف بغاوت کرتے ہیں اور مسلمانوں کا قتل شروع کر دیتے ہیں اور کچھ لوگ راہ زنی کا پیشہ اختیار کرتے ہیں اور لوگوں کو مارتے کاٹتے ہیں۔ ان باغیوں اور راہ زنوں سے سختی کے ساتھ نمٹا جائے۔ یہ اپنے ہیں یعنی مسلمان ہیں، مگر مسلمانوں کو پریشان کرتے ہیں، اس لیے وہ دشمن ہیں، ان کے لیے چار سزائیں ہیں یا تو ان کو تہہ تیغ کر دیا جائے یا ان کو سولی پر لٹکا دیا جائے یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پیر کاٹ کر ان کا علاج کر لیا جائے یا ان کو پابند سلاسل کر دیا جائے تا کہ زمین ان کے شر وفساد سے محفوظ ہو جائے البتہ جو لوگ قابو میں آنے سے پہلے توبہ کر لیں ان کو سزا نہ دی جائے۔

باغیوں اور راہ زنوں کے لیے سخت سزا اس لیے ہے کہ وہ چور کی طرح تنہا نہیں ہوتے۔ ان کا بڑا اجتماع ہوتا ہے، ان میں دلیری اور بے باکی ہوتی ہے، اس لیے وہ بے پرواہ ہو کر مار دھاڑ کرتے ہیں اور لوگوں کے اموال لوٹتے ہیں، اس لیے ان کا فساد چوروں کے فساد سے زیادہ سخت ہے، اس لیے ضروری ہوا کہ ان کی سزائیں چوروں کی سزا سے بھاری ہوں۔[3]

اطلاق و تطبیق

مذکورہ بالا آیت میں محاربین کی مذمت اور ان کے شرعی سزا کا تفصیلی بیان ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں علامہ غلام رسول سعیدی نے اول تو باغی اور ڈاکو کے درمیان فرق کو واضح کیا ہے۔ اس کے بعد ڈاکو کی مستقل تعریف

---

[1] کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج:7، ص:90

[2] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:163

[3] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:261

ذکر کی ہے اور اس کے حکم کے متعلق فقہاء کی آراء بیان کی ہے۔ مطلب ان کے نزدیک یہ مذکورہ بالا آیت کا مصداق ڈاکو ہیں جب کہ علامہ سعید احمد پالن پوری نے آیت کا مصداق باغی اور ڈاکوں وراہزنوں دونوں کو قرار دیا ہے۔ اور پھر باغی اور ڈاکو کی اتنی سخت ترین سزا کی وجوہات بھی بیان کی ہے۔

چھٹا حکم: حدود[1] کا حکم

تبیان القرآن

اسی مذکورہ آیت کی تفسیر میں تبیان القرآن میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کیا ہے کہ حدود کفارات ہے یا نہیں؟ تو وہ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ دنیا میں سزا پانے کے بعد بھی مجرموں کو آخرت میں عذابِ عظیم ہو گا البتہ جو لوگ توبہ کر لیں گے، ان کو آخرت میں عذاب نہیں ہو گا۔ فقہاء احناف نے اسی آیت کے پیشِ نظر یہ کہا ہے کہ حدود بغیر توبہ کے کفارہ نہیں ہوتیں اور حدیث میں جو ہے کہ حدود کفارہ ہوتی ہیں وہ توبہ کے ساتھ مقید ہے تاکہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں موافقت رہے۔

اس کے بعد مختلف فقہاء کی آراء اور اقوال کی روشنی میں اس مسئلہ کو بسط وتفصیل سے بیان کیا ہے۔[2]

حالانکہ تفسیر ہدایت القرآن میں اس قسم کی کوئی تفصیل نہیں ہے

ساتواں حکم: فتنہ کی سرکوبی کے لیے جہاد

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ [3]"

---

[1] ایسی سزا جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ثابت ہے اور ساتھ ہی متعین ہے، اس سزا کو جاری کرنے کا اختیار تو حاکم یا حکومت کو ہے مگر اس میں قانون سازی کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے، اس طرح کی سزا کو شریعت میں حد کہتے ہیں جیسے زنا کی پاداش میں سنگساری (رجم)، شراب پینے کے عوض درے سے مارنا یا چور کا ہاتھ کاٹ دینا۔ اسلام میں ان جرائم کا ارتکاب انسانی نہیں احکام خداوندی کی حدود سے تجاوز کرنا ہے اس لیے مجرم کو سزا بھی خدا کی مقرر کردہ ہی دی جاتی ہے۔ (دہلوی، نواب قطب الدین خاں، مظاہر حق، طبع اول (لاہور: مکتبہ العلم)، ج5، ص130)

[2] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:166-167

[3] سورۃ المائدۃ 35:05

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو اور اس کے راستے میں جہاد کرو امید ہے کہ تمہیں فلاح حاصل ہو گی۔"

ہدایت القرآن

فتنوں کی سرکوبی کے لیے اسلامی مملکت کی ذمہ داریوں میں جہاد کی ذمہ داری کو بیان کرتے ہوئے علامہ سعید احمد پالن پوریؒ رقم طراز ہیں:

دشمن خواہ کوئی ہوں، مشرک ہو، یہودی ہو، عیسائی ہو، باغی ہوں، یا چور ڈاکو ہوں: اگر فتنہ پیدا کریں اور مسلمانوں کا جینا حرام کر دیں تو ان سے لوہا لینا ضروری ہے۔ فتنہ پردازوں کا زور توڑا جائے تاکہ مسلمان سکون کا سانس لیں، اور جہاد نیک مسلمان کریں، جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور گناہوں سے بچتے ہیں۔ جہاد کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، وسیلہ تمام طاعات ہیں، ان کا ایک فرد جہاد ہے، نیک مسلمان جہاد کر کے اللہ کی نزدیکی حاصل کریں، اور جہاد کا دوسرا فائدہ کامیابی ہے فتنہ ختم ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کو چین نصیب ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑا فتنہ کفر و شرک ہے، جہاد کے نتیجہ میں بہت سے بندوں کو دولت ایمان نصیب ہوتی ہے، حدیث میں ہے کہ اللہ کو وہ بندے پسند ہیں جو بیڑیوں میں جنت میں جاتے ہیں یعنی جہاد میں گرفتار ہو کر آئے اور دولت ایمان مل گئی اور جنت میں پہنچ گئے۔[1] اگر جہاد میں منکرین اسلام کا ہاتھ اونچا ہو گی تو کیا ہوا؟ دنیا چند روزہ ہے، جھاگ پانی پر چھاتا ہے تو کیا وہ قیمتی چیز بن جاتا ہے؟ آخرت میں ان کے لئے کوئی کامیابی نہیں، دوزخ کی آگ ان کے لئے تیار ہے، آخرت میں اگر ان کے پاس زمین بھر کر دولت ہو، بلکہ دوگنی ہو، اور وہ عذاب دوزخ سے بچنے کے لئے اس کو فدیہ میں دینا چاہیں تو ان سے ہرگز قبول نہیں کی جائے گی، اور ان کو دردناک عذاب سے سابقہ پڑے گا، وہ بار بار دوزخ سے نکلنے کی کوشش کریں گے مگر ہر بار اندر دھکیل دیئے جائیں گے کبھی وہاں سے نکلنا نصیب نہ ہو گا، وہ وہاں دائمی عذاب میں رہیں گے۔[2]

تفسیر تبیان القرآن میں یہ تفصیل مذکور نہیں ہے۔

---

[1] بخاری، صحیح بخاری، کتاب الجہاد السیر، باب الاساری فی السلاسل، حدیث نمبر:3010 حدیث یوں ہے:
:" عجب الله من قوم يدخلون الجنة في السلاسل"

[2] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:263

آٹھواں حکم: حدِ سرقہ کا قیام

"وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ"[1]

"اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، تاکہ ان کو اپنے کیے کا بدلہ ملے، اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہو۔ اور اللہ صاحب اقتدار بھی ہے، صاحب حکمت بھی۔"

تبیان القرآن

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالی نے انسان کی جان کی اہمیت بیان کی تھی کہ ایک انسان کو قتل کرنا اللہ کے نزدیک گویا تمام انسانوں کو قتل کرنا ہے۔ پھر فرمایا: کہ اگر انسان ڈاکہ ڈالے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور یہاں فرمایا کہ اگر انسان چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

علامہ غلام رسول سعیدی نے سرقہ کا لغوی معنی علامہ جمال الدین ابن منظور افریقی کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اہل عرب چور اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی محفوظ جگہ میں چھپ کر جائے اور مال غیر لے کر چلا جائے۔ اگر وہ چھپ کر لینے کے بجائے کھلم کھلائے تو وہ اچکا اور لٹیرا (مختلس اور منتہب) ہے اور اگر زبردستی چھینے تو غاصب ہے۔"[2]

سرقہ کا اصطلاحی معنی علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن ہمام حنفی کے حوالے سے یوں نقل کیا ہے:

"عاقل بالغ کسی ایسی محفوظ جگہ سے کسی کے دس درہم (یا اس سے زیادہ یا اتنی مالیت کی کوئی چیز چھپ کر بغیر کسی شبہ اور تاویل کے اٹھالے، جس جگہ کی حفاظت کا انتظام کیا گیا ہو، درآنحالیکہ وہ چیز جلدی خراب ہونے والی نہ ہو تو وہ سرقہ (چوری) ہے۔"[3]

علامہ غلام رسول سعیدیؒ لکھتے ہیں کہ چوری کا حد یعنی ہاتھ کاٹنا زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھا اور زمانہ اسلام یں بھی، وہ لکھتے ہیں:

---

[1] سورۃ المائدۃ 38:05

[2] افریقی، جمال الدین ابن منظور، لسان العرب (ایران: نشر وادب الحوذہ، 1405ھ) ج:10، ص:156

[3] ابن ہمام، محمد بن عبد الواحد، فتح القدیر (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1415ھ) ج:5، ص:339

زمانہ جاہلیت میں بھی چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا زمانہ جاہلیت میں جس کا سب سے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا وہ ولید بن مغیرہ تھا، پھر اللہ تعالی نے اسلام میں بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اسلام میں جس چور کا سب سے پہلے مردوں میں رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ کاٹا وہ خیار بن عدی بن نوفل بن عبد مناف تھے اور عورتوں میں جس چور کے سب سے پہلے ہاتھ کاٹے گئے وہ مرہ بنت سفیان بن عبد الاسد تھیں۔ ان کا تعلق جو مخزوم سے تھا۔ حضرت ابو بکر نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا جس نے ہار چرایا تھا۔ حضرت عمر نے عبد الرحمن بن سمرہ کے بھائی کا ہاتھ کاٹا تھا، ان واقعات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔[1]

چور کا ہاتھ کاٹنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اللہ تعالی کا فضل اور احسان ہے کہ اس نے چور کا ہاتھ کاٹے کی حد مقرر فرما کر مسلمانوں کے اموال کو محفوظ کر دیا اور اگر کوئی شخص ایک کر کوئی چیز لے جائے یا لوٹ کر لے جائے یا غصب کر لے تو اس پر حد مقرر نہیں، ہر چند کہ اس میں تعزیر ہے کونکہ یہ جرائم چوری کی بہ نسبت معمولی ہیں اور ان کے خلاف گواہ قائم کیے جاسکتے ہیں اور گواہوں کے ذریعہ عدالت سے اپنا حق آسانی سے وصول کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بر خلاف چور چھپ کر مال لے جاتا ہے لہذا اس پر گواہی قائم کرنا مشکل ہے۔ اس لیے اس کی سزا سخت رکھی کہ اس سزا کو دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت پکڑیں اور چوری کرنے سے باز رہیں اور مسلمانوں کے اموال محفوظ رہ سکیں۔[2]

ہدایت القرآن

بغاوت اور ڈکیتی کی سزا کے بعد اب چوری کی سزا بیان فرماتے ہیں۔ چوری کی سزا پہنچے سے دایاں ہاتھ جدا کرنا ہے۔ پہلے دورانِ خون بند کر دیا، پھر ہاتھ سُن کر لیں گے، پھر کاٹ دیں گے، پھر علاج کریں گے، جب ہاتھ درست ہو گا تو رخصت کریں گے، اور چوری کی تمام صورتوں میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، بلکہ یہ سزا اس صورت میں نافذ کی جاتی ہیں جب چوری کی حقیقت اور شرائط متحقق ہوں، اور وہ یہ ہیں:

i. چرایا ہوا مال کسی فرد یا جماعت کی ذاتی ملکیت ہو، چرانے والے کی نہ اس میں ملکیت ہو، نہ ملکیت کا شبہ ہو۔

ii. مال محفوظ ہو مقفل ہو، یا ایسی جگہ ہو جہاں نہ آنے کی اجازت ہو، نہ مال لینے کی۔

iii. بے اجازت لے، اگر اجازت کا شبہ بھی پیدا ہو جائے گا تو حد جاری نہیں ہو گی۔

---

[1] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج:3، ص:111

[2] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:180-181

iv. چپ کے سے لے، اعلانیہ لینا سرقہ نہیں، غصب ہے۔

v. بقدر نصاب چرائے، اس سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

جن صورتوں میں حد جاری نہیں ہوتی ان میں بھی قاضی اپنی صوابدید سے تعزیر کرے گا، کیونکہ کسی کا مال بے اجازت لینا حرام ہے۔ نصاب سرقہ یعنی کتنی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا؟ اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ رحمہ اللہ کے نزدیک نصاب سرقہ چوتھائی دینار یا تین درہم ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک ایک دینار یا دس درہم ہیں۔

حد وہ شرعی سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے، جس میں رورعایت یا تبدیلی کا کسی کو کوئی حق نہیں۔ ایسی سزائیں صرف چار ہیں: زنا کی سزا، چوری کی سزا، تہمت لگانے کی سزا اور شراب پینے کی سزاء۔ اول تین کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور چوتھی کا حدیثوں میں ان چار جرائم کے علاوہ دیگر جرائم کی سزائیں قاضی کی صوابدید پر موقوف ہیں، یہی وہ چار سزائیں ہیں جن کے بارے میں اغیار اور دانشور شور مچاتے ہیں کہ اسلام میں سخت سزائیں ہیں، بے شک یہ سخت سزائیں ہیں، مگر ان کو جاری کرنے کی نوبت بہت کم آتی ہے، کیونکہ ان سزاؤں کا ہوا ایسا ہے کہ شیطان صفت لوگ سے رہتے ہیں، اور سزا سے بہتر سزا کا ہوتا ہے، پھر جو سزا جتنی مشکل ہے اس کا ثبوت بھی اتنا ہی مشکل ہے۔ زنا کے ثبوت کے لیے چار عینی گواہ ضروری ہیں، جب کہ زنا برسرِ عام نہیں کیا جاتا۔ پس اس کا ثبوت بھی مشکل ہے، اس لیے سزا جاری کرنے کی نوبت بہت کم آتی ہے۔ آپ سعودیہ اور یورپ وامریکہ کے جرائم کا تناسب دیکھیں۔ آپ حیران رہ جائیں گے کہ ہلکی سزاؤں اور سخت سزاؤں کے خوف کا اثر ہے۔[1]

اطلاق وتطبیق

مذکورہ بالا آیت میں حد سرقہ بیان ہوا ہے۔ علامہ غلام رسول سعیدی نے اول تو چوری کی لغوی وضاحت علامہ ابن منظور افریقی اور اصطلاحی تعریف ابن ہمام حنفی کی زبانی نقل کی ہے۔ پھر تفسیر قرطبی کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے کہ حد سرقہ اسلام سے پہلے بھی موجود تھا اور اس کے بعد چور کے ہاتھ کاٹنے کی حکمت ومصلحت تحریر کی ہے۔

علامہ سعید احمد پالن پوری نے تفسیر ہدایت القرآن میں چور کے ہاتھ کاٹنے کا مکمل طریقہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور پھر چوری کی حد جاری ہونے کی پانچ شرائط تفصیل سے بیان کی ہیں۔ اس کے نصابِ سرقہ جس پر ہاتھ کاٹا جائے اور حد کی تعریف واقسام پر تفصیل بحث کیا ہے۔

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2:، 264-266

نواں حکم: رشوت کا سدِ باب اور غیر مسلموں کے متعلق فیصلے

سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ[1]

"یہ کان لگا لگا کر جھوٹی باتیں سننے والے، جی بھر بھر کر حرام کھانے والے ہیں۔ چنانچہ اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو چاہے ان کے درمیان فیصلہ کر دو، اور چاہے ان سے منہ موڑ لو اگر تم ان سے منہ موڑ لو گے تو یہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر فیصلہ کرنا ہو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

تبیان القرآن

مفسر نے اس آیت کی تفسیر میں دو مسائل تفصیل سے لکھی ہیں۔ اول رشوت کی اقسام اور اس کا شرعی حکم، دوم اہل ذمہ کے فیصلے کرنے کا حکم۔ پہلے رشوت کے اقسام کے متعلق لکھتے ہیں رشوت کی حسب ذیل چار قسمیں ہیں:

i. منصبِ قضا کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دیا اس رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔

ii. کوئی شخص اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لیے قاضی کو رشوت دے۔ یہ رشوت جانبین سے حرام ہے، خواہ وہ فیصلہ حق انصاف پر مبنی ہو یا نہ ہو کیونکہ فیصلہ کرنا قاضی کی ذمہ داری ہے اور اس پر فرض ہے۔ اسی طرح کسی افسر کو اپنا کام کرانے اور کے لیے رشوت دینا یہ بھی جانبین سے حرام ہے کیونکہ وہ کام اس افسر کی ڈیوٹی ہے۔

iii. اپنی جان اور مال کو ظلم اور ضرر سے بچانے کے لیے رشوت دینا یہ رشوت صرف لینے والے پر حرام ہے دینے والے پر حرام نہیں ہے اسی طرح اپنے مال کو حاصل کرنے کے لیے بھی رشوت دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔

iv. کسی شخص کو اس لیے رشوت دی کہ وہ اس کو بادشاہ یا حاکم تک پہنچا دے تو اس رشوت کا دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔[2]

اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کرنے کے متعلق ائمہ اربعہ کا نظریہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] سورۃ المائدۃ 42:05

[2] ابن ہمام، فتح القدیر، ج:7، ص:236

جن کے متعلق اللہ تعالی نے نبی ﷺ کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے یہ مدینہ کے وہ یہود تھے جن سے نبی ﷺ نے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد معاہدہ کیا تھا۔ یہ اہل ذمہ نہیں تھے اور جب کفار اہل ذمہ نہ ہوں تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا ہم پر واجب نہیں ہے۔ اہل ذمہ جب ہمارے پاس اپنا مقدمہ پیش کریں تو ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے متعلق امام شافعی کے دو قول ہیں اور اگر مسلمان اور زمی کے درمیان نزاع ہو تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔ علامہ نوووی نے کہا ہے کہ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ مسلمان اور ذمی کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔ البتہ ذمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے حکم میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس میں حاکم کو اختیار ہے۔ ان کا استدلال اس آیت سے ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت محکمہ ہے۔ البتہ امام مالک اہل ذمہ پر حد قائم کرنے کے قائل نہیں ہیں، اگر مسلمان کتابیہ کے ساتھ زنا کرے تو مسلمان پر حد لگائی جائے گی اور کتابیہ پر حد نہیں لگے گی۔ اگر زنا کرنے والے دونوں ذمی ہوں تو کسی پر حد نہیں لگے گی۔ امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ ان کو کوڑے لگائے جائیں گے اور ان کو رجم نہیں کیا جائے گا۔ امام شافعی اور امام ابو یوسف نے یہ کہا ہے کہ اگر وہ ہمارے فیصلہ پر راضی ہوں تو ان پر حد لگائی جائے گی۔ [1]

ہدایت القرآن

سعید احمد پالن پوری لکھتے ہیں: کہ جاننا چاہئے کہ غیر مسلم چار طرح کے ہیں: ذمی، مستامن، معاہد اور حربی۔

i. ذمی: جس کو اسلامی ملک کی شہریت حاصل ہے۔
ii. مستامن: امن طلب کرنے والا یعنی وہ غیر مسلم جو ویزا لے کر اسلامی ملک میں آیا ہے۔
iii. معاہد: عہد وپیمان باندھنے والا یعنی دار الحرب کا وہ غیر مسلم جس کے ساتھ اسلامی ملک نے ناجنگ معاہدہ کر رکھا ہے۔
iv. حربی اس دار الحرب کا باشندہ جس کے ساتھ ناجنگ معاہد نہیں۔

اسلامی مملکت میں ذمیوں کو ان کے پرسنل مسائل میں فیصلہ کے لئے حکومت الگ کورٹ بنا کر دے گی، اس میں انہی کا قاضی مقرر کیا جائے گا، اس کے مصارف اسلامی حکومت برداشت کرے گی، غیر مسلموں کے پرسنل مقدمات، اس میں ان کے پرسنل لا کے مطابق فیصل ہونگے، اور ان کے عام معاملات اسلامی کورٹ میں آئیں گے، اور شریعت اسلامی کے مطابق فیصلے ہونگے، اور اگر وہ ان مقدمات کا اسلامی کورٹ میں فیصلہ کرائیں تو اسلامی قانون کے مطابق ان کا فیصلہ کیا جائے گا، اور اگر مقدمہ کا ایک فریق مسلمان ہو تو وہ معاملہ لامحالہ اسلامی کورٹ میں آئے

---

[1] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج:3، ص:13-133-سعیدی، تبیان القرآن، ج:5، ص:194-196

گا، اور قانون اسلامی کے مطابق فیصلہ ہو گا۔

نبی ﷺ نے خیبر کے یہودیوں کا فیصلہ کیوں کیا؟ اس کے متعلق مفسر لکھتے ہیں: اس کے بعد جاننا چاہئے کہ خیبر کے یہودی پوری طرح ذمی نہیں تھے، ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا، ان کے ساتھ وقتی معاہدہ کر کے بطور مزارع ان کو خیبر میں باقی رکھا گیا تھا، پس گویا وہ معاہد تھے، وہ اپنا ایک مقدمہ لے کر اسلامی کورٹ میں آنے والے تھے، چنانچہ نبی ﷺ کو اختیار دیا کہ آپ چاہیں تو اس مقدمہ کا فیصلہ کریں، اور چاہیں تو ان کو ملا دیں، کہ دیں: جاؤ اپنے قاضی سے فیصلہ کراؤ، اگر آپ ایسا کریں گے تو یہود آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، اور اگر آپ وہ مقدمہ لے لیں تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں یعنی اسلامی احکام کے مطابق فیصلہ کریں، شریعت اسلامی میں شادی شدہ زانی زانیہ کی سزا رجم ہے، مگر احسان کے لئے اسلام شرط ہے، غیر مسلم محصن نہیں لہٰذا اس کو سنگسار نہیں کیا جائے گا، مگر نبی ﷺ نے یہود کی شریعت کے مطابق فیصلہ کیا، اتفاق سے تورات میں بھی ان کے لئے رجم کی سزا تھی، چنانچہ تورات منگوا کر پڑھی گئی، اور اس کا فیصلہ ان پر نافذ کیا گیا، پس نہ سانپ بچا نہ لاٹھی ٹوٹی۔[1]

اطلاق و تطبیق

اسلامی ملک میں غیر مسلموں کے فیصلے کیسے کئے جائے؟ اور عدالتی نظام میں یا عمومی طور پر رشوت لینے کے احکام درجہ بالا آیت میں بیان ہوئی ہیں۔ علامہ غلام رسول سعیدی نے تفسیر تبیان القرآن میں رشوت کی چار اقسام اور ان کے احکامات پر بحث کیا ہے اور پھر اہل ذمہ کے فیصلے اسلامی عدالت میں کرنے ائمہ اربعہ کا اختلاف تحریر کیا ہے۔

تفسیر ہدایت القرآن میں غیر مسلموں کی تقسیم چار اقسام کی طرف کی ہے۔ اور ان کے مسائل کی دو اقسام بیان کی ہیں۔ ایک تو ان کے ذاتی اور پرسنل مسائل ہیں ان کا فیصلہ ان کے پرسنل لاء کے مطابق ہوں گے جب کہ عام معاملات کے فیصلے شریعتِ اسلامی کے مطابق ہوں گے۔ اس کے بعد خیبر کے یہودیوں کے فیصلے پر سیر حاصل بحث کیا ہے۔

دسواں حکم: قانونِ قصاص کا قیام

"وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:274

اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ"[1]

"اور ہم نے اس (تورات میں) ان کے لیے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت۔ اور زخموں کا بھی (اسی طرح) بدلہ لیا جائے۔ ہاں جو شخص اس (بدلے) کو معاف کردے تو یہ اس کے لیے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ لوگ ظالم ہیں۔"

تبیان القرآن

مفسر نے پہلے قصاص کا شان نزول لکھا ہے اور اس کے بعد ذمی کو قتل کرنے کی صورت میں قصاص کا حکم تحریر کیا ہے۔ شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابن جریج بیان کرتے ہیں جب بنو قریظہ نے یہ دیکھا کہ یہود اپنی کتاب میں رجم کو چھپاتے تھے اور نبی ﷺ نے ان کے درمیان رجم کا فیصلہ کر دیا تو بنو قریظہ نے کہا: اے محمد! ہمارے درمیان اور ہمارے بھائی بنو نضیر کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔ نبی ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے بنو نصیر اپنے آپ کو بنو قریظہ سے برتر اور عزت دار سمجھتے تھے۔ اگر بنو نضیر میں سے کوئی شخص بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو وہ اسے آدھی دیت دیتے تھے اور اگر ان کے کسی فرد کو بنو قریظہ کا کوئی شخص قتل کر دیتا تو اس سے پوری دیت لیتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا تو قریظی کا خون نضیری کے برابر ہے۔ یہ سن کر جو بنو نضیر غضب ناک ہو گئے اور انہوں نے کیا ہم رجم کے معاملہ میں آپ کی اطاعت نہیں کریں گے اور ہم اپنی ہی حدود کو جاری کریں گے جن پر پہلے عمل کرتے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور ہم نے ان پر تورات میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ۔[2]

ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کرنے میں مذاہبِ فقہاء اس آیت میں اللہ تعالی نے مطلقاً فرمایا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے اور اس میں مسلمان یا کافر کی قید نہیں لگائی۔ اس لیے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان نے ذمی کافر کو قتل کر دیا تو اس کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ اس آیت کے عموم اور اطلاق سے واضح ہوتا ہے اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمھم اللہ فرماتے ہیں کہ ذمی کافر کے بدلہ میں مسلمان

---

[1] سورۃ المائدۃ 45:05

[2] ابن جریر طبری، جامع البیان فی تاویل آی القرآن، ج:10، ص:358

کو قتل نہیں کیا جائے گا۔[1]

پھر تورات کی عبارت بھی نقل کی ہے لکھتے ہیں:

"اور جو کوئی کسی آدمی کو مار ڈالے وہ ضرور جان سے مارا جائے، اور اگر کوئی شخص اپنے ہمسایہ کو عیب دار بنادے تو جیسا اس نے کیا، ویسا ہی اس سے کیا جائے، یعنی عضو توڑنے کے بدلہ میں عضو توڑنا ہو اور آنکھ کے بدلہ آنکھ اور دانت کے بدلہ دانت، جیسا عیب اس نے دوسرے آدمی میں پیدا کر دیا ہے، ویسا ہی اس میں بھی کر دیا جائے۔"[2]

ہدایت القرآن

ان آیات کا پس منظر بھی ایک واقعہ ہے: مدینہ میں یہود کے دو قبیلے آباد تھے۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ اول: مالدار تھے اور دوم مالی اعتبار سے کمزور تھے۔ بنو نضیر کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر یہ ظالمانہ اصول طے کر الیا تھا کہ اگر بنو نضیر کا کوئی آدمی بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کرے تو قصاص میں قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ خون بہا کے طور پر ستر وسق کھجوریں دے گا۔ (ایک وسق: ساٹھ صاع کا ہوتا تھا، اور ایک صاع سوا تین کلو کا) اور اگر بنو قریظہ کا کوئی آدمی بنو نضیر کے کسی آدمی کو تل کرے تو قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا، اور اس سے خون بہا بھی لیا جائے گا، اور وہ بھی دوگنا! پھر جب نبی ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک واقعہ پیش آیا، بنو قریظہ کے کسی شخص نے بنو نضیر کے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ بنو نضیر نے حسبِ قرار دار قصاص اور خون بہا کا مطالبہ کیا۔ بنو قریظہ نے اس کو انصاف کے خلاف قرار دیا، اور کہا: جاؤ، وہ زمانہ گیا جب ہم نے تمہاری قوت کے پیشِ نظر یہ ظلم منظور کیا تھا، اب محمد مدینہ میں آچکے ہیں، اب یہ ممکن نہیں کہ تم دوگنی دیت لو، اور تجویز پیش کی کہ فیصلہ آنحضرت ﷺ سے کرایا جائے، بنو نضیر نے کچھ منافقین کو مقرر کیا جو غیر رسمی طور پر آپ کا عندیہ معلوم کریں، اگر آپ کی رائے بنو نضیر کے حق میں ہو تو آپ سے فیصلہ کرایا جائے، ورنہ ان سے فیصلہ نہ کرایا جائے۔ غرض: قصاص (برابری) کا حکم تو رات میں موجود تھا، یہود نے اس کے خلاف تعامل قائم کر لیا تھا، جیسے رجم کا حکم تورات میں موجود تھا مگر یہود نے منہ کالا کر کے تشہیر کرنے کو اس کی جگہ رکھ دیا تھا۔[3]

---

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ج:4، ص:200

[2] عہد نامہ قدیم، احبار، باب 24، آیت 21-22-18

[3] پالن پوری، ہدایت القرن، ج:2، ص:277

اطلاق و تطبیق

درجہ بالا آیت میں قانون قصاص بیان ہوا ہے جس کا شان نزول علامہ غلام رسول سعیدی نے ابن جریج کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد یہ مسئلہ فقہاء کی آراء کی روشنی میں بیان کیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان ذمی کو قتل کر دے تو اس کے بدلے میں مسلمان سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں؟ اس کے بعد تورات کی آیات تحریر کی ہیں جن سے نفس اور مادون النفس کا قصاص ثابت ہوتا ہے۔

تفسیر ہدایت القرآن میں بھی اس آیت کے پس منظر میں یہی بنو نضیر اور بنو قریظہ کا واقعہ بیان کیا ہے۔

گیارہواں حکم: عدل و انصاف کا قیام

"وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ"[1]

"اور (اے رسول محمد! ﷺ ہم نے تم پر بھی حق پر مشتمل کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی نگہبان ہے۔ لہذا ان لوگوں کے درمیان اسی حکم کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے، اور جو حق بات تمہارے پاس آگئی ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو۔ تم میں سے ہر ایک (امت) کے لیے ہم نے ایک (الگ) شریعت اور طریقہ مقرر کیا ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا، لیکن (الگ شریعتیں اس لیے دیں) تاکہ جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے۔ لہذا نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اللہ ہی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ اس وقت وہ تمہیں وہ باتیں بتائے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔"

تبیان القرآن

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ یہود جنہوں نے اپنے مقدمہ میں آپ کو حاکم بنایا اور آپ نے ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کر دیا پھر یہ آپ کے فیصلہ سے راضی نہیں ہوئے تو کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے تھے یعنی بت پرستوں

---

[1] سورۃ المائدۃ 48:05

اور مشرکوں کا فیصلہ چاہتے تھے۔ حالانکہ ان کے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے اور اس میں وہی فیصلہ مذکور ہے جو آپ نے ان کے درمیان کیا تھا اور یہی حق ہے اور اس کے خلاف کوئی اور فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالی نے ان یہودیوں سے فرمایا: جو شخص اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہو اور اس کی ربوبیت پر یقین رکھتا ہو اس کے نزدیک اللہ کے حکم اور اس کے فیصلہ سے بہتر اور کسی کا فیصلہ ہو سکتا ہے؟[1]

ہدایت القرآن

علامہ سعید احمد پالن پوری لکھتے ہیں کہ قاضی اپنے فیصلوں میں شریعت کے احکام سے سرِ مو انحراف نہ کریں۔

جب قرآن کریم برحق تعلیمات پر مشتمل ہے تو اس پر پوری طرح عمل ضروری ہے۔ اللہ کا دین برائے عمل نازل کیا جاتا ہے۔ پس قاضی خواہ فیصلہ مسلمانوں کے لیے کریں یا غیروں کے لیے کریں۔ شریعتِ اسلامیہ سے بال برابر بھی انحراف نہ کریں۔ رشوت لے کر یا رعایت کر کے فیصلہ کر کے اپنا دامن داغ دار نہ کریں۔ انصاف ہی سے جہاں روشن ہے۔ شانِ نزول کے واقعہ میں یہود کے اکابر نے چاہا تھا کہ نبی کریم ﷺ کے پاؤں پھسلا دیں مگر ان آیات نے چوکنا کر دیا اور غلط فیصلہ کی نوبت نہ آئی اور یہ بھی معلوم نہیں کہ کوئی نزاع تھا بھی یا محض فرضی بات تھی؟ مگر قضات کے لیے ہدایت آ گئی۔[2]

اطلاق و تطبیق

اسلامی مملکت کا بنیاد مقصد ہی عدل و انصاف کا قیام ہے۔ مذکورہ آیت کی تفسیر میں علامہ غلام رسول سعیدی نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں یہود نے نبی کریم ﷺ کو حکم بنایا اور پھر آپ کے فیصلے پر راضی نہیں تھے حالانکہ یہ مسئلہ ان کے کتاب تورات میں بھی مذکور تھا۔

علامہ سعید احمد پالن پوری نے اس آیت کی تفسیر یہ حکم عمومی طور پر بیان کیا ہے کہ قاضی شریعت کے مطابق فیصلے کرے۔ رشوت، اقرباپروری وغیرہ کی وجہ سے حق و انصاف نہ چھوڑے اور آخر میں یہود کی اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

---

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:208

[2] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:286

بارہواں حکم: وضعی اور شرعی قوانین میں فرق

"وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ (49) أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ "(50) [1]

"اور (ہم حکم دیتے ہیں) کہ تم ان لوگوں کے درمیان اسی حکم کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کیاہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو، اور ان کی اس بات سے بچ کر رہو کہ وہ تمہیں فتنے میں ڈال کر کسی ایسے حکم سے ہٹادیں جو اللہ نے تم پر نازل کیا ہو۔ اس پر اگر وہ منہ موڑیں تو جان رکھو کہ اللہ نے ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان کو مصیبت میں مبتلا کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ اور ان لوگوں میں سے بہت سے فاسق ہیں۔ بھلا کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ حاصل کرنا چاہتے ہیں ؟ حالانکہ جو لوگ یقین رکھتے ہوں ان کے لیے اللہ سے اچھا فیصلہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے ؟"

ہدایت القرآن

مسلمانوں کی جو حکومتیں اسلامی قانون کے بجائے پارلیمنٹری قوانین کو اپنائے ہوئے ہیں اور جو مسلمان حقیر مفادات کے لیے شریعت کے قانون کو چھوڑ کر غیر اسلامی عدالتوں کا رُخ کرتے ہیں وہ جان لیں کہ وضعی قوانین شرعی قوانین کے برابر کبھی نہیں ہوسکتے، پس کیا وہ گھوڑے کو چھوڑ کر گدھے پر سواری کرنا چاہتے ہیں ؟[2]

یہ مسئلہ تبیان القرآن میں مذکور نہیں ہے۔

تیرہواں حکم: امر بالمعروف ونہی عن المنکر

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ (78) كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (79) تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ[3]

---

[1] سورۃ المائدۃ 05:49-50

[2] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:289

[3] سورۃ المائدۃ 05:78 تا 80

"بنو اسرائیل کے جو لوگ کافر ہوئے ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت بھیجی گئی تھی یہ سب اس لیے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی تھی، اور وہ حد سے گزر جایا کرتے تھے۔ وہ جس بدی کا ارتکاب کرتے تھے، اس سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا طرز عمل نہایت برا تھا۔ تم ان میں سے بہت سوں کو دیکھتے ہو کہ انہوں نے (بت پرست) کافروں کو اپنا دوست بنایا ہوا ہے یقیناً جو کچھ انہوں نے اپنے حق میں اپنے آگے بھیج رکھا ہے وہ بہت برا ہے، کیونکہ (ان کی وجہ سے) اللہ ان سے ناراض ہو گیا ہے، اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔"

تبیان القرآن

اسلامی مملکت کی ذمہ داریوں میں ایک ذمہ داری امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے شعبہ کا قیام بھی ہے، اس لیے علامہ غلام رسول سعیدی نیکی کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے کی مذمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

گناہ کی بات کہنے سے مراد جھوٹ بولنا ہے۔ وہ ایمان نہیں لائے تھے اور رسول اللہ سے کہتے تھے ہم ایمان لائے ہیں اور یہ جھوٹ ہے اور تورات میں جھوٹ بولنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح وہ رشوت لے کر جھوٹے فیصلے کرتے تھے اور اس سے بھی تورات میں منع کیا گیا ہے اور ان کے علماء اس سے بھی منع نہیں کرتے تھے اور گناہ کرنے کی بہ نسبت گناہ سے منع نہ کرنا زیادہ تر مذموم ہے کیونکہ گناہ کرنے والا گناہ سے لذت حاصل کرتا ہے اس لیے گناہ کرتا ہے اور گناہ سے منع نہ کرنا محض گناہ بے لذت ہے اس لیے اس کی زیادہ مذمت ہے۔ اس آیت میں یہودیوں کے ان علماء کی مذمت کی ان علماء کی مذمت کی ہے جو ان کو گناہوں سے نہیں روکتے تھے۔

حسن بصری نے کہا ہے کہ ربانیوں سے مراد عیسائیوں کے علماء ہیں اور احبار سے مراد یہود کے علماء ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ دونوں لفظوں سے مراد یہودی ہیں کیونکہ یہ آیات یہودیوں کے متعلق ہیں۔ ایک لفظ سے مراد یہود کے درویش ہیں اور دوسرے لفظ سے مراد یہود کے علماء ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا علماء کی تنبیہ کے باب میں یہ سب سے سخت آیت ہے۔[1]

ہدایت القرآن

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہیں۔ اگر سب لوگ اس فریضہ کو ترک کر دیں گے تو گمراہی

---

[1] ابن الجوزی، زاد المسیر، ج:2، ص:239

پھیل جائے گی۔ بنی اسرائیل میں جب گمراہی شروع ہوئی تو لوگ ایک دوسرے کو برائی سے روکتے تھے، مگر جب اس کا فائدہ ظاہر نہ ہوا تو یہ سلسلہ رک گیا اور اچھے لوگ بھی برے لوگوں کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ بن گئے۔ پس اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل پر نکیر فرمائی ہے کہ انہوں نے جو برائیوں پر نکیر چھوڑ دی وہ بہت ہی برا کیا۔

فائدہ: آج مسلمان بھی اس معاملہ میں بنی اسرائیل کے نقش قدم پر ہیں۔ برائی پر ٹوکنے کا مزاج ختم ہو گیا اور علماء ومشائخ بھی خلاف شرع امور کرنے والوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں کوئی مضائقہ محسوس نہیں کرتے۔[1]

اطلاق و تطبیق

سیاستِ مدنیہ کے شعبوں میں ایک اہم شعبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی ہے جس کے متعلق علامہ غلام رسول سعیدی نے تفسیر تبیان القرآن میں یہود کی خوب درگت بنائی ہے اور یہود کے علماء کی اچھی طرح مذمت بیان کی ہے۔ اس آیت میں ربانیون اور احبار کے مصداق میں مختلف حضرات کے اقوال نقل کیے ہیں کہ ربانیون کا مصداق عیسائیوں کے علماء ہیں اور احبار سے مراد یہود کے علماء یا دونوں سے مراد یہود ہیں۔

علامہ سعید احمد پالن پوری فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے پھر یہودیوں کی اس فریضہ میں کوتاہی پر مذمت بیان کی ہے اور آخر میں کہتے ہیں کہ امتِ محمدیہ بھی انہیں یہودیوں کے نقش قدم پر چل پڑی ہے۔

چودھواں حکم: نظام مملکت اور معاشرے کے لیے نقصان دہ چیزیں

شراب، سٹہ، مورتیاں اور پانسے کے تیروں کی حرمت

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (90) إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ"[2]

"اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے تھان اور جوے کے تیرے یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں، لہذا ان سے بچو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:326

[2] سورۃ المائدۃ 05:90-91

ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض کے بیج ڈال دے، اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ اب بتاؤ کہ کیا تم (ان چیزوں سے) باز آجاؤ گے؟"

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی نے آیت میں مذکور چاروں الفاظ کی پہلے وضاحت کی ہے:

i. خمر: انگور کا کچا شیرہ، جو پڑے پڑے سڑ کر بدبودار ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے تو وہ نشہ آور ہو جاتا ہے، اس کو خمر کہتے ہیں۔ خمر کا معنی ہے ڈھانپنا اور نشہ انسان کی عقل کو ڈھانپ لیتا ہے۔

ii. میسر: ہر وہ عقد جس کی رو سے ہارنے والا جیتنے والے کو ایک معین اور پہلے سے طے شدہ رقم ادا کرے، اس کو میسر کہتے ہیں۔ میسر یسر سے بنا ہے، اور جوئے کے ذریعے جیتنے والے فریق کو ہارنے والے فریق کی رقم آسانی سے مل جاتی ہے۔ اس لیے اس کو میسر کہتے ہیں۔

iii. ازلام: تیروں کی ہیئت کی پتلی پتلی لکڑیاں، ان سے زمانہ جاہلیت میں قسمت کا حال اور شگون معلوم کرتے تھے اور فال نکالتے تھے۔

iv. رجس جو چیز حسی یا معنوی طور پر گندی اور ناپاک ہو۔ انسان کی طبیعت اس سے گھن کھائے یا عقل اس کو برا جانے یا شریعت نے اس کو ناپاک قرار دیا ہو۔

علامہ غلام رسول سعیدی نے شراب اور جوئے کی دینی اور دنیوی خرابیاں یوں بیان کی ہے:

اس آیت میں دس وجوہ سے شراب اور جوئے کی حرمت بیان کی گئی ہے:

i. شراب اور جوئے کو بتوں اور فال کے تیروں کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور بت اور فال کے تیر حرام ہیں سو شراب اور جوا بھی حرام ہیں۔

ii. شراب اور جوئے کو رجس یعنی ناپاک فرمایا ہے اور ناپاک چیز حرام ہے اس لیے شراب اور جوا بھی حرام ہیں۔

iii. ان کو شیطان کا عمل فرمایا اور شیطان کا عمل حرام ہے۔

iv. ان سے اجتناب کرنے کا حکم دیا اور جس سے اجتناب کرنا واجب ہو اس کا ارتکاب کرنا حرام ہے۔ ان سے اجتناب کرنے پر اخروی فوز و فلاح موقوف ہے اور ان کا ارتکاب فوز و فلاح کے منافی ہے اور جو چیز اخروی فوز و فلاح کے منافی ہو وہ حرام ہے۔

v. ان کے ذریعہ شیطان تمہارے درمیان بغض پیدا کرتا ہے اور بغض حرام ہے۔

vi. ان کے ذریعہ شیطان تمہارے درمیان عداوت پیدا کرتا ہے اور عداوت حرام ہے اور یہ دونوں اجتماعی ضرر ہیں۔

vii. ان کے ذریعہ شیطان تمہیں اللہ کی یاد سے روکتا ہے اور جو چیز اللہ کی یاد سے روکے وہ حرام ہے۔

viii. اس کے ذریعہ شیطان تمہیں نماز سے روکتا ہے اور جو چیز نماز سے روکے وہ حرام ہے۔

ix. پھر فرمایا کیا تم باز آنے والے ہو؟ سو شراب اور جوئے سے باز آنا فرض ہے اور ان میں مشغول ہونا حرام ہے۔[1]

ہدایت القرآن

علامہ سعید احمد پالن پوری آیت میں مذکور چار حرام چیزوں کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

i. خمر لغت میں انگور کے کچے رس کو کہتے ہیں، جب اس میں جوش آئے، اور وہ اٹھے، اور اس میں جھاگ آئے تو امام اعظمؒ کے نزدیک: وہ خمر (انگوری شراب) ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک جھاگ ڈالنا شرط نہیں، جب اس میں جوش آجائے اور ابھرے تو وہ خمر بن گیا۔ اور دیگر ائمہ کے نزدیک انگور کے کچے شیرے کی کوئی تخصیص نہیں، ان کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب خمر اور حرام ہے، اور احناف کے یہاں بھی فتوی اسی پر ہے، ہر نشہ آور چیز خواہ سیال ہو، جیسے مختلف شرابیں، خواہ جامد ہو، جیسے افیون، حشیش، بھنگ اور ہیروئن وغیرہ سب حرام ہیں، البتہ نجاست غلیظہ خفیفہ ہونے میں، اور حد کب واجب ہو گی؟ اس میں ائمہ میں اختلاف ہے۔[2]

ii. میسر جوا، سٹہ: کسی چیز پر اس طرح رقم لگانا کہ اس کا انجام معلوم نہ ہو، جیسے کھیل وغیرہ میں شرط لگاتے ہیں میسر کے معنی ہیں: سہولتِ تمول، سٹہ میں آسانی سے بہت مال مل جاتا ہے، اس لئے اس کا یہ نام ہے۔ میسر کو قمار بھی کہتے ہیں، قمار: باب مفاعلہ کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں باہم بازی لگانا، سٹہ کھیلنا۔

iii. انصاب: نصب کی جمع ہے. پوجا کے لئے کھڑی کی ہوئی چیز خواہ وہ مورتی ہو، کوئی پتھر، درخت، قبر وغیرہ ہو جن کی مشرک قومیں اور جاہل مسلمان پرستش کرتے ہیں۔

iv. ازلام: زلم کی جمع ہے: فال کے تیر، زمانہ جاہلیت میں عربوں میں یہ طریقہ تھا کہ چند آدمی مل کر اونٹ خرید کر

---

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:296-308

[2]

لاتے تھے جس میں سب کے پیسے برابر ہوتے تھے، پھر اس کو ذبح کر کے گوشت غیر مساوی تقسیم کرتے تھے، اس کے لئے قرعہ اندازی کرتے تھے، جس کے نام جو حصہ نکلتا وہ اس کو دیا جاتا، اور جس کے نام کوئی حصہ نہ نکلتا وہ محروم رہتا، یہ بھی سٹے کی ایک شکل تھی، اس سورت کی آیت 3 کی تفسیر میں اس کی ایک دوسری صورت کا بھی بیان ہے۔

اس کے بعد مفسر نے شراب کے نزول میں تدریج کی رعایت کی خوب وضاحت کی ہے اور اس کے بعد شراب اور سٹے کی حرمت میں تاکید کے متعلق لکھتے ہیں: شراب اور سٹے کی حرمت تاکید کے ساتھ نازل ہوئی۔

ان دو آیتوں میں شراب اور جوے کی حرمت دس تاکیدات کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔

i. يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسے خطاب ہے، اس خطاب میں چاروں چیزوں سے بچنے کی ترغیب ہے، جیسے کسی سے کہیں پیارے اپانی پلاتو وہ شوق سے پانی لائے گا، یا کہیں: "میرے لاڈلے بیڑی مت پی" پس اگر وہ سعادت مند ہو گا تو بھی بیڑی منہ میں نہیں ڈالے گا۔

ii. پھر لفظ "وانما" کی استعمال کیا ہے، جو کلمہ حصر ہے، اور عربی زبان میں کسی بات کو قوت کے ساتھ بیان کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

iii. شراب اور جوے کی حرمت کو بت پرستی کے ساتھ ملایا ہے یعنی یہ برائیاں شرک کے ہم قول ہیں۔

iv. دونوں گناہوں کو رجس سے تعبیر کیا ہے، یعنی دونوں ناپاک اور گندی چیزیں ہیں۔

v. چاروں چیزوں کو شیطانی عمل قرار دیا ہے، اور شیطان کی طرف نہایت بری چیز منسوب کی جاتی ہے۔

vi. فاجتنبوہ فرما کر واضح طور پر ان چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

vii. شراب اور سٹے کے دنیوی اور اخروی نقصانات بیان کئے ہیں، دنیوی نقصان باہم عداوت اور سخت دشمنی پیدا ہوتا ہے، اور اخروی نقصان: اللہ کی یاد سے اور نماز سے غافل ہو جاتا ہے۔

viii. بیان حرمت کے بعد لوگوں سے سوال کیا ہے: "فهل انتم منتهون" کیا تم ان چیزوں سے باز آؤ گے؟ اس میں ہلکی سی ڈانٹ ہے۔

ix. اللہ اور ان کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اس لیے کہ احکام پر عمل حکمت جاننے پر موقوف نہیں، اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہی بڑی حکمت اور مصلحت ہے۔

x. "واحذروا" میں دوبارہ شراب اور سٹے سے بچنے کی تاکید ہے اور نہایت سختی سے فرمایا ہے: اگر تم اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے عدول کروگے تو اپنا نقصان کروگے، کیونکہ اللہ کے رسول کی ذمہ داری کھول کر بات پہنچا دینا ہے، اس کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں۔[1]

اطلاق و تطبیق

مذکورہ بالا آیت میں ایسے امور بیان ہوئے ہیں جن پر پابندی لگانا اور ان کے شرور سے مسلمانوں کو بچانا سیاستِ مدنیہ کا مقصودِ اصلی ہے۔

تفسیر تبیان القرآن میں علامہ غلام رسول نے پہلے تو چاروں چیزوں یعنی خمر، میسر، ازلام اور رجس کے لغوی اور اصطلاحی تعریفات اور ان کے احکام تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ اس کے بعد خصوصی طور پر شراب اور قمار کے دنیوی و دینی دس نقصانات اور خرابیاں ذکر کی ہیں۔

تفسیر ہدایت القرآن میں اسی ترتیب سے چاروں چیزوں کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات کے ساتھ ساتھ شراب وجوے کی حرمت کے دس تاکیدات جو اس آیت سے معلوم ہو رہی ہیں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

پہلا حکم: کفار کو ویزا دینا

"وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ"[2]

"اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اسے اس وقت تک پناہ دو جب تک وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں علم نہیں ہے۔"

تبیان القرآن

مفسر نے مشرکین کو دار الاسلام میں آنے کی اجازت دینے کے مسائل اور احکام بیان کرتے ہوئے احکام القرآن للجصاص کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے کہ مشرک جب مسلمانوں کے ملک میں آنے کی اجازت طلب کرے تاکہ وہ دین اسلام کو سمجھے تو اس کو اجازت دینی چاہئے اور اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد ﷺ کی

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:338

[2] سورۃ التوبہ 06:09

نبوت کے دلائل بیان کرنے چاہئیں۔ جو مشرک ہمارے ملک میں آیا ہے ہم پر اس کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کرنا لازم ہے۔[1] اور اس کے تبیان القرآن میں تفصیل سے اس مسئلہ کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔[2]

ہدایت القرآن

اگر کوئی کافر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہے تاکہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کو سمجھے تو کیا اسے اس کا موقع دیا جائے گا؟ اس آیت میں اس کا جواب ہے کہ اگر کوئی کافر مسلمانوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ مجھے اسلام یا اسلام کی حقانیت دلیل سے سمجھاؤ تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کا مطالبہ پورا کریں اور جب اس مقصد سے ہمارے پاس آئے تو ہم پر لازم ہے کہ اس کو اجازت دیں، اس کی حفاظت کریں اور اس کو کسی قسم کی تکلیف یا نقصان نہ پہنچنے دیں پھر جب دین اسے سمجھا دیا جائے تو اسے اس کے وطن میں حفاظت کے ساتھ واپس پہچا دیا جائے تاکہ وہ پوری آزادی سے کوئی رائے قائم کرسکے کیونکہ دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں۔[3]

اطلاق و تطبیق

سورۃ التوبہ کی مذکورہ بالا آیت میں غیر مسلموں کو اسلامی مملکت میں اسلام کو سمجھنے کی نیت سے آنے کے متعلق حکم بیان ہوا ہے جس کے متعلق علامہ غلام رسول سعیدی تفسیر تبیان القرآن میں امام جصاص کے حوالے تفصیلی حکم بیان کیا ہے کہ ایسے غیر مسلموں کو آنے کی اجازت دینا بھی صحیح ہے بلکہ ان کے مال، جان اور عزت و آبرو کی حفاظت بھی اسلامی مملکت کی ذمہ داری ہے۔

تفسیر ہدایت القرآن علامہ سعید احمد پالن پوری نے اسی ترتیب سے یہی مسئلہ لکھا ہے۔

دوسرا حکم: اسلامی ملک میں غیر مسلم کے توہینِ رسالت کی سزا

"وَ اِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ"[4]

"اور اگر ان لوگوں نے اپنا عہد دے دینے کے بعد اپنی قسمیں توڑ ڈالی ہوں اور تمہارے دین کو

---

[1] جصاص، احکام القرآن، ج:3، ص:84

[2] سعیدی، تبیان القرآن، ج:ج:5، ص:71

[3] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:231

[4] سورۃ التوبہ 12:09

طعنے دیئے ہوں، تو ایسے کفر کے سربراہوں سے اس نیت سے جنگ کرو کہ وہ باز آجائیں۔ کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی قسموں کی کوئی حقیقت نہیں۔"

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی نے مذکورہ بالا آیات کے ضمن میں توہین رسالت کے مسئلہ پر تفصیلی بحث کیا ہے اور اس مسئلہ کے متعلق احادیث اور مذاہب کے فقہاء کی آراء واقوال کا انبار لگادیا ہے۔ پہلے تو احناف کا مسلک نقل کیا ہے کہ احناف کے نزدیک اگر کوئی ذمی توہین کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کا عہد نہیں ٹوٹتا۔ پھر انہوں نے علامہ بدر الدین عینیؒ[1] کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں شوافع کے قول کو ترجیح دی ہے۔ اس کے بعد فتاوی شامی وغیرہ کی عبارات نقل کرکے ترجیح اسی کو دی ہے کہ توہین رسالت کا مرتکب واجب القتل ہے۔

پھر لکھتے ہیں:

"توہین رسالت کا قانون بنایا گیا ہے جس کے مطابق سیدنا محمد ﷺ یا انبیاء سابقین میں سے کسی نبی کی بھی توہین کرنے والے کو پھانسی کی سزادی جاسکے گی، اس پر پاکستان میں رہنے والے غیر مسلم خصوصاً عیسائی آئے دن احتجاج کرتے رہتے ہیں اور باقی دنیا کے غیر مسلم بھی اس کو مسلمانوں کی بنیاد پرستی قرار دیتے ہیں اور اس قانون کو اقلیت پر ظلم قرار دیتے ہیں جب کہ بائبل میں یہ لکھا ہوا ہے کہ قاضی یا کاہن کی توہین کرنے والا بھی واجب القتل ہے اور نبی کی حرمت اور اس کا مقام تو کاہن اور قاضی سے کہیں زیادہ ہے سو معلوم ہوا کہ توہین رسالت کا یہ قانون قرآن، حدیث، آثار اور مذہب اربعہ کے علاوہ بائبل کے بھی مطابق ہے۔"[2]

تفسیر ہدایت القرآن میں یہ مسئلہ مذکور نہیں ہے۔

---

[1] امام بدرالدین عینی کا پورا نام حمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود عینی، بدرالدین لقب اور قاضی القضاۃ خطاب تھا، مؤرخ، علامہ اور فقہ حنفی کے بہت بڑے شارح اور فقیہ ہیں۔ رمضان میں 762ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ بیسیوں کتابوں کے مصنف ہے جیسا کہ عمدۃ القاری، معانی الاخیار فی رجال معانی الآثار، نخب الافکار فی شرح معانی الآثار، البنایہ فی شرح الہدایہ وغیرہ۔ خیر الدین، محمود، زرکلی، الاعلام (بیروت: دار العلم للملایین، طبع خامس، 2002ء، ج:7، ص:163

[2] سعیدی، تبیان القرآن، ج:5، ص:78

تیسرا حکم: مشروعیت جہاد کی حکمت

"وَ اِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّن بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِاِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ"[1]

"اور اگر ان لوگوں نے اپنا عہد دے دینے کے بعد اپنی قسمیں توڑ ڈالی ہوں اور تمہارے دین کو طعنے دیئے ہوں، تو ایسے کفر کے سربراہوں سے اس نیت سے جنگ کرو کہ وہ باز آجائیں۔ کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی قسموں کی کوئی حقیقت نہیں۔"

ہدایت القرآن

اس آیت پاک سے جہاد کی حکمت واضح ہوتی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں گذشتہ قوموں کے جو حالات ذکر کئے گئے ہیں ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم کفر و شرارت اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی تکذیب و عداوت میں حد سے بڑھ جاتی ہے تو اس پر آسمان سے تباہ کن عذاب نازل کیا جاتا ہے بلاشبہ یہ عذاب بہت سخت ہوتا ہے اور آئندہ نسلوں کے لئے عبرت ناک بھی ہوتا ہے لیکن عذاب پانے والے لوگوں کو دنیا میں رہ کر اپنی ذلت ورسوائی کا نظارہ نہیں کرنا پڑتا نہ آئندہ کے لئے توبہ کا کوئی امکان باقی رہتا ہے۔ البتہ شریروں کو سزا دینے کی ایک دوسری صورت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا واسطہ عذاب دینے کے بجائے اپنے مخلص وفادار بندوں کے ہاتھوں سزا دیں۔ اس صورت میں مجرموں کی رسوائی کے ساتھ ساتھ مخلصوں کی عزت افزائی بھی ہوگی، اللہ کے وفادار بندوں کا غلبہ سب آنکھیں دیکھیں گی اور مومنوں کے دل یہ دیکھ کر ٹھنڈے ہوں گے کہ کل تک جو لوگ انہیں حقیر وناتواں سمجھ کر ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے تھے آج خدا کی تائید ورحمت سے انہیں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ کفر وباطل کی شوکت ونمائش دیکھ کر جن دلوں میں خلش اور چھبن تھی وہ شفایاب ہوں گے مظلوم مسلمانوں کی بے بسی اور ظالم کفار کی چیرہ دستیوں سے جن دلوں میں دکھن بھی وہ دور ہوگی اور آخری فائدہ یہ ہوگا کہ خود مجرموں کے حق میں سزا کا یہ ہوگا خود طریقہ نسبت زیادہ نافع ہے کیونکہ سزا پانے کے بعد بھی توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے اس لئے ممکن ہے حالات سے عبرت حاصل کر کے بہت سے مجرموں کو توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے چنانچہ آنحضور صلی پی ایم کے مبارک زمانہ میں تھوڑی ہی مدت میں سارا عرب سچے دل سے دین الہی کا گرویدہ بن گیا۔ یہ ہے جہاد کی شرعیت کی اصلی غرض وغایت!

---

[1] سورۃ التوبہ 12:09

آخر میں لکھتے ہیں:

"آسمانی عذاب کافروں کا قصہ پاک کر دیتا ہے لیکن اسلامی جہاد کی شکل میں دی جانے والی سزا کافروں کی شرارت کو شرافت اور کفر وشرک کو ایمان واخلاص سے بدلنے کا سبب بن جاتی ہے۔"[1]

تبیان القرآن میں یہ تفصیل مذکور نہیں ہے۔

چوتھا حکم: قانونِ جزیہ

"قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُه وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ"[2]

"وہ اہل کتاب جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ یوم آخرت پر اور جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے، اور نہ دین حق کو اپنا دین مانتے ہیں ان سے جنگ کرو، یہاں تک کہ وہ خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔"

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی نے اس آیت کی تفسیر میں پہلے تو جزیہ کی لغوی واصطلاحی تعریف ذکر کی ہیں وہ لکھتے ہیں: علامہ ابوعبید القاسم بن سلام ہروی[3] نے لکھا ہے کہ جزیہ کا لغوی معنی ہے اکتفا۔[4] علامہ راغب اصفہانی[5] نے لکھا ہے کہ جزیہ وہ رقم ہے جو اہل ذمہ سے لی جاتی ہے اور وہ رقم ان کی جان کی حفاظت کے لیے کفایت کرتی ہے۔ امام

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:238-239

[2] سورۃ التوبہ 29:09

[3] ابوعبید قاسم بن سلام ہروی (پیدائش:157ھ—وفات:224ھ) عالم، فقیہ، محدث، امام الجرح والتعدیل تھے۔ ابوعبید قاسم کی وجہ شہرت اقتصادِ اسلامی پر اُن کی تصنیف کتاب الاموال ہے۔ ہرات میں پیدا ہوئے، روسی نژاد تھے اور طرسوس میں قاضی رہ چکے ہے۔ وفیات الاعیان، 4/60

[4] ہروی، ابوعبید القاسم بن سلام، غریب الحدیث (بیروت: دار الکتب العلمیہ) ج:1، ص:43

[5] امام راغب ان کا پورا نام ابو القاسم حسین بن محمد بن مفضل بن محمد ہے۔ گیارھویں صدی میں اصفہان میں پیدا ہوئے۔ امام راغب بلند پایہ ادیب تھے۔ آپ کثیر التصانیف ہے جن میں مشہور محاضرات الادباء، مفردات القرآن، جامع التفاسیر اور حل متشابہات القرآن ہیں۔ امام راغب کی وفات 502ھ—1108ء بغداد میں ہوئی۔ طبقات المفسرین، 1/49

رازی نے واحدی سے نقل کیا ہے کہ جزیہ جزی سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے کسی واجب کو ادا کرنا اور اصطلاح میں جزیہ اس رقم کو کہتے ہیں جو ذمی اپنی حفاظت کے لیے ادا کرتا ہے۔[1]

پھر جزیہ کی دو قسمیں بیان کی ہیں: ایک وہ قسم ہے جو صلح سے لی جاتی ہے اس کی کوئی حد متعین نہیں ہے اور نہ ہی اس میں تغیر کیا جاتا ہے۔ جزیہ کی دوسری قسم وہ ہے جو اہلِ کتاب سے جبراً ہر سال لی جاتی ہے اور اس کے عوض ان کو ان کے املاک پر برقرار رکھا جاتا ہے۔[2]

اس کے جزیہ کن سے وصول ہو گا؟ جزیہ کی مقدار میں مذاہب فقہاء وغیرہ مسائل پر تفصیلی بحث کیا ہے۔

ہدایت القرآن

سعید احمد پالن پوریؒ جزیہ کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: جنگ کی ہلاکت خیزی زبان زد عام و خاص ہے لیکن اسلامی جہاد کا معاملہ اس سے جداگانہ ہے۔ یہ ہمیشہ ہی دونوں فریقوں کے لئے برکات و ثمرات کا ذریعہ ثابت ہوا ہے اور چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا جہاد خالص دینی جہاد تھا، اس لئے ان کا ہر جہاد خود ان کے لئے اور دشمن کے لئے بھی بڑی خیر و برکت کا سبب بنتا تھا۔ دشمن کے لئے وہ ایمان کی بہار اور امن کا راج لاتا تھا۔ پس آیتوں میں باہمی مناسبت یہ ہوئی کہ اہل کتاب کے ساتھ جو جہاد و قتال کا حکم دیا جارہا ہے وہ مسلمانوں کو مالامال کردے گا۔ اس جہاد میں انھیں وسیع رزق ملے گا اور وہ غنی ہو جائیں گے۔ اس صورت میں جزیہ کی خصوصیت نہیں رہے گی بلکہ اہل کتاب سے جہاد ہی مسلمانوں کے لئے اللہ پاک کے فضل و کرم اور رزق میں وسعت کا ذریعہ بنے گا چنانچہ جب اہل کتاب کے ساتھ جہاد شروع ہوا تو مسلمانوں کے وارے نیارے ہو گئے۔

جزیہ کی مقدار اور اس کے مصارف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جزیہ کے لفظی معنی جزاء اور بدلہ کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اس سے وہ رقم مراد ہوتی ہے جو ذمیوں (غیر مسلم رعایا) سے جان بخشی کے عوض میں، ان کے اموال اور جائدادوں سے تعرض نہ کرنے کے بدلہ میں اور دشمنوں سے ان کے جان و مال کی حفاظت کرنے کے معاوضہ میں لی جاتی ہے۔ جزیہ کی مقدار باہمی مصالحت اور رضامندی سے مقرر کی جاسکتی ہے۔ نجران کے نصاری سے آنحضور ﷺ نے ایسا ہی معاملہ فرمایا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی عرب کے ایک قبیلہ بنو تغلب سے، جو عیسائی ہو گیا تھا، اس قسم کا معاہدہ کیا تھا۔ کسی جگہ

---

[1] صفہانی، راغب، المفردات فی غریب القرآن، ج:1، ص:221

[2] شامی، درمختار مع ردلمحتار، ج:6، ص:239

آنحضور ﷺ نے فی بالغ ایک دینار بھی مقرر فرمایا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں سرمایہ دار سے ماہانہ چار درہم، درمیانی حالت والے سے دو درہم اور غریب سے جو تندرست ہو اور محنت مزدوری یا صنعت و حرفت اور تجارت وغیرہ کے ذریعہ کماتا ہو ایک درہم (تقریبا چار گرام چاندی) لینا طے کیا تھا۔ جس سے بعض فقہاء نے یہ سمجھا ہے کہ جزیہ کی کوئی خاص شرح شرعا مقرر نہیں ہے بلکہ حاکم وقت کی صوابدید پر ہے وہ لوگوں کے حالات کا جائزہ لے کر جو مقدار مناسب سمجھے تجویز کرے بالکل مفلس، اپاہج معذور عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور تارک الدنیا مذہبی پیشواؤں سے کچھ نہیں لیا جاتا۔ یہ معمولی مقدار جو غیر مسلم رعیت سے جزیہ (معاوضہ) کے نام سے لی جاتی ہے اس میں فریقین کے گوناگوں فوائد ہیں۔[1]

اطلاق و تطبیق

سورۃ التوبہ کی مذکورہ بالا آیت میں جزیہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ علامہ غلام رسول سعیدی نے جزیہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات مختلف کتابوں کے حوالے بڑے بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کے بعد جزیہ کی دو اقسام اور ان کے احکام اور جزیہ کن سے وصول ہو گا؟ جیسے مسائل پر سیر حاصل بحث کیا ہے۔

علامہ سعید احمد پالن پوری نے تفسیر تبیان القرآن میں بہت ہی بہترین انداز میں اسلامی جہاد کا مقصد اور جہاد وعام لڑائیوں کے درمیان فرق واضح کیا ہے اور اس کے ساتھ جزیہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات اور احکام پر سیر حاصل بحث کیا ہے۔

پانچواں حکم: جہاد کے لیے نکلنے کا وجوب

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَـكُمۡ اِذَا قِيۡلَ لَـكُمُ انْفِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَى الۡاَرۡضِ‌ؕ اَرَضِيۡتُمۡ بِالۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا مِنَ الۡاٰخِرَةِ‌ ۚ فَمَا مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيۡلٌ اِلَّا تَنۡفِرُوۡا يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ وَّيَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ وَلَا تَضُرُّوۡهُ شَيۡـئًا‌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ"[2]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا گیا کہ اللہ کے راستے میں (جہاد کے لیے) کوچ کرو تو تم بوجھ ہو کر زمین سے لگ گئے؟ کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی پر راضی ہو چکے ہو؟ (اگر ایسا ہے) تو (یاد رکھو کہ) دنیوی زندگی کا مزہ آخرت کے مقابلے

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:263-264

[2] سورۃ التوبہ 09:38-39

میں کچھ بھی نہیں، مگر تھوڑا۔ اگر تم کوچ نہیں کروگے تو اللہ تمہیں دردناک سزا دے گا، اور تمہاری جگہ کوئی اور قوم لے آئے گا، اور تم اسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکوگے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔"

تبیان القرآن

اس آیت سے مسلمانوں کو یہ تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ دشمنانِ اسلام کی سرکوبی کرنے اور ان سے جنگ کرنے والوں کی مدد کرنے کے لیے خود کافی ہے۔ اگر نبی ﷺ کے عہد کے مسلمانوں نے نبی ﷺ کے طلب کرنے پر جہاد کے لیے جانے میں سستی کی تو اللہ تعالیٰ کو کوئی کمی نہیں ہے وہ اپنے نبی کی مدد کے لیے کوئی اور قوم لے آئے گا، اس لیے وہ یہ گمان نہ کریں کی دین کا غلبہ صرف ان ہی سے ہو سکتا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اگر تم جہاد کے لیے نہیں نکلوگے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا، اس سے معلوم ہوا کہ جہاد کرنا واجب ہے، نیز اس سے پہلی آیت میں ان مسلمانوں کی مذمت کی جو جہاد پر بلانے کے باوجود جہاد کے لیے نہیں جاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب بھی مسلمانوں کا امیر مسلمانوں کو جہاد کے لیے بلائے تو ان پر واجب ہے کہ وہ اس کی دعوت پر لبیک کہیں، نیز اس آیت میں جہاد نہ کرنے پر عذاب کی وعید سنائی ہے اور جس طرح جہاد فرض ہے اسی طرح نماز، روزہ زکوۃ اور حج بھی فرض ہیں اور جب جہاد نہ کرنے پر عذاب کی وعید ہے تو باقی فرائض کے ادا نہ کرنے پر بھی عذاب ہو گا، کیونکہ بہ حیثیت فرض ان عبادات میں کوئی فرق نہیں۔[1]

یہ مسئلہ تفسیر ہدایت القرآن میں مذکور نہیں ہے۔

چھٹا حکم: اسلامی حکومت کا فریضہ: زکوۃ کا نظام

"خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ "[2]

"(اے پیغمبر) ان لوگوں کے اعمال میں سے صدقہ وصول کر لو جس کے ذریعے تم انہیں پاک کر دوگے اور ان کے لیے باعث برکت بنوگے، اور ان کے لیے دعا کرو۔ یقیناً تمہاری دعا ان کے لیے سراپا تسکین ہے، اور اللہ ہر بات سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔"

---

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ج:5، ص:136

[2] سورۃ التوبہ 103:09

ہدایت القرآن

اس آیت پاک سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا گیا ہے کہ اسلامی حکومت کے فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ وہ مسلمانوں کی زکات وصدقات وصول کرے اور اس کے مصارف پر خرچ کرنے کا انتظام کرے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں کچھ مسلمانوں نے یہ کہہ کر خلیفہ المسلمین کو زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا کہ ہم سے زکوۃ وصدقات وصول کرنے کا حکم آپ ﷺ کی حیات مبارکہ تک تھا ہم نے اس کی تعمیل کی، آپ ﷺ کی وفات کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کیا حق ہے کہ ہم سے زکات وصدقات طلب کریں؟ حضرت صدیق اکبر نے ان کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ شروع شروع میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ جنگ کرنے میں تردد تھا کہ وہ مسلمان ہیں۔ وہ قرآن پاک کی اس آیت کی آڑ لے کر امام المسلمین کو زکوۃ اداء کرنے سے بچنا چاہتے تھے، اس لئے ان کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کرنا چاہئے جو عام مرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پورے عزم کے ساتھ فرمایا کہ جو شخص نماز اور زکوۃ میں فرق کرے گا اس سے جہاد کیا جائے گا۔ یعنی جو لوگ نماز میں تو اجتماعیت کے قائل ہیں، اُسے تو باجماعت ادا کرتے ہیں مگر زکوۃ میں وہ یہ بات تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اس کی اجتماعیت میں رخنہ اندازی کرتے ہیں ان سے ضرور جہاد کیا جائے گا۔[1]

ساتواں حکم: قیادت کے اوصاف

"لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ"[2]

"(لوگو) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دھن لگی ہوئی ہے، جو مومنوں کے لیے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے۔"

تبیان القرآن

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کی پانچ صفات بیان ہوئی ہیں:

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:371

[2] سورۃ التوبہ 128:09

i. من انفسکم: یعنی نبی کریم ﷺ تمہاری مثل بشر ہیں۔ یا مطلب یہ ہے کہ وہ تم میں نفیس ترین یعنی افضل واشرف ہے۔

ii. عزیز علیہ ماعنتم: امت پر سخت احکام کا آپ پر دشوار ہونا۔

iii. حریص علیکم: دنیا اور آخرت میں امت کی فلاح پر آپ کا حریص ہونا

iv. رءوف

v. رحیم[1]

ہدایت القرآن

سعید احمد پالن پوریؒ لکھتے ہیں کہ وہ صفات جو قیادت کے لیے ضروری ہیں:

اور اس عظیم المرتبت ﷺ کی صفات مندرجہ ذیل ہیں:

i. جنہیں تمہارا دشواری میں پڑنا شاق گزرتا ہے۔ یعنی جس چیز سے تم کو تکلیف یا سختی پہنچے وہ ان پر بہت بھاری ہے۔ وہ تمہارا دکھ برداشت نہیں کرسکتے۔ تمہاری ہر تکلیف ان کے دل کا غم بن جاتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ امت پر آسانی ہو وہ دنیا میں سرخرو ہوں۔ اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہے۔

ii. جو تمہاری فلاح کے بڑے خواہش مند ہیں۔ یعنی تمہاری خیر خواہی اور نفع رسانی کی خاص تڑپ ان کے دل میں ہے۔ تم دوزخ کی طرف دوڑے جارہے ہو اور وہ تمہاری کمریں پکڑ کر روکتے ہیں۔ ان کی بڑی کوشش اور آرزو یہ ہے کہ اللہ کے بندے بھلائی اور کامیابی سے ہم کنار ہو جائیں تمہاری ہدایت کے لئے ان کا دل ہمیشہ مضطرب رہتا ہے۔ اگر ان کے بس میں ہوتا تو ہدایت و سعادت گھونٹ کر تمہیں پلا دیتے۔

iii. جو مسلمانوں پر بے حد شفیق نہایت مہربان ہیں۔ پس اے لوگو! ایمان لا کر ان کی شفقت و مہربانی کے سزاوار بنو!

قوم کی رہنمائی اور قیادت کے لئے تین وصف ضروری ہیں: سردار اپنی قوم کے لئے سراپا شفقت و رحمت ہو، ان کی فلاح و بہبود کی خواہش سے اس کا دل لبریز ہو، اور ان کی ہر تکلیف اس کے دل کا درد و غم بن جائے[2]

اطلاق و تطبیق

---

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ج:5، ص:302-306

[2] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:428

سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 128 میں نبی کریم ﷺ کے اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ علامہ غلام رسول سعیدی نے نبی کریم ﷺ کی ان پانچ اوصاف کو بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جب کہ علامہ سعید احمد پالن پوری نے اس آیت سے قائد کے اوصاف بیان کیے ہیں یعنی قائد ایسا ہو کہ ہر مشکل کا مقابلہ کر سکے، لوگوں کی فلاح و بہبود کی فکر اس پر سوار ہو اور مسلمانوں پر شفیق و مہربان ہو۔

خلاصہ باب

باب دوم: منتخب تفسیروں (تبیان القرآن اور ہدایت القرآن) کے مشمولات کی روشنی میں سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبہ میں تین عنوانات کے اطلاق و تطبیق کا علمی جائزہ

اس باب میں سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبہ میں پائے جانے والے تین اہم موضوعات کے اطلاق و تطبیق کا گہرائی سے تجزیہ فراہم کیا گیا ہے۔ مطالعہ ان قرآنی آیات پر علمی نقطہ نظر کو واضح کرنے کے لیے منتخب تفسیروں، خاص طور پر "تبیان القرآن" اور "ہدایت القرآن" پر انحصار کیا گیا ہے۔ یہ باب تین فصلوں پر مشتمل ہے جن میں فصل اول میں منتخب تفاسیر وں میں تہذیب اور اخلاقیات کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ مذکورہ دونوں تفاسیر کی روشنی میں لیا گیا ہے۔

اس فصل میں تہذیب اور اخلاقیات کو لاگو کرنے کے علمی جہتوں کی کھوج کیا گیا ہے ہے جیسا کہ سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبہ میں بیان کیا گیا ہے۔ "تبیان القرآن" اور "ہدایت القرآن" سے بصیرت حاصل کرتے ہوئے، یہ جانچ پیش کیا گیا ہے کہ یہ آیات کس طرح اخلاقی طرز عمل کی رہنمائی کرتی ہیں اور تہذیب کی ترقی میں اپنا حصہ ڈالتی ہیں۔ توجہ قرآنی اصولوں کو سمجھنے پر ہے جو انسانی رویے اور معاشرتی اصولوں کی تشکیل کرتے ہیں۔ مثلاً اس فصل میں تہذیب کے حوالے سے ایفائے عہد، مشرکین کی طرف معاہدہ حدیبیہ کی عہد شکنی، یہود و نصاری کے عہد وپیمان کا حال تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ تفسیر تبیان القرآن اور تفسیر ہدایت القرآن دونوں نے مذکورہ مسائل پر سیر حاصل بحث کیا ہے، قرآنی آیات، احادیث، اقوال صحابہ و تابعین، آراء ائمہ کی روشنی میں ایفائے عہد کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور عہد شکنی کی مذمت بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ صبر کی اہمیت و فضائل، خطا پر تنبیہ کا لطیف پرایہ، سخاوت کی مدح و بخل کی مذمت، زکوۃ کی حکمتیں و مصلحتیں، صدقہ کی ترغیب، نفرت پیدا کرنے کے اسباب، توکل، حیا اور کریم النفسی اور ریاکاری و نام و نمود کی مذمت کے متعلق دونوں مفسرین کے طرزِ انداز اور استدلال کا علمی جائزہ لیا گیا ہے۔

فصل دوم: تبیان القرآن اور ہدایت القرآن میں تدبیر منزل کے اطلاق اور و تطبیق کا علمی مطالعہ

اس فصل میں سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبہ میں "تدبیر منزل" کے اطلاق اور تطبیق پر ایک علمی جانچ پڑتال کی گئی ہے۔ منتخب تفسیریں، خاص طور پر "تبیان القرآن" اور "ہدایت القرآن"، امور کے نظم و نسق اور ایک صالح معاشرے کے قیام سے متعلق قرآنی آیات کے ذریعہ تجویز کردہ حکمت عملی اور دانشمندانہ پہلوؤں سے پردہ اٹھانے

کے لیے اہم حوالہ جات کے طور پر کام کرتی ہیں۔

اس فصل میں جن مسائل پر دونوں تفاسیر کی آراء سامنے آئی ہیں ان میں باہمی تعاون وتناصر کا معیار، پاک دامن کتابی عورت سے نکاح، بھائیوں کے درمیان تعلقات، انسانی زندگی کا احترام، زنا کی مذمت اور خرابیاں ونقصانات، دین کا تعلق رشتہ داری اور دوستی سے مقدم ہونا، دغاباز اور مکار لوگوں سے تعلقات توڑنا، تعلقات وترکِ تعلقات کا بنیاد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور سچوں سے تعلقات رکھنا شامل ہیں۔ ان عنوانات پر دونوں مفسرین نے اپنے اپنے انداز میں بحث کیا ہے اور پھر ہر عنوان کے تحت اطلاق و تطبیق کا علمی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

فصل سوم: منتخب تفسیر میں سیاستِ مدنیہ کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ

تیسری فصل سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبہ میں زیر بحث سیاسی جہتوں پر روشنی ڈالتا ہے، "تبیان القرآن" اور "ہدایت القرآن" کی بصیرت سے استفادہ کرتا ہے۔ تبیان القرآن اور ہدایت القرآن کا تجزیہ کرتے ہوئے، اس فصل میں مذہبی اصولوں اور سیاسی نظم ونسق کے باہمی تعلق کو تلاش کیا گیا ہے۔ یہ اس بات پر روشنی ڈالتی ہے کہ قرآنی آیات کس طرح سیاسی ڈھانچے، نظم ونسق، اور سماجی نظم ونسق کی رہنمائی اور اثر انداز ہوتی ہیں، جو ان ابواب میں شامل سیاسی پہلوؤں کی جامع تفہیم فراہم کرتی ہیں۔

فصل سوم میں جو مباحث زیرِ بحث آئیں ان میں احکام شرعیہ میں عذروں کا لحاظ، سچی اور صحیح گواہی، طلب منصب کی تحقیق، اعدائے مسلمین کا تذکرہ، حکومت کے خلاف بغاوت، حدود کا حکم، فتنہ ختم کرنے کے لیے جہاد کا انتظام، چور کی حد، رشوت اور غیر مسلموں کے فیصلے، قانونِ قصاص، عدل وانصاف کا قیام، وضعی قوانین اور شرعی قوانین میں فرق، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے شعبے کا قیام، نظام مملکت کے لیے نقصان دوہ چیزیں، کفار کو اسلامی ملک میں آنے کے لیے ویزا دینا، اسلامی ملک میں غیر مسلم کے توہین رسالت کی سزا، مشروعیت جہاد کی حکمت، قانونِ جزیہ، جہاد کے نکلنے کا وجوب، اسلامی حکومت کا فریضہ: زکوٰۃ کا نظام اور قیادت کے اوصاف شامل ہیں۔

باب سوم: تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن (تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن) کے مشمولات کی روشنی میں سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبۃ میں مذکور تین عنوانات کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ

فصل اول: تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن میں تہذیب الاخلاق کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ

فصل دوم: تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن میں تدبیر منزل کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ

فصل سوم: تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن میں سیاست مدنیہ کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ

خلاصہ باب

فصل اول: تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن میں تہذیب الاخلاق کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ

دراصل انسان کے ارادی کردار واعمال کی پُشت پر نظریاتی واخلاقی جذبہ محرکہ کارفرمارہتاہے۔اعلی اخلاقی اقدار جو طبیعت کا حصہ بن جاتی ہیں اور زندگی کے تمام لمحات میں اس کے مظاہر دیکھنے کو ملتے ہیں،انسانی شرافت کی معراج ہے۔ یہ اعلیٰ اخلاق انضباتی عمل ہے،اس سے زندگی میں حُسن آتاہے،جب کہ بد اخلاقی معاشرتی روگ وبد انتظامی ہے۔ تمام الہامی مذاہب اور معروف فلسفوں میں اخلاقیات کو نمایاں مقام حاصل رہاہے حتیٰ کہ دینِ اسلام میں جہاں اخلاقی تعمیر کا حکم دیا گیا ہے،وہاں قرآن حکیم کے اخلاقی نظام کے اطلاق و تطبیق کے لئے نمونہ کامل آنحضرت ﷺ کی بعثت کا بھی التزام کیا گیا، تاکہ جو بھی اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونا چاہتا ہو وہ اس ہستی کے اعمال وافعال ورویوں کو اختیار کرکے فلاح وکامیابی سے ہمکنار ہو سکے اور آپ ﷺ کی زندگی انسانیت کے لئے مشعل کا کام دے سکے۔ اخلاق و تشکیل اخلاقیات کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ یونانی فلسفہ جہاں ماوراء الطبیعات،علم المنطق، فلسفہ و قانون، علم الجمالیات وعلم الاجتماع کو زیر بحث لاتا ہے وہاں علم النفس و اخلاقی تعمیر و تشکیل کو بھی اہم ترین موضوع کے طور پر اختیار کرتا ہے۔[1] اس کے برعکس اسلامی نظامِ تربیت، نفسی اصلاح کی راہ سے اخلاقی تعمیر چاہتا ہے۔اصلاح کا اہم ذریعہ عبادات کا منضبط نظام بھی ہے کیونکہ عبادات کا انسانی شخصیت سازی میں نمایاں عمل دخل ہے۔

اخلاقی تشکیل کے حوالہ سے مسلم مفکرین میں ایک بڑا نام شاہ ولی اللہؒ کا ہے ۔ جہاں تک شاہ ولی اللہ کے نظریہ تشکیل اخلاقیات کا تعلق ہے تووہ خود چونکہ صوفی تھے۔ان کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ ایسے دور میں لکھی گئی کہ اس وقت انسانی عقلی تشکیلِ کے بارے میں نئے نظریات سامنے آرہے تھے،اقتصادی فلسفے متعارف ہو رہے،نئے اقدار،نئے اخلاقی سانچے متعارف ہو رہے تھے۔اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو یہ حقیقت کُھل کر سامنے آتی ہے کہ شاہ ولیؒ اللہ نے اس میدان میں منفرد نظریہ پیش کرکے نئی طُرح متعارف کی اور اپنی حیثیت کا امتیاز برقرار رکھا۔شاہ ولیؒ اللہ جہاں ماحول اور خاندنی توارث کو اعلیٰ اخلاق کی تشکیل کا اہم ذریعہ کے طور پر تسلیم کرتے ہیں،وہاں وہ اس کے ڈانڈے ماوراءالطبیعات قوتوں سے اُستوار کرتے ہیں، وہ عقائد اور عباداتِ اسلامی کو رویوں واخلاق بنانے میں اہم عوامل سمجھتے ہیں۔

---

[1] گیلانی، مناظر احسن، اخلاق وفلسفہ اخلاق، طیب پبلشرز، لاہور، طبع پنجم 2000، ص 25

ماحول کا انسانی اخلاق کی تشکیل کی حقیقت سے متعلق وہ لکھتے ہیں:

"انماالاخلاقُ بالاحوال لابالعلوم"[1]

"اخلاق کی تشکیل میں احوال کو اساسی اہمیت حاصل ہے، نہ کہ علم و تعلم کو۔"

شاہ ولیؒ اللہ انسانی اخلاقی تشکیل میں عبادات کو خاص مقام دیتے ہیں، اسلامی عبادات کی دوحیثیات کی اساس پروہ منفرد تجزیہ پیش کرتے ہیں، وہ اس تناظر میں بے لاگ نقد کرتے ہیں اور عبادات کی انتہائی حکمت کو وہ انسانی انا کی تشکیل پر منتج مانتے ہیں۔ اُن کی نظر میں نفس کردار کے اعتبار سے چار بنیادی اخلاقیات کی تشکیل کا متحمل ہے، یہ اُم اخلاق ہیں۔ ان اساسی اخلاقیات کے نتیجہ میں اٹھارہ اخلاقیات پروان چڑھتی ہیں اور ان اخلاقیات کی ضد سے بچاؤ کا بھی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ چار بنیادی اخلاقیات عبادات نماز، زکواۃ، روزہ اور حج جیسے اعمال کے بار بار دُہرانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ چار اخلاق درج ذیل ہیں۔

1:طہارت

2:اخبات

3:سماحت

4:عدالت

ان اخلاق کی تشکیل سے متعلق شاہ ولیؒ اللہ عمیق انتقاد پیش کرتے ہیں۔ تصوف (انسان کے باطنی قویٰ) اور اعمالِ انسانی (شریعت) کی پیروی کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے شاہ ولیؒ اللہ لکھتے ہیں۔

النظر الی الاعمال (ای) العبادات من حیث ایصالھا الی ھیئات نفسانیة[2]

"احسان و سلوک اعمال سے اس حیثیت سے بحث کرنے کا نام ہے کہ وہ کیفیات نفسانیہ یعنی اخلاق وملکات تک کس طرح مفضی ہوتے ہیں"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اختیار وارادہ سے کوئی اچھا یا بُرا کام کرتا ہے تو وجود میں آکر ختم نہیں ہوتا بلکہ اس کے نفس کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے، اندرون دل اس سے اثر پذیر ہو جاتا ہے، یہی کیفیت نفسانیہ ہے، پھر جب تک وہ کیفیت عارضی ہوتی ہے تو یہ حال کہلاتی ہے اور جب وہ راسخ ہو جاتی ہے تو ملکات بنتے ہیں۔ صورت حال یہ ہے کہ اعمال و عبادات اور ہیئات نفسانیہ میں ربط وارتباط ہوتا ہے، اعمال ہیئات نفسانی کو کُمک پہنچاتے ہیں اور وہی ہیئات نفسانیہ کی تشریح وترجمانی بھی کرتے ہیں کیونکہ اعمال ان اندرونی کیفیات کے پیکر اور صورتیں ہیں۔ بزبانِ شاہ

---

[1] دہلوی، شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم، حجۃ اللہ البالغہ، ج:1، ص:55

[2] دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ البالغۃ، ج:1، ص:56

ولی اللہؒ اشباہ و تماثیل ہیں کیونکہ آخرت میں جزاو سزا اعمال پر ہو گی مگر حقیقت میں مفید یا مضر ملکات حسنہ یا سیئہ دونوں ہوں گے۔ یہ طے ہے کہ شارع نے اصالۃً و بالذات لوگوں کو اعمال ہی کا مکلف بنایا ہے خواہ اعمال ایجابی ہوں یا سلبی مگر مطلق یعنی ملکات سے قطع نظر کرتے ہوئے مکلّف نہیں بنایا بلکہ اس حیثیت سے مکلّف بنایا ہے کہ وہ اعمال انہی ہیئات نفسانیہ سے اُبھرتے اور وجود میں آتے ہیں مجرداً نہیں اس لئے لوگ ثانوی درجے میں اس کے بھی مکلّف ہیں کہ وہ اچھے ملکات کی تحصیل کی سعی کریں اور بُرے ملکات سے اجتناب کریں۔

اعمال و عباداتِ انسانی اور ہیئات نفسانیہ کے بارے میں کچھ مزید تفصیل یہ ہے: اعمال کے سلسلے میں دیکھا گیا ہے کہ کن اعمال سے کون کونسے ملکات پیدا ہوتے ہیں؟ اعمال میں انضباط ہوں، ان میں مجبوریوں کے مواقع کی رعایت برتی گئی ہوں جو مطلوبہ ہیئات نفسانیہ تک مفضی ہوں، اعمال ان اندرونی کیفیات کے پیکر اور صورتیں ہیں۔ شارع نے اصالۃً و بالذات لوگوں کو مکلّف بنایا ہے، تاہم ہیئاتِ نفسانی بھی مقصود ہیں، لہذا کیفیت نفسانیہ اور اعمال دونوں مطلوب ہیں اگر اس امر کو ایک مثال سے واضح کیا جائے تو مناسب ہو گا۔،،اخبات،، ایک ملکہ ہے، اس کو نماز سے حاصل کیا جا سکتا ہے، لہذا اخبات کی حقیقت معلوم کرنا بھی ضروری ہے اور نماز کا عمل جو اذکار، تلاوت، مخصوص طرز یعنی رکوع و سجود پر مشتمل اعلیٰ درجہ کی بندگی ہے، سے متعلق جاننا بھی ضروری ہے۔ یہ بات وثوق کو پہنچتی ہے کہ نماز کے عمل کو دہرانے سے ،،اخبات،، کی کیفیتِ حال پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح تمام احکام کے بارے میں یہ سمجھنا کہ اعمال و ارکانِ اسلام بمنزل اسباب و آلات ،،Tools،، کے ہیں، ان سے مقصود نفس کا علاج اور دیکھ بھال ہے، یہ اعمال کیسے انسان کے

باطن پر اثر انداز ہوتے ہیں؟ اعمال سے اصلاحِ باطن کیسے ممکن ہے؟ بطورِ مثال اس طرح سمجھا جا سکتا ہے، جس طرح طبیب مریض کا علاج کرتا ہے اور ان کے احوال کو سنوارتا ہے، اس طرح اعمال کے ذریعے انسان اپنی اصلاح کرتا رہتا ہے۔ جس شخص کو آلات و اسباب کی کماحقہ معرفت حاصل نہیں ہوتی وہ کبھی آلات کو اندھا دھند استعمال کر کے نقصان بھی اُٹھا سکتا ہے۔ معرفت کی اساس وجدان پر ہے، چونکہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام اپنے ذوق و وجدان سے اعمال اور ان کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے باطنی کیفیات دونوں سے واقف تھے اس لئے اُس وقت شریعت و طریقت کی تقسیم کا تصور ہی نہ تھا، بعد کے ادوار میں ظاہری اعمال کا نام شریعت اور اس پر عمل کے نتیجہ میں باطنی کیفیات کا نام تصوف پڑ گیا، تصوف بھی کوئی خارجی چیز نہیں، شریعت انسانی اعماق میں اُتر جائے اور طبیعت کی روپ دھار لے تو یہی طریقت ہے۔ شاہ ولی اللہؒ اعمال کے نتیجہ میں چارام الاخلاق یعنی طہارت اس کی ضد حدث، اخبات اس کی ضد استکبار، سماحت اس کی ضد خود غرضی اور عدالت اس کی ضد ظلم کی صفات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ چارام الاخلاق ہیں کیونکہ دوسرے اخلاقیات ان سے ماخوذ ہیں۔ عبادات سے ان چارام الاخلاق کا

حصول اور ان کی ضد سے اجتناب مقصود ہے۔

تفسیر ظلال القرآن اور تفسیر تفہیم القرآن میں تہذیب الاخلاق کا اطلاقی و تطبیقی جائزہ

سورۃ المائدۃ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ"[1]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بندشوں کی پُوری پابندی کرو۔"

پہلا حکم: ایفائے عہد

سب سے پہلے تفسیر فی ظلال القرآن اور تفسیر تفہیم القرآن کے اقتباسات نقل کئے گئے ہیں اور اس کے بعد ان دونوں تفاسیر کے درمیان اطلاق و تطبیق ذکر کیا گیا ہے۔

تفسیر فی ظلال القرآن

ایفائے عہد کا تعلق تہذیب اخلاق سے ہے۔ سورۃ المائدۃ میں ایفائے عہد کا حکم دیا گیا ہے۔ لفظ عقود کی جامعیت اور وسعت کے متعلق محمد قطب بہت تفصیل ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ ملاحظہ ہو:

زندگی کے بسر کرنے کے لئے کچھ ضوابط کی ضرورت ہوتی ہے۔ خود انسان اور اس کے نفس کے درمیان جو تعلق ہے اسکے لئے بھی کچھ اصول اور ضوابط ہوتے ہیں۔ پھر ایک انسان اور انسان کے درمیان تعلق کے کچھ اصول ہوتے ہیں اور پھر انسان اور تمام دوسری زندہ مخلوق اور غیر زندہ اشیاء کے درمیان بھی تعلق کے ضابطے ہوتے ہیں۔ لوگوں میں سے رشتہ داروں سے تعلقات، غیر رشتہ داروں اور دور کے لوگوں کے ساتھ تعلقات، خاندان اور قوم کے لوگوں کے ساتھ تعلقات، جماعت کے ساتھ تعلقات اور پھر پوری امت کے ساتھ ایک فرد کا تعلق، دشمنوں کے ساتھ تعلق، دوستوں کے ساتھ تعلق، دنیا کی ان زندہ جیروں کے ساتھ تعلق جنہیں اللہ نے انسان کے قابو میں رکھا ہے اور ان کے ساتھ تعلق جو بے قابو ہیں اور اس وسیع و عریض کائنات کی تمام اشیاء کے ساتھ انسان کے تعلق کے اصول و ضوابط اسلامی نظام زندگی کے اندر پورے کے پورے موجود ہیں۔ پھر انسان کی زندگی کا ربط اپنے رب کے ساتھ، اپنے آقا کے ساتھ تو ایک ایسا تعلق ہے جو زندگی کی بنیادی قدر ہے۔ یہ تمام امور اس نظام کے اندر مقرر اور منضبط ہیں۔

اسلامی نظام ان تمام ضوابط اور تعلقات کو انسانی زندگی کے اندر عملاً ثابت کرتا ہے۔ وہ ان تعلقات کو قائم

---

[1] سورۃ المائدۃ 05::01

کرتا ہے، ان کے لئے حدود قیود متعین کرتا ہے اور ان کی پوری پوری وضاحت کرتا ہے۔ اور یہ تمام رابطے رب ذوالجلال کے عنوان سے ہوتے ہیں۔ وہ ان تمام رابطوں کے احترام کی ضمانت دیتا ہے۔ ان کی بے حرمتی اور ان کے ساتھ مذاق کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

آخر میں مذکورہ ساری تفصیلات کے متعلق لکھتے ہیں:

"یہ تمام ضوابط جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا، ان کی تعبیر اللہ تعالیٰ لفظ "العقود" سے فرماتے ہیں اور اہل ایمان کو حکم دیتے ہیں کہ وہ ان عقود کی پوری پوری پابندی کریں۔"[1]

تفہیم القرآن

سید ابو الاعلی مودودیؒ ایفائے عہد کے متعلق فرماتے ہیں:

"ان حدود اور قیود کی پابندی کرو جو اس سورۃ میں تم پر عائد کی جارہی ہیں، اور جو بالعموم خدا کی شریعت میں تم پر عائد کی گئی ہیں۔ اس مختصر سے تمہیدی جملہ کے بعد ہی اس بندشوں کا بیان شروع ہو جاتا ہے جن کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے۔"[2]

اطلاق و تطبیق

مولانا ابو الاعلی مودودی نے یہاں پر لفظ "عقود" کو اسی سورت میں ذکر کیے جانے والے احکام کے ساتھ خاص کیا ہے اور اس سورت میں آگے آنے تمام احکام کی پابندی کو ایفائے عہد قرار دیا ہے اور بہت ہی اختصار سے کام لیا ہے، جب کہ اس کے مقابلے میں سید محمد قطب نے لفظِ "عقود" کو خوب واضح کیا ہے۔ سید محمد قطب نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان، اللہ تعالیٰ کی حاکمیت، ربوبیت اور اس کے قوام اور نگران ہونے کا اعتراف کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی مکمل بندگی کرنے کے تقاضے اور ہمہ گیر اور عمیق اطاعت، اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے اور انسانوں کے آپس میں سارے تعلقات، رشتوں اور حقوق کو اسی لفظ "عقود" کا مصداق قرار دیا ہے۔

دوسرا حکم: عفو و درگزر کی اہمیت

" وَ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا وَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ "[3]

---

[1] سید محمد قطب شہید، فی ظلال القرآن، ادارہ منشورات اسلامی، لاہور، اکتوبر 1995ء، ج:2، ص:410-411

[2] مودودی، تفسیر تفہیم القرآن، ج:1، ص:437

[3] سورۃ المائدۃ 2:5

"اور دیکھو ایک گروہ نے جو تمہارے لئے مسجد حرام کا راستہ بند کر دیا تو اس پر تمہارا غصہ تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم بھی انکے مقابلے میں ناروا زیادتیاں کرنے لگو۔ جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ان میں سب سے تعاون کر گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو اس کی سزا بہت سخت ہے۔،

تفسیر فی ظلال القرآن

اس آیت کی تفسیر میں سید محمد قطبؒ عفو و درگزر کے متعلق اسلامی تصور اور اس کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: کہ ان لوگوں پر بھی ظلم و زیادتی نہ کرو جنہوں نے حدیبیہ کے موقعہ پر تمہیں مسجد حرام میں جانے سے روک دیا تھا اور اس سے پہلے بھی جب وہ مکہ میں تھے وہ ایسی رکاوٹیں پیدا کیا کرتے تھے۔ ان کے لگائے ہوئے زخم ابھی تک اگرچہ مسلمانوں کے دلوں میں تازہ تھے، اور مسلمانوں کے دلوں میں مسجد حرام سے روکنے کی وجہ سے ان لوگوں کے خلاف نفرت تازہ تھی۔ اگرچہ یہ صورت حال موجود تھی، لیکن امت مسلمہ کے فرائض اور مقاصد ان چیزوں سے بالاتر تھے امت کے مقاصد و فرائض اس امت کے عظیم کردار کے زاویے سے تھے۔

اس کے بعد اس کا انطباق کرتے ہیں کہ ضبط نفس کے میدان میں یہ بلند ترین مقام ہے۔ دریا دلی میں یہ سب سے اونچا درجہ ہے اور اس مقام تک اس امت کے لئے پہنچنا فرض ہے جسے اب اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت کا نگران اور اتالیق مقرر کیا ہے۔ جسے عوام الناس کی تہذیب اور ترقی کا فریضہ سپرد کیا گیا ہے اور جسے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ پوری انسانیت کو اس بلند اور روشن افق اور نصب العین کی طرف متوجہ کر دے۔

تفہیم القرآن

سید ابو الاعلی مودودی فرماتے ہیں:

"چونکہ کفار نے اس وقت مسلمانوں کو کعبہ کی زیارت سے روک دیا تھا اور عرب کے قدیم دستور کے خلاف حج تک سے مسلمان محروم کر دیے گئے تھے، اس لیے مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جن کافر قبیلوں کے راستے اسلامی مقبوضات کے قریب سے گزرتے ہیں، ان کو ہم بھی حج سے روک دیں اور زمانہ حج میں ان کے قافلوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر انہیں اس ارادہ سے باز رکھا۔"[1]

---

[1] مودودی، تفسیر تفہیم القرآن، ج:1، ص:440

اطلاق و تطبیق

دونوں مفسرین نے آیتِ بالا کی تفسیر میں صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کی جانے والی ظلم وزیادتی اور ان کو بیت اللہ میں جانے سے روکنے کی صورت میں جو غم وغصہ مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوا تھا، کا تذکرہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عفوودرگزر کی ترغیب دی ہے کہ تم ان مشرکین سے انتقام کی نہ سوچو اور ان کی طرف سے دل صاف رکھو۔

تیسرا حکم: اسلام کا کریمانہ اخلاق

تفسیر فی ظلال القرآن

سورۃ المائدۃ کی دوسری آیت کی تفسیر میں سید محمد قطب اسلام کے کریمانہ اخلاق پر گفتگو کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اسلام نے آکر دلوں کو اللہ کے ساتھ جوڑ دیا۔ اخلاق اور اقدار حیات کے لئے اللہ کے پیمانے میدان میں آگئے اسلام نے عربوں اور پوری انسانیت کو حمیت جاہلیہ سے نکالا۔ نعرہ عصبیت سے منع کیا، ذاتی میلانات، شخصی تاثرات، خاندانی اور قبائلی محدود سوچ سے نکالا اور دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت صرف انسانیت کو محور بنایا۔

غلبہ اسلام کے بعد جزیرۃ العرب کے اندر ایک نیا انسان پیدا ہوا، یہ انسان الٰہی اخلاق سے مزین تھا، یوں عربوں کو ایک نیا جنم ملا اور جب یہ روشنی دنیا میں پھیلی تو تمام کرہ ارض پر انسانیت کو ایک جدید جنم ملا۔ اسلام سے قبل جزیرۃ العرب پورے کا پورا جاہلیت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ جس کا نعرہ یہ تھا"بھائی کی مدد کرو، ظالم ہو یا مظلوم ہو" بلکہ پوری دنیا اسی نعرہ جاہلیہ کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

جاہلیت کے گہرے گڑھے اور اسلام کے روشن افق کے درمیان بہت ہی دوری اور بعد ہے اور یہ دوری ان دو اقوال سے کس قدر خوبصورتی سے واضح ہوتی ہے۔ ایک بات یہ کہ "بھائی کی مدد کرو ظالم ہے یا مظلوم" اور دوسرا قول باری تعالیٰ کا ہے۔

اور دیکھو ایک گروہ نے جو تمہارے لئے مسجد حرام کا راستہ بند کر دیا تو اس پر تمہارا غصہ تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم بھی انکے مقابلے میں نارواز یادتیاں کرنے لگو۔ جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ان میں سب سے تعاون کر

گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو اس کی سزا بہت سخت ہے۔[1]

یہ بحث تفسیر تفہیم القرآن میں مذکور نہیں ہے۔

چوتھا حکم: اللہ تعالیٰ کا عہد و میثاق اور اس کی اہمیت

"وَ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا "[2]

"اللہ نے تم پر جو انعام فرمایا ہے اسے اور اس عہد کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا تھا۔ جب تم نے کہا تھا کہ: ہم نے (اللہ کے احکام کو) اچھی طرح سن لیا ہے، اور اطاعت قبول کرلی ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ یقیناً سینوں کے بھید سے پوری طرح باخبر ہے۔"

تفسیر فی ظلال القرآن

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ کا عہد و میثاق کی یاددہانی کا حکم ہے، اس کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے متعلق سید محمد قطب رقم طراز ہیں:

اسی طرح اس میں اس میثاق کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا تھا۔ اور یہاں اس کی طرف اس لئے اشارہ کیا گیا کہ یہ بھی ایک واضح حقیقت تھی جسے وہ جانتے تھے اور اس پر وہ بہت فخر کرتے تھے۔ اس معاہدے کا فریق اول اللہ تھا۔ اور فریق دوئم وہ تھے اور یہ بات ان کے لئے نہایت ہی قابل قدر اور قابل عزت تھی، اور یہ بات نہایت عظیم تھی اور وہ اس کی اہمیت اور حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو خدا ترسی کے حوالے کرتے ہیں اور دل کے اندر اللہ کے خوف کا احساس کرنے اور خفیہ خطرات کے مقابلے میں ان کو بیدار کیا جاتا ہے۔[3]

یہ تفصیل تفہیم القرآن میں موجود نہیں ہے۔

پانچواں حکم: یہود کی عہد شکنی اور خیانت

"فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ

---

[1] سید محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:420

[2] سورۃ المائدۃ 07:05

[3] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:442

عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ"[1]

"پھر یہ اُن کا اپنے عہد کو توڑ ڈالنا تھا جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور ان کے دل سخت کر دیے اب ان کا حال یہ ہے کہ الفاظ کا الٹ پھیر کر کے بات کو کہیں سے کہیں لے جاتے ہیں، جو تعلیم انہیں دی گئی تھی اُس کا بڑا حصہ بھول چکے ہیں، اور آئے دن تمہیں ان کی کسی نہ کسی خیانت کا پتہ چلتا رہتا ہے ان میں سے بہت کم لوگ اس عیب سے بچے ہوئے ہیں (پس جب یہ اِس حال کو پہنچ چکے ہیں تو جو شرارتیں بھی یہ کریں وہ ان سے عین متوقع ہیں) لہٰذا انہیں معاف کرو اور ان کی حرکات سے چشم پوشی کرتے رہو۔"

تفسیر فی ظلال القرآن

سید محمد قطب نے درجہ بالا آیت کی تفسیر میں بنی اسرائیل سے کئے گئے معاہدات اور ان کی عہد شکنیوں کا تفصیلی جائزہ لیا ہے وہ لکھتے ہیں: اس سبق میں اللہ کے اس معاہدے کا جائزہ بھی لیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے قوم موسیٰ کے ساتھ اس وقت کیا تھا، جب اس کو مصر کی محکومانہ اور رسوا کن زندگی سے نجات دی گئی تھی۔ اس میثاق کو بھی بنی اسرائیل نے توڑ دیا تھا۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس عہد شکنی کے نتیجے میں ان پر کیا گزری۔ خدا کی لعنت کے ساتھ انہیں جلاوطن کر دیا گیا اور ہدایت اور انعام سے محروم کر کے انہیں راندہ درگاہ قرار دیا گیا۔ پھر اس معاہدے کا جائزہ بھی لیا گیا ہے جو ان لوگوں سے کیا گیا تھا، جنہوں نے کہا تھا کہ وہ نصاریٰ ہیں۔ انہوں نے اس معاہدے کو توڑا اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان نفرت اور عداوت پیدا کر دی اور اعلان کر دیا گیا کہ یہ عداوت تاقیامت بحال رہے گی۔ پھر بنی اسرائیل کا موقف، ارض مقدس کے حوالے سے بھی ایکسرے ہوا ہے جس میں انہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ اس پر حملہ آور ہوں گے انہوں نے اس عہد کو توڑا اور الٹے پاؤں پھر گئے محض بزدلی کی وجہ سے انہوں نے اللہ کی ساتھ بدعہدی کی اور معاہدے کی ذمہ داریاں ادا نہ کیں۔ انہوں نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے صاف صاف کہہ دیا کہ آپ جائیں، آپ اور آپ کا خدا دونوں لڑیں ہم تو یہی بیٹھتے ہیں۔

آگے لکھتے ہیں: انہوں نے اپنے اللہ کے ساتھ کئے ہوئے اس عہد کو کھلے بندوں توڑ دیا۔ انہوں نے اپنے نبیوں کو ناجائز طور پر قتل کیا۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل اور سزائے موت دلوانے کی سازش کی حالانکہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ان کے انبیاء میں سے آخری نبی تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب توراۃ میں تحریف کی۔

---

[1] سورۃ المائدۃ 13:05

انہوں نے اپنی شریعتوں کو بھلا دیا اور کسی بھی شریعت کو نافذ نہ کیا۔ انہوں نے نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی بابت نہایت ہی مکارانہ، معاندانہ اور غیر شریفانہ موقف اختیار کیا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیانت کی اور حضور ﷺ کے ساتھ کئے ہوئے معاہدوں کی خلاف ورزی کی اس لئے وہ اللہ کی ہدایت سے نکل گئے، ان کے دل سخت ہوگئے اور وہ اس قابل ہی نہ رہے کہ وہ ہدایت قبول کر سکیں۔ [1]

یہ تفصیل تفہیم القرآن نہیں ہے۔

چھٹا حکم: یہود کی خیانت کا حال

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں یہود کی عہد بہ عہد خیانت کا حال بیان کرتے ہوئے سید محمد قطب ؒ لکھتے ہیں: آپ ﷺ کو بتایا جاتا ہے کہ مدینہ کے اسلامی معاشرے میں یہودیوں کے حالات کیا ہیں۔ وہ ہمیشہ خائن رہیں گے اور نبی ﷺ کے ساتھ خیانت سے کبھی بھی باز نہ آئیں گے۔ وہ بارہا عملا خیانت کا ارتکاب کرتے رہے۔ جب تک وہ مدینہ میں رہے وہ آئے دن کچھ نہ کچھ کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ جزیرۃ العرب میں جب تک رہے ان کی سازشیں جاری رہیں۔ اور اس کے بعد پوری تاریخ میں اسلامی معاشرہ کے ساتھ یہودی اسی خیانت پر گامزن رہے حالانکہ اسلامی معاشرہ وہ واحد معاشرہ تھا جس نے ان کو پناہ دی۔ اور ان کو دوسرے کے مظالم سے نجات دی، ان کے ساتھ حسن سلوک کیا اور اسلامی معاشرے میں وہ ہمیشہ خوشحالی کی زندگی گزارتے رہے۔ لیکن انہوں نے ہمیشہ بعینہ انہی خطوط پر جن پر وہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ معاملے کرتے رہے، وہی معاملہ اسلامی معاشرے کے ساتھ کیا بچھوؤں، سانپوں، بھیڑیوں اور گیدڑوں کی طرف وہ مسلمانوں کے خلاف سازش اور ان کے ساتھ خیانت کرتے رہے اور آج بھی وہ اسی مکاری و فریب کاری میں مصروف ہیں۔ جب بھی کبھی انہیں قوت نصیب ہوئی انہوں نے مسلمانوں سے سخت انتقام لیا۔ ان کے لئے پھندے رکھے، اور ان کے خلاف سازشیں کیں، اور مسلمانوں کے ہر دشمن کے وہ دوست بن گئے، جہاں بھی انہیں فرصت ملی اور موقعہ ملا انہوں نے مسلمانوں پر وار کیا۔ نہایت سنگدل اور نہایت ہی بے رحم واقع ہوئے ہیں وہ مسلمانوں کے حوالے سے۔ کبھی بھی انہوں نے مسلمانوں پر رحم نہ کیا اور مسلمانوں کے بارے میں انہوں نے ہمیشہ اپنے عہد اور ذمہ داری کو بھلا دیا۔ ان کی اکثریت ایسی ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان کے بارے میں کہا ہے۔ اور جس طرح ان کی اس جبلت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ عہد شکن رہے

[1] سید محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:450-451

ہیں اور قدیم الایام سے ان کا یہ وطیرہ ہے۔[1]

تفہیم القرآن ان تفصیلات سے بھی خالی ہے۔

ساتواں حکم: امتِ مسلمہ کی موجودہ حالتِ زار

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں سید محمد قطب امتِ محمدیہ کی موجودہ حالتِ زار کا رونا روتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اگر یہ امت اپنے قرآن سے مشورہ کرتی رہے، قرآن کی ہدایات پر کان دھرے اور اپنی زندگی میں قرآنی اصولوں اور قوانین کو عملاً نافذ کرے تو اس کے دشمن کبھی بھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں لیکن جب امت مسلمہ نے خود اپنے اس عہد کو توڑ دیا جو اس نے اپنے رب کے ساتھ کیا تھا اور جب اس نے قرآن کریم کو پس پشت ڈال دیا تو اسے اس صورت حال سے دوچار ہونا پڑا جس میں وہ بالفعل ہے، اگرچہ یہ امت قرآن کریم کو نہایت ہی ترنم اور وجد انگیز انداز میں پڑھتی ہے۔ اس سے تعویذ اور گنڈے بھی بناتی ہے اور اسے دم اور جھاڑ کے لئے استعمال بھی کرتی ہے۔[2]

یہ تفصیل سید ابو الاعلیٰ مودودی نے ذکر نہیں کی ہے۔

آٹھواں حکم: نصاریٰ کی عہد شکنی اور خیانت کا حال

"وَ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِه"[3]

"اسی طرح ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا تھا جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں مگر ان کو بھی جو سبق یاد کرایا گیا تھا۔"

تفسیر فی ظلال القرآن

علامہ سید محمد قطبؒ نے تفسیر ظلال القرآن میں عیسائیوں کی عہد شکنی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہوں نے نصاریٰ ہونے کا دعویٰ تو کیا تھا، لیکن عملاً انہوں نے اس عہد کو پورا نہ کیا تھا۔ اس عہد وپیماں کی اساس یہ تھی کہ ہم اللہ کو صرف وحدہ لاشریک سمجھیں گے۔ لیکن انہوں نے اپنی گمراہی کا آغاز ہی اپنے اساسی عقیدہ توحید

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:457

[2] ایضاً

[3] سورۃ المائدۃ 14:05

سے کیا۔ اس لائن پر وہ آگے بڑھ گئے اور یہ وہ سبق تھا جو انہوں نے بھلا دیا حالانکہ یہ سبق انہیں اچھی طرح یاد کرایا گیا تھا۔ اور اس سبق کو بھلانے کے نتیجے میں وہ غلط راہ پر دور نکل گئے اور ان کے درمیان فرقہ ورانہ اور گروہی اختلاف پیدا ہوئے اور پھر ان کے اندر بہت سے مذاہب اور مکاتب فکر پیدا ہو گئے۔[1]

تفہیم القرآن

تفہیم القرآن میں یہاں پر نصاریٰ کے متعلق یہ تفصیل مذکور نہیں ہے۔

نواں حکم: یہودیوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف بخل کی نسبت

" وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَ لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْۘا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ"[2]

"اور یہودیوں نے کہا: اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ ان کے ہاتھ باندھے جائیں اور ان پر اس کہنے کی وجہ سے لعنت ہے بلکہ اللہ کے ہاتھ کشادہ ہیں جیسے چاہتا ہے خرچ فرماتا ہے۔"

تفسیر فی ظلال القرآن

یہودیوں کی بے ادبی کو واضح کرتے ہیں سید محمد قطب رقم طراز ہیں: یہ یہودیوں کا اللہ کا بارے میں نہایت ہی برا تصور تھا۔ ان کی بہت ہی بدظنیاں قرآن نے جگہ جگہ نقل کی ہیں۔ ایک جگہ انہوں نے کہا "اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔"[3] اور یہ انہوں نے اس وقت کیا کہ جب ان سے اسلامی مقاصد کے لئے چندہ مانگا گیا۔ اللہ کے ہاتھ بندھے ہونے سے عربی محاورے کے مطابق مراد یہ تھی کہ اللہ بخیل ہے۔ ان کے خیال کے مطابق اللہ لوگوں کو بہت کم ضروریات دیتا ہے۔ انہیں بھی کم دیا جاتا ہے اس لئے وہ کس طرح خرچ کریں،؟ ان کا شعور اس قدر بگڑ گیا تھا اور ان کے دل اس قدر سخت ہو گئے تھے کہ انہوں نے اللہ جل شانہ کے لئے لفظ بخیل بھی استعمال نہ کیا، بلکہ اس سے بھی برا لفظ استعمال کیا جو زیادہ توہین آمیز ہے۔ یعنی اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔

مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ یہی جواب ان کو ان کے الفاظ میں دیتے ہیں۔ ان پر لعنت بھیجی جاتی ہے۔ اور ان کو راندہ درگاہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کی گری ہوئی سوچ درست فرماتے ہیں اور

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:459

[2] سورۃ المائدۃ 64:05

[3] سورۃ النساء 181:03

اللہ تعالیٰ اپنی ذات کبریا کے بارے میں وضاحت فرماتے ہیں کہ وہ بڑا کریم ہے۔ اس کے ہاتھ کھلے ہیں اور وہ اپنے بندوں پر بلاحساب فیضان رحمت کرتا ہے۔[1]

تفہیم القرآن

علامہ مودودی درجہ بالا آیت کی بہترین انداز میں ترجمانی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ عربی محاورے کے مطابق کسی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بخیل ہے، عطا اور بخشش سے اس کا ہاتھ رکا ہوا ہے۔ پس یہودیوں کے اس قول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ واقعی اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ بخیل ہے۔ چونکہ صدیوں سے یہودی قوم ذلت و نکبت کی حالت میں مبتلا تھی اور اس کی گزشتہ عظمت محض ایک افسانہ پارینہ بن کر رہ گئی تھی جس کے پھر واپس آنے کا کوئی امکان انہیں نظر نہ آتا تھا، اس لیے بالعموم اپنے قومی مصائب پر ماتم کرتے ہوئے اس قوم کے نادان لوگ یہ بیہودہ فقرہ کہا کرتے تھے کہ معاذ اللہ خدا تو بخیل ہو گیا ہے، اس کے خزانے کا منہ بند ہے، ہمیں دینے کے لیے اس کے پاس آفات اور مصائب کے سوا اور کچھ نہیں رہا۔ یہ بات کچھ یہودیوں تک ہی محدود نہیں، دوسری قوموں کے جہلاء کا بھی یہی حال ہے کہ جب ان پر کوئی سخت وقت آتا ہے تو خدا کی طرف رجوع کرنے کے بجائے وہ جل جل کر اس قسم کی گستاخانہ باتیں کیا کرتے ہیں۔[2]

اطلاق و تطبیق

درجہ بالا آیت میں یہود کی اخلاقی گھراوٹ پستی اور انتہائی گستاخی و بے ادبی کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ مسلمان تو مسلمان انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھی نہ بخشا اور اللہ تعالیٰ کی شان میں بھی گستاخیوں کا ارتکاب کرنے لگیں۔ سید محمد قطب نے لکھا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے متعلق یہود کے برے تصور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ بخل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں۔ سید ابو الاعلی مودودی نے بھی ہاتھ بندھے ہوئے ہونے کا وہی مطلب بیان کیا ہے جو سید محمد قطب نے کیا ہے کہ یہ بخل سے کنایہ ہے۔

سورۃ التوبہ میں پہلا حکم: مشرکین مکہ کی عہد شکنی کا حال

"اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:594

[2] مودودی، تفہیم القرآن، ج:1، ص:485

اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ"[1]

"کیا تم نہ لڑو گے ایسے لوگوں سے جو اپنے عہد توڑتے رہے ہیں اور جنہوں نے رسول کو ملک سے نکال دینے کا قصد کیا تھا اور زیادتی کی ابتدا کرنے والے وہی تھے؟ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اگر تم مومن ہو تو اللہ اس سے زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو"

تفسیر فی ظلال القرآن

سید محمد قطب اس قبل آپ نے حدیبیہ میں مشرکین کے ساتھ دس سالہ معاہدہ کیا تھا اور یہ معاہدہ آپ نے کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ قوت اور غلبے کے باوجود مشرکین کے شرائط پر کیا۔ محض اس لیے کہ آپ امن و سلامتی کو پسند فرماتے تے۔ اور اپنے دین کو حجت و دلیل کے ساتھ پھیلانا چاہتے تھے۔

بنو خزاعہ نے آپ کے ساتھ عہد کیا اور بنو بکر نے قریش کے ساتھ عہد کیا۔ اور اس کے بعد قریش نے بنو بکر کی حمایت کرتے ہوئے خزاعہ پر حملہ کر دیا اور اس طرح نقض عہد کے مستحق قرار پائے۔ اور اس نقض عہد کی وجہ سے مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان دوبارہ حالت جنگ عود کر آئی۔ اس کے نتیجے میں مکہ فتح ہوا۔ جس کی وجہ سے شوکت اسلامی قائم ہوئی اور مشرکین ذلیل ہوئے۔ لیکن اس کے باوجود جس وقت بھی ممکن ہوا یہ لوگ حضور اکرم کے ساتھ غداری کرتے رہے۔ اور یہ بات تجربے سے ثابت ہوگئی کہ وہ قوی ہوں یا ضعیف ہوں، مسلمانوں کے ساتھ غداری ان کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے اور وہ ہر گز پاس عہد نہیں رکھتے۔ جیسا کہ اسی سورت کی آیت کی تشریح میں آئے گا کہ وہ ہر وقت نقض عہد کے لیے آمادہ تھے۔

آگے لکھتے ہیں کہ مسلمانوں اور مشرکین کے تعلقات کی تاریخ میں دو الفاظ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، ایمان سے روگردانی اور معاہدوں کی خلاف ورزی اور زیر بحث آیات کے وقت قریب ترین مثال صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی تھی۔ نبی ﷺ نے نے الہام ربانی اور ہدایت ربانی کے تحت اس صلح کو مشرکین کے شرائط کے مطابق تسلیم کیا تھا۔[2]

تفہیم القرآن میں یہ تفصیل نہیں ہے۔

---

[1] سورۃ التوبۃ 13:09

[2] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:3، ص:418

دوسرا حکم: منافقین کی عہد شکنی کا حال

" وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ"[1]

"ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اس نے اپنے فضل سے ہم کو نوازا تو ہم خیرات کریں گے اور صالح بن کر رہیں گے "

تفسیر فی ظلال القرآن

منافقین کی عہد شکنی کا حال بیان کرتے ہوئے سید محمد قطب رقم طراز ہیں: منافقین میں سے بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے اللہ کے ساتھ یہ عہد کر رکھا تھا کہ اگر اللہ نے ان کو مال و دولت سے نوازا تو وہ راہ خدا میں خوب خرچ کریں گے اور اچھے اعمال کریں گے۔ لیکن یہ عہد فقر و فاقہ کے حالات میں تھا۔ اور اس وقت تھا جب کچھ ملنے کی امید تھی لیکن جب اللہ نے ان کی آرزو کو پورا کر دیا تو یہ لوگ اپنے وعدوں کو بھول گے۔ ان لوگوں نے بخل اور کنجوسی کو اپنا لیا اور ہاتھ روک لیا۔ بلکہ وفائے عہد سے سرکشی کرنے لگا گویا اس نے کوئی عہد کیا ہی نہیں ہے۔ چنانچہ وعدہ خلافی اور پھر جھوٹ کی وجہ سے اللہ نے ایسے لوگوں کے دلوں میں نفاق کو اچھی طرح بٹھا دیا۔ یہ لوگ آخر تک منافق رہے اور برے انجام تک پہنچے۔[2]

تفہیم القرآن

سید ابو الاعلی مودودی لکھتے ہیں: اوپر کی آیت میں ان منافقین کی جس کفران نعمت و محسن کشی پر ملامت کی گئی تھی اس کا ایک اور ثبوت خود انہی کی زندگیوں سے پیش کر کے یہاں واضح کیا گیا ہے کہ دراصل یہ لوگ عادی مجرم ہیں، ان کے ضابطہ اخلاق میں شکر، اعتراف نعمت، اور پاس عہد جیسی خوبیوں کا کہیں نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔[3]

اطلاق و تطبیق

مذکورہ بالا آیت میں دونوں مفسرین نے منافقین کی عہد شکنی کا تذکرہ کیا ہے۔

---

[1] سورۃ التوبہ 75:09

[2] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:3، ص:602

[3] مودودی، تفہیم القرآن، ج:2، ص:218

تیسرا حکم: بخل کا بنیادی سبب اور اس کا علاج

" وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ"[1]

"ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اس نے اپنے فضل سے ہم کو نوازا تو ہم خیرات کریں گے اور صالح بن کر رہیں گے۔"

تفسیر فی ظلال القرآن

سید محمد قطب بخل کے بنیادی سبب اور اس کے علاج کے متعلق رقم طراز ہیں:

نفس انسانی بہت ہی بخیل ہے۔ اس سے صرف وہ لوگ بچ نکلتے ہیں جنہیں اللہ بچاتا ہے۔ صرف وہی لوگ بخل سے بچ سکتے ہیں جن کا دل ایمان سے لبریز ہو۔ وہ دنیاوی ضروریات سے اپنے آپ کو سربلند کردیں۔ اور تمام لالچوں اور مفادات پر لات ماردیں اور ان کی آنکھیں آخرت کے عہد پر ہوں۔ اور رضامندی خالق ان کا نصب العین ہو۔ اور ان کے ایمان کی وجہ سے مطمئن ہوجائیں اور انفاق کی وجہ سے وہ مسکین ہونے سے نہ ڈرتے ہوں کیونکہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور اللہ کے خزانے میں جو کچھ ہے، وہ باقی رہنے والا ہے۔ یہی وہ نظریہ ہے جو انسان کو راہ خدا میں خرچ کرنے پر ابھارتا ہے اور انسان خوشی خوشی سے مال خرچ کرتا ہے۔ ایک مومن یہ یقین رکھتا ہے کہ اس کے ہاتھ سے اگر مال چلا بھی جائے تو بھی آخرت کا اجر "اجر عظیم" ہے۔

لیکن جب کسی کا دل ایمان سے تہی دامن ہو تو وہ فطرتاً بخیل ہوجاتا ہے جب بھی اسے پکارا جائے کہ راہ خدا میں انفاق کی ضرورت ہے تو وہ فقر کے ڈر کے مارے بخل کرتا ہے اور ہاتھ روک لیتا ہے لیکن اسے کبھی بھی چین و قرار نصیب نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ بے قرار رہتا ہے۔ جو شخص اللہ کے ساتھ عہد کرتا ہے اور پھر اسی کی خلاف ورزی کرتا ہے اور جو اللہ کے ساتھ جھوٹ کرتا ہے وہ کسی کے ساتھ کبھی سچ نہیں کرسکتا۔ اور اس کا دل نفاق سے پاک نہیں ہوسکتا، جس کی تین علامات جو رسول نے متعین کی ہیں۔ جب بولے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو توڑ دے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔[2]

یہ تفصیل سید ابو الاعلی مودودی نے تفسیر تفہیم القرآن میں ذکر نہیں کیا۔

---

[1] سورۃ التوبہ 75:09

[2] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:3، ص:603

چوتھا حکم: معاشرے میں رہائش پذیر طبقات اور ان کی نگہداشت

" وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ"[1]

"وہ مہاجر و انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو بعد میں راست بازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔"

تفسیر فی ظلال القرآن

تدبیر منزل کے لیے ضروری ہے کہ گھر یا مملکت میں رہائش پذیر تمام طبقات کے احوال معلوم ہو خواہ وہ اچھے یا برے، مسلمان ہو یا کافر، مخلصین ہوں یا منافقین ہوں اور ان کے ساتھ ان کے مناسبِ حال رویہ اپنایا جائے جیسا کہ درجہ بالا آیت کی روشنی میں سید محمد قطب تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں:

اس وقت اسلامی سوسائٹی میں چار طبقات تھے۔ انصار و مہاجرین کے سابقین اولین مسلمان اور وہ لوگ جو صحیح معنوں میں ان کے متبع تھے۔ دوسرے وہ منافقین جو مدینہ کے باشندوں میں سے بھی تھے اور مدینہ کی ارد گرد کی آبادیوں میں بھی پھیلے ہوئے تھے اور عمل نفاق میں خوب طاق ہو گئے تھے، تیسرے وہ لوگ تھے جن کے کچھ کام اچھے تھے اور کچھ برے تھے اور چہارم وہ تھے جن کے بارے میں اللہ نے اپنا فیصلہ محفوظ کر لیا تھا۔ اس فیصلے کا انتظار تھا۔

i. **پہلا گروہ:** وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ:[2]" وہ مہاجر و انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو بعد میں راست بازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، اللہ نے ان کے لئے

---

[1] سورۃ التوبہ 100:09

[2] سورۃ التوبہ 100:09

ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔"

ii. **دوسرا گروہ:** **وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَي النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ:**[1] تمہارے گرد وپیش میں جو بدوی رہتے ہیں ان میں بہت سے منافق ہیں اور اسی طرح خود مدینہ کے باشندوں میں بھی منافق موجود ہیں جو نفاق میں طاق ہوگئے ہیں۔ تم انہیں نہیں جانتے، ہم انہیں جانتے ہیں۔ قریب ہے وہ وقت جب ہم ان کو دوہری سزا دیں گے، پھر وہ زیادہ بڑی سزا کے لئے واپس لائے جائیں گے۔

iii. **تیسرا گروہ:** **وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ:**[2] کچھ اور لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنے قصوروں کا اعتراف کیا ہے۔ ان کا عمل مخلوط ہے، کچھ نیک ہے اور کچھ بد۔ بعید نہیں کہ اللہ ان پر پھر مہربان ہو جائے کیونکہ وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اے نبی تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انہیں بڑھاؤ اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرو، کیوں کہ تمہاری دعا ان کے لئے وجہ تسکین ہوگی، اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی خیرات کو قبولیت عطا فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ بہت معاف کرنے والا اور رحیم ہے؟ اور اے نبی تم ان لوگوں سے کہ دو کہ عمل کرو، اللہ اور اس کا رسول اور مومنین سب دیکھیں گے کہ تمہارا طرز عمل اب کیا رہتا ہے، پھر تم اس کی طرف پلٹائے جاؤ گے جو کھلے اور چھپے سب کو جانتا ہے، اور وہ تمہیں بتادے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔

iv. **چوتھا گروہ:** **وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ:**[3] کچھ دوسرے لوگ ہیں جن کا معاملہ ابھی خدا کے حکم پر ٹھہرا ہوا ہے، چاہے انہیں سزا دے اور چاہے ان پر از سر نو مہربان ہو جائے۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور حکیم ودانا ہے۔

تحریک اسلامی کے لیے اس بات کی شد ضرورت تھی کہ اسے اچھی طرح معلوم ہو کہ اسے کس گراؤنڈ پر

---

[1] ایضاً 101:09

[2] ایضاً 102:09

[3] سورۃ التوبہ 103:09

کھیلنا ہے۔ ہر مرحلے اور ہر قدم پر اسے کیا کرنا ہے۔ اور یہ معلومات اس کے لیے ضروری تھیں تاکہ لوگ یہ جان سکیں کہ ان کی پوزیشن کیا ہے اور اگلے مرحلے کے لیے اس نے کیا اقدامات کرنے ہیں؟

مدینہ طیبہ میں مسلم معاشرے کا بنیادی ڈھانچہ درست تھا، اس لیے کہ اس ڈھانچے میں بنیادی اہمیت صرف ان لوگوں کو حاصل تھی جو مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین تھے اور نہایت ہی مضبوط لوگ تھے۔ نیز اس معاشرے کی تعمیر وتربیت میں اتحاد واتفاق اور اس کے ڈھانچے میں اس قدر پختگی تھی اس نے ان کمزوریوں اور عوارض اور انتشار پر قابو پالیا تھا اور وہ عناصر جو خوف اور پریشانی سے متاثر ہو جاتے تھے اور جن کی ابھی تک پوری تربیت نہ ہوئی تھی اور وہ اس جدید معاشرے میں ابھی تک ڈھل نہ گئے اور ان کے اندر پوری ہم آہنگی پیدا نہ ہوئی تھی ان کو بھی اجتماعی معاشرتی نظام سنبھالا دیتا تھا۔

بہر حال آہستہ آہستہ یہ جدید عناصر تربیت پارہے تھے۔ اس معاشرے میں ڈھل رہے تھے اور ان کی تطہیر مسلسل ہو رہی تھی اور وہ اسلامی معاشرے کی اصل قوت کے ساتھ ملتے رہتے تھے۔ اور ضعیف القلب، نافرمانی کرنے والوں اور ڈھل مل یقین قسم کے لوگوں کی تعداد روز بروز کم ہو رہی تھی۔ مفادات سے ڈرنے والے اور ایسے لوگ جن کے دلوں میں ابھی تک اسلامی نظریہ حیات پوری طرح نہ بیٹھا تھا تاکہ وہ اپنے سوشل روابط بھی اسی نظریہ کی اساس پر استوار کریں۔

یہاں تک کہ فتح مکہ سے پہلے حالت یہ ہوگئی تھی کہ اسلامی معاشرہ تعلیم وتربیت اور اپنی ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے مقام کمال کے قریب پہنچ گیا تھا اور اکثر لوگ مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین کے نقش قدم پر چل پڑے تھے۔ اور یہ معاشرہ اس قدر پاک اور تربیت یافتہ ہو گیا تھا کہ وہ اسلامی نظام حیات کے پیش نظر مطلوبہ معیار کے قریب تر تھا۔[1]

اطلاق وتطبیق

اس بحث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کسی معاشرے کی اصلاح اور تدبیر منزل کے لیے ضروری ہے کہ وہاں رہنے والے تمام طبقات پر نظر ہوں، اچھائی کے راہ پر گامزن لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جائے اور برائی کے راستوں پر چلنے والوں کی سرکوبی کے لیے مناسب انتظام کیا جائے۔ ایک معاشرے کا کنٹرول اگر ان اچھے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگا اور ان میں اتنی قوت وطاقت ہو کہ اس معاشرے میں سامنے آنے والی تمام رکاوٹوں کا مقابلہ

---

[1] سید محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:3، ص:642-647

کر سکیں تو پھر وہ معاشرے دوسرے کے لیے نمونہ بنتا ہے جیسا کہ مدینہ کا معاشرے کہ ان کا کنٹرول سابقین اولین کے ہاتھ میں اس لیے وہ پوری انسانیت کے ہدایت کا مرکز بن گیا۔

فصل دوم: تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن میں تدبیر منزل کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ

سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبہ میں تدبیر منزل کے متعلق جو احکامات مذکور ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہیں:

پہلا حکم: باہمی تعاون وتناصر کا معیار

تدبیر منزل کے لیے ضروری ہے کہ ایک گھرانے، خاندان اور بستی کے افراد میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون وتناصر کا جذبہ موجود ہو جس کا تذکرہ سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر 2 میں کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ[1]

اور نیکی اور تقوی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔"

فی ظلال القرآن

فی ظلال القرآن میں انہی ضوابط و قواعد کی روشنی میں بننے والے اسلامی معاشرے کی بہترین عکاسی کی ہے وہ لکھتے ہیں:

" اسلام نے آکر دلوں کو اللہ کے ساتھ جوڑ دیا۔ اخلاق اور اقدار حیات کے لئے اللہ کے پیمانے میدان میں آگئے اسلام نے عربوں اور پوری انسانیت کو حمیت جاہلیہ سے نکالا۔ نعرہ عصبیت سے منع کیا' ذاتی میلانات' شخصی تاثرات' خاندانی اور قبائلی محدود سوچ سے نکالا اور دوستون اور دشمنوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت صرف انسانیت کو محور بنایا۔ غلبہ اسلام کے بعد جزیرۃ العرب کے اندر ایک نیا انسان پیدا ہوا' یہ انسان الٰہی اخلاق سے مزین تھا یوں عربوں کو ایک نیا جنم ملا اور جب یہ روشنی دنیا میں پھیلی تو تمام کرہ ارض پر انسانیت کو ایک جدید جنم ملا۔ اسلام سے قبل جزیرۃ العرب پورے کا پورا جاہلیت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ جس کا نعرہ یہ تھا" بھائی کی مدد کرو' ظالم ہو یا مظلوم ہو" بلکہ پوری دنیا اسی نعرہ جاہلیہ کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ جاہلیت کے گہرے گڑھے اور اسلام کے روشن افق کے درمیان بہت ہی دوری اور بعد ہے اور یہ دوری ان دو اقوال سے کس قدر خوبصورتی سے واضح ہوتی ہے۔ ایک بات یہ

---

[1] سورۃ المائدۃ 02:05

کہ "بھائی کی مدد کرو ظالم ہے یا مظلوم" اور دوسرا قول باری تعالیٰ کا ہے۔" اور دیکھو ایک گروہ نے جو تمہارے لئے مسجد حرام کا راستہ بند کر دیا تو اس پر۔۔۔۔۔۔۔ تمہارا غصہ تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم بھی انکے مقابلے میں ناروا زیادتیاں کرنے لگو۔ جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ان میں سب سے تعاون کر گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو اس کی سزا بہت سخت ہے۔"[1]

یہ تفصیل تفہیم القرآن میں موجود نہیں ہے۔

دوسرا حکم: اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح

"وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ"[2]

"یا ان قوموں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔"

تفسیر فی ظلال القرآن

سید محمد قطب درجہ بالا آیت کی روشنی میں تدبیر منزل کی ایک اہم اکائی یعنی اہل کتاب کے ساتھ نکاح پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہاں مسلمان پاک دامن عورتوں کے ساتھ اہل کتاب پاکدامن عورتوں کا ذکر یکجا کیا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی رواداری ہے جو اسلام کے سوا کسی اور مذہب کے ہاں شاذو نادر ہی ملتی ہوگی۔ اس لئے کہ عیسائیوں میں سے بھی کیتھولک فرقہ آرتھوڈکس کے ساتھ نکاح کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اسی طرح پروٹسٹنٹ اور مارونیہ کے ساتھ بھی وہ نکاح جائز نہیں سمجھتے اور اگر عیسائی معاشرے میں کوئی ایسے نکاح کرتا ہے تو عیسائی آرتھوڈکس اسے صحیح نہیں بلکہ بدعمل سمجھتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ صرف اسلام ہی ہے جو ایک عالمی معاشرہ قائم کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اسلام نے اہل اسلام اور اہل کتاب کے درمیان مکمل علیحدگی قائم نہیں کی نہ مختلف عاقد رکھنے والوں کے درمیاں مستقل پردے ڈالے۔ وہ اہل عقائد جو اسلامی مملکت کے شہری ہوتے ہیں حسن معاشرت کے نقطہ نظر سے وہ مسلمانوں کے ساتھ اور مسلمان ان کے ساتھ رابطہ رکھ سکتے ہیں۔[3]

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:420

[2] سورۃ المائدۃ 05:05

[3] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:426

تفسیر تفہیم القرآن

مولانا مودودی اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ نکاح کی اجازت صرف انہی کی عورتوں سے دی گئی ہے اور اس کے ساتھ شرط یہ لگادی گئی ہے کہ وہ محصنات (محفوظ عورتیں) ہوں۔ اس حکم کی تفصیلات میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے۔ ابن عباسؓ کا خیال ہے کہ یہاں اہل کتاب سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو اسلامی حکومت کی رعایا ہوں۔[1] رہے دارالحرب اور دارالکفر کے یہود و نصاریٰ، تو ان کی عورتوں سے نکاح کرنا درست نہیں۔ حنفیہ اس سے تھوڑا اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک بیرونی ممالک کے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام تو نہیں ہے مگر مکروہ ضرور ہے۔ بخلاف اس کے سعید بن المُسَیّب[2] اور حسن بصریؒ[3] اس کے قائل ہیں کہ آیت اپنے حکم میں عام ہے لہٰذا ذمی اور غیر ذمی میں فرق کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر محصنات کے مفہوم میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک اس سے مراد پاک دامن، عصمت مآب عورتیں ہیں اور اس بنا پر وہ اہل کتاب کی آزاد منش عورتوں کو اس اجازت سے خارج قرار دیتے ہیں۔ یہی رائے حسنؒ، شعبیؒ[4] اور ابراہیم نخعیؒ[5] کی ہے۔ اور حنفیہ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔[6] بخلاف اس کے امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہاں یہ لفظ

---

[1] قرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر، الجامع لاحکام القرآن (قاھرۃ: دار الکتب المصریۃ، طبعہ ثانیہ: 1964ء) ج:6، ص:79

[2] سعید بن مُسَیّبِ کا شمار مدینہ کے اکابر فقہا اور تابعین میں ہوتا ہے۔ آپ کا نام سعید، آپ کے والد کا نام مسیب اور آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ مالکی طرز فقہ کی داغ بیل جن ائمہ نے مالک بن انس سے پہلے ڈالی، ان میں سعید بن مسیب کا بھی شمار ہے۔ ابن سعد، طبقات ابن سعد، ج:5، ص:88

[3] حسن بن یسار بصری ابو سعید سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں 21ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہے۔ آپ کی کنیت ابو محمد، ابو النصر، ابو علی اور ابو سعید تھی۔ آپ کی والدہ خیرہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خصوصی تعلق تھا۔ کئی صحابہ کرام سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ اہل بصرہ کے امام اور اپنے زمانہ کا حبر الامہ تھے۔ 110ھ کو بصرہ میں وفات ہوئی۔ الاعلام، 226:2۔ وفیات الاعیان، ج:2، ص:72

[4] امام شعبی صحاح ستہ کے ثقہ راوی اور عظیم محدثین میں شمار کیے جاتے ہیں عامر بن شراحیل الشعبی کو ہی امام شعبی کہا جاتا ہے۔ عامر نام، ابو عمر کنیت، شعبی قبیلہ کی نسبت ہے لیکن شہرت کی وجہ سے اس نسبت نے لقب کی حیثیت اختیار کرلی ہے، یمن کے نامور حمیری خاندان میں حبان بن عمرو ایک مشہور اور تاریخی شخص گزرا ہے۔ ذہبیؒ، سیر اعلام النبلاء، ج:4، ص:485

[5] ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود، ابو عمران نخعی 46ھ کو مذحج میں پیدا ہوئے۔ کبار تابعین میں سے ہے۔ بڑے زاہد و عابد تھے۔ حافظ حدیث تھے۔ اپنے زمانہ میں کوفہ میں فقہ کے سب سے بڑے امام اور مجتہد تھے اس لیے اس کو فقیہ العراق کہاجاتاہے۔ اس کا اپنا مذہب ہے۔ 96ھ میں فوت ہوئے۔ الاعلام للزرکلی، ج:1، ص:80

[6] جصاص، احمد بن علی، احکام القرآن (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1405ھ) ج:3، ص:323

لونڈیوں کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے، یعنی اس سے مراد اہل کتاب کی وہ عورتیں ہیں جو لونڈیاں نہ ہوں۔[1]

اطلاق و تطبیق

تدبیر منزل میں ایک اہم اکائی نکاح ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں غیر مسلم خواتین میں صرف کتابیہ خواتین کے ساتھ نکاح کو جائز رکھا گیا ہے۔ مذکورہ آیت کی تفسیر میں سید محمد قطب نے اس حکم کے ضمن میں اسلامی رواداری کو سراہا گیا ہے اور عیسائی فرقوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ ایک عالمی معاشرے کے قیام میں اسلام کی کارکردگی کو ابھارا گیا ہے۔

جب تفہیم الاسلام میں مذکورہ مسئلہ کی فقہ اسلامی کی روشنی میں مکمل تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ مسئلہ مذکور میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، تابعین میں حسن بصریؒ، سعید بن المسیبؒ، امام شعبیؒ، ابراہیم نخعیؒ اور ائمہ مجتہدین میں سے امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی آراء کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

تیسرا حکم: معاشرے میں امن و امان کا قیام بصورتِ انسدادِ قتل

" مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَ مَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا"[2]

"اسی وجہ سے بنی اسرائیل پر ہم نے یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ "جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اُس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی"۔"

تفسیر فی ظلال القرآن

کسی کی ناحق جان لینا نہایت ہی گھناؤنا جرم ہے۔ اس لئے کہ دارالاسلام میں ایک مسلم سوسائٹی کا امن و امان، اور اس کی جانب سے بھلائی کے کاموں کو امن و امان اور سکون و اطمینان کے ساتھ سرانجام دینا بعینہ اسی طرح ضروری ہے جس طرح اسلامی مملکت میں افراد کا امن و سکون سے زندگی گزارنا ضروری ہے۔ بلکہ اجتماعی امن کی ضرورت انفرادی امن سے زیادہ ہے اس لئے کہ افراد کو امن و سکون تب ہی نصیب ہوتا ہے جب سوسائٹی کو امن و سکون حاصل ہو۔ نیز یہ بات اس سے بھی اہم ہے کہ اس قسم کی اعلیٰ اور فاضلانہ سوسائٹی کا امن متاثر نہ ہو اور ایسی

---

[1] مودودی، تفہیم القرآن، ج:1، ص:447

[2] سورۃ المائدۃ 32:05

سوسائٹی کو ہر قسم کے امن اور استحکام کی ضمانت حاصل ہو۔ کیونکہ اس ضمانت سے اس قسم کی سوسائٹی میں افراد کو امن و سکون ملتا ہے اور وہ آزادی سے سرگرم رہ سکتے ہیں اور امن کے زیر سایہ ہی انسانی زندگی سکون کے ساتھ نشوونما پاتی ہے۔ امن کی پر سکون فضا ہی میں ہر قسم کی بھلائی، اخلاق فاضلہ، پیداوار اور ترقی تسلسل کے ساتھ جاری رہ سکتی ہے۔ ایسی ہی سوسائٹی اپنے افراد کو ضروریات زندگی کی ضمانت بھی دے سکتی ہے اور امن ہی ایسا ماحول اور ایسی فضا فراہم کرتا ہے جس کے اندر بھلائی کے بیج بوئے جاتے ہیں اور نشوونما پاتے ہیں۔ اور اسی میں برائی کے بیج ختم کئے جاتے ہیں۔ ایسی سوسائٹی کی پالیسی یہ ہوتی ہے کہ وہ بیماریوں کا علاج کرنے سے بھی پہلے حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق کام کرتی ہے اور جہاں حفظان صحت کے اصول کام نہ کر سکیں وہاں پھر یہ علاج کرتی ہے۔ یہ سوسائٹی ایک سلیم الفطرت شخص کے لئے کوئی ایسا موقع ہی باقی نہیں چھوڑتی جس میں وہ شر اور دست درازی پر آمادہ ہو، ایسے حالات کے اندر اور ایسی سوسائٹی کے اندر پھر بھی اگر کوئی امن وامان کو تباہ کرنے پر آمادہ ہوتا ہے تو سمجھو کہ وہ مادہ خبیثہ ہے اور اسے بذریعہ آپریشن سوسائٹی کے وجود سے خارج کرنا ضروری ہے بشرطیکہ علاج کے دوسرے تمام طریقے ناکام ہو جائیں۔[1]

تفہیم القرآن

سید ابوالاعلی مودودی معاشرے کے امن وامان اور نوع انسانی کی زندگی کی بقا پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ دنیا میں نوع انسانی کی زندگی کا بقا منحصر ہے اس پر کہ ہر انسان کے دل میں دوسرے انسانوں کی جان کا احترام موجود ہو اور ہر ایک دوسرے کی زندگی کے بقاء وتحفظ میں مددگار بننے کا جذبہ رکھتا ہو۔ جو شخص ناحق کسی کی جان لیتا ہے وہ صرف ایک ہی فرد پر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اس کا دل حیات انسانی کے احترام سے اور ہمدردی نوع کے جذبہ سے خالی ہے، لہٰذا وہ پوری انسانیت کا دشمن ہے، کیونکہ اس کے اندر وہ صفت پائی جاتی ہے جو اگر تمام افراد انسانی میں پائی جائے تو پوری نوع کا خاتمہ ہو جائے۔ اس کے برعکس جو شخص انسان کی زندگی کے قیام میں مدد کرتا ہے وہ درحقیقت انسانیت کا حامی ہے، کیونکہ اس میں وہ صفت پائی جاتی ہے جس پر انسانیت کے بقاء کا انحصار ہے۔[2]

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:491

[2] مودودی، تفہیم القرآن، ج:1، ص:464

اطلاق وتطبیق

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں سید قطب محمد نے اسلام میں مسلم سوسائٹی کے امن وامان کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ اجتماعی امن انفرادی سے زیادہ اہم ہے کیونکہ انفرادی امن وامان کا دار ومدار ہی اجتماعی امن وامان پر ہے۔ اجتماعی امن وامان کو بگاڑنے والے کے لیے اسی وجہ سے اس آیت میں اتنی سخت سزا سنائی گئی ہے۔

سید ابوالاعلی مودودی نے بھی اس آیت کے ذیل میں بقاء نوع انسانی کے لیے امن وامان کو ضروری قرار دیا ہے۔

چوتھا حکم: معاشرے میں امن وامان بصورتِ انسدادِ سرقہ

"وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا"[1]

"اور چور، خواہ عورت ہو یا مرد، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔"

تفسیر فی ظلال القرآن

سید محمد قطب درجہ بالا آیت کی تفسیر میں معاشرے میں لوگوں کے مال کے احترام اور امن وامان پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اسلامی معاشرہ باشندگان دارالاسلام کے لئے ایک ایسا ماحول فراہم کرتا ہے جس میں کوئی معتدل شخص چوری کے بارے میں سوچ ہی نہ سکے، چاہے ان باشندوں کے عقائد و نظریات جو بھی ہوں۔ اسلامی معاشرہ اپنے باشندوں کو معاشی کفالت، اخلاقی تربیت اور درست طرز عمل اختیار کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔ نیز انصاف اور دولت کی منصفانہ تقسیم کا انتظام کرتا ہے اور وہ یہ انتظام بھی کرتا ہے کہ اس کے اندر انفرادی ملکیت کی شکل ایسی ہو کہ وہ پوری سوسائٹی کے لیے نفع بخش ہو اور وہ معاشرے کے لئے باعث اذیت نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے حالات پیدا کر دینے کے بعد بھی اگر کوئی چوری کرتا ہے تو اسلام اسے سخت ترین سزا دیتا ہے۔ اسی طرح انفرادی ملکیت پر دست درازی کرنے والے اور سوسائٹی کا امن وامان تباہ کرنے والے کو عبرت ناک سزا دیتا ہے۔ ان سخت ترین سزاؤں کی تجویز کے ساتھ ساتھ اسلام شبہات کی بنا پر حدود کو ساقط بھی کرتا ہے اور ملزم کو مکمل قانونی دفاع کا اختیار اور حق عطا کرتا ہے تاکہ کسی شخص کو مکمل ثبوت کے بغیر سزا نہ دی جاسکے۔ اب مناسب ہے کہ اس اجمال کے بعد قدرے

[1] سورۃ المائدۃ 38:05

تفصیلی بحث کر دی جائے۔[1]

تفہیم القرآن

سید ابو الاعلی مودودی نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں چوری کی حد کی وضاحت کی ہے کہ یہ حد کن پر جاری ہو گی اور کن پر نہیں، پھر نصابِ سرقہ یعنی جتنے مقدار میں ہاتھ کاٹا جائے گا، میں ائمہ کا اختلاف ذکر کیا ہے، پھر چوری کے حد سے مستثنیات ذکر کی ہے۔

پانچواں حکم: یہودیوں سے رفاقت

"يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْض وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّه مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ"[2]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر انہیں میں ہے یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی راہنمائی سے محروم کر دیتا ہے۔"

تفسیر فی ظلال القرآن

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ولایت اور رفاقت کا مفہوم متعین کر دیا جائے جس سے اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ سختی سے منع کرتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ رفاقت نہ ہونی چاہیے۔

اس رفاقت کا مفہوم یہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ حلیفانہ اور باہم تعاون اور امداد کا معاہدہ نہ ہونا چاہیے۔ اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ تم ان کے دین کی اتباع کرو اور اس لئے کہ یہ تو سوچنا بھی ممکن نہیں ہے کہ مسلمانوں میں ایسا بھی کوئی ہو سکتا ہے کہ وہ یہودیوں اور نصرانیوں کے دین کی اتباع کرتا ہو۔ یہ درحقیقت باہم تحالف اور معاونت کی دوستی ہوتی تھی، جس کے بارے میں اس وقت مسلمانوں کا ذہن صاف نہ تھا کہ یہ بھی حرام ہے۔ مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ ایسے تحالف اور تعاون ابھی تک جائز ہیں۔ اور یہ التباس اس لئے تھا کہ اسلام سے پہلے ان لوگوں کے درمیان ایسے دوستی کے معاہدے ہوا کرتے تھے اور اسلام کے ابتدائی ایام میں بھی ایسا ہوتا تھا خصوصاً مدینہ کے ابتدائی ایام میں۔ ان نصوص کے ذریعے اللہ نے اس سے منع کر دیا اور ایسے معاہدوں کو باطل قرار دے

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:502

[2] سورۃ المائدۃ 51:05

دیا۔ خصوصاً جبکہ میثاق مدینہ کے مطابق مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ہونے والے معاہدے پر یہودیوں نے عمل نہ کیا تھا اور اس سے ظاہر ہو گیا تھا کہ اہل اسلام اور ان کے درمیان اب کوئی معاہدہ ولا ممکن نہیں ہے۔[1]

تفہیم القرآن

اس وقت تک عرب میں کفر اور اسلام کی کشمکش کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ اسلام اپنے پیروؤں کی سرفروشیوں کے سبب سے ایک طاقت بن چکا تھا لیکن مقابل کی طاقتیں بھی زبردست تھیں۔ اسلام کی فتح کا جیسا امکان تھا ویسا ہی کفر کی فتح کا بھی تھا۔ اس لیے مسلمانوں میں جو لوگ منافق تھے وہ اسلامی جماعت میں رہتے ہوئے یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ بھی ربط وضبط رکھنا چاہتے تھے تاکہ یہ کشمکش اگر اسلام کی شکست پر ختم ہو تو ان کے لیے کوئی نہ کوئی جائے پناہ محفوظ رہے۔ علاوہ بریں اس وقت عرب میں عیسائیوں اور یہودیوں کی معاشی قوت سب سے زیادہ تھی۔ ساہوکارہ بیشتر انہی کے ہاتھ میں تھا۔ عرب کے بہترین سرسبز وشاداب خطے ان کے قبضہ میں تھے۔ ان کی سودخواری کا جال ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ لہٰذا معاشی اسباب کی بنا پر بھی یہ منافق لوگ ان کے ساتھ اپنے سابق تعلقات برقرار رکھنے کے خواہش مند تھے۔ ان کا گمان تھا کہ اگر اسلام وکفر کی اس کشمکش میں ہمہ تن منہمک ہو کر ہم نے ان سب قوموں سے اپنے تعلقات منقطع کر لیے جن کے ساتھ اسلام اس وقت برسرپیکار ہے تو یہ فعل سیاسی اور معاشی دونوں حیثیتوں سے ہمارے لیے خطرناک ہو گا۔[2]

اطلاق وتطبیق

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں سید محمد قطب نے تدبیر منزل کی اہم اکائی رفاقت کا تعارف اور مفہوم بیان کیا ہے کہ مذکورہ رفاقت سے مراد یہودیوں اور عیسائیوں سے حلیفانہ اور باہم تعاون وامداد کا معاہدہ نہ ہونا چاہئے۔ اس رفاقت سے دین میں پیروی ہرگز مراد نہیں ہے۔ اور پھر ایسے رفاقت سے منع کی وجوہات بیان کی ہیں۔

علامہ ابو الاعلی مودودی نے اس آیت کی تفسیر میں مسلمانوں کی ابتدائی کمزوری والی حالت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس زمانے میں چونکہ مسلمانوں کے فتح وشکست دونوں کے امکانات موجود تھے اور دوسری طرف یہود ومشرکین قوت وطاقت میں تھیں اس لیے منافقین کی رغبت ان لوگوں سے تعلقات رکھنے کی تھی تو ان آیات میں ان لوگوں کو تنبیہ ہے۔

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:550

[2] مودودی، تفہیم القرآن، ج:1، ص:480

چھٹا حکم: اجتماعی ضمیر کو زندہ رکھنا

"كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ"[1]

"انہوں نے ایک دُوسرے کو بُرے افعال کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا، بُرا طرزِ عمل تھا جو اُنہوں ے اختیار کیا"

تفسیر فی ظلال القرآن

تدبیر منزل کے لیے یہ ضروری ہے کہ گھر اور معاشرے کے ہر فرد میں ظلم و سرکشی کے خلاف آواز اٹھانے کی قوت وطاقت ہو، اسی کے متعلق سید محمد قطب لکھتے ہیں:

سرکشی اور ظلم ہر معاشرے میں ہوتے رہتے ہیں اس لئے کہ ہر معاشرے میں شریر، مفسد اور منحرف لوگ ہوتے ہیں، یہ زمین کسی بھی وقت شر وفساد سے خالی نہیں رہ سکتی۔ معاشرے کے اندر ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی روش نرالی ہوتی ہے لیکن معاشرے کا اجتماعی مزاج شر اور منکر کو برداشت نہیں کرتا اور سرکشی اور ظلم کو معاشرے کے مسلمات قرار پانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لئے سرکشی اور ظلم کا ارتکاب کسی بیدار معاشرے کے اندر بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح زندہ معاشروں کے اندر برائی کا ارتکاب مشکل ہوتا ہے اور معاشرہ اجتماعی طور پر شر کے خلاف ردعمل ظاہر کم ہو جاتے ہیں معاشرے کے اجتماعی بندھن مضبوط ہوتے ہیں اور برائی چند افراد کے اندر محدود ہوتی ہے۔ معاشرہ ان کا پیچھا کر رہا ہوتا ہے اور انہیں جمنے نہیں دیتا۔ ایسے حالات میں فحاشی اور منکر شائع نہیں ہوتے۔ پھیلتے نہیں بلکہ سکڑتے ہیں اور یہ معاشرے کے اجتماعی ضمیر اور مزاج کی وجہ سے ہوتا ہے۔[2]

تفہیم القرآن

ابو الاعلیٰ مودودی اس مسئلہ وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ہر قوم کا بگاڑ ابتداءً چند افراد سے شروع ہوتا ہے۔ اگر قوم کا اجتماعی ضمیر زندہ ہوتا ہے تو رائے عامہ ان بگڑے ہوئے افراد کو دبائے رکھتی ہے اور قوم بحیثیت مجموعی بگڑنے نہیں پاتی۔ لیکن اگر قوم ان افراد کے معاملہ میں تساہل شروع کر دیتی ہے اور غلط کار لوگوں کو ملامت کرنے کے بجائے انہیں سوسائٹی میں غلط کاری کے لیے آزاد چھوڑ دیتی ہے، تو پھر رفتہ رفتہ وہی خرابی جو پہلے چند افراد تک محدود تھی، پوری قوم میں پھیل کر رہتی ہے۔ یہی چیز تھی جو

---

[1] سورۃ المائدۃ 79:05

[2] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:616

آخر کار بنی اسرائیل کے بگاڑ کی موجب ہوئی۔[1]

اطلاق و تطبیق

سید محمد قطب نے تفسیر فی ظلال القرآن میں لکھتے ہیں کہ معاشرے کی اصلاح اس صورت میں ممکن ہے کہ جب معاشرے کے افراد میں دفاعی قوت ہو اور وہ معاشرے میں پائے جانے والے شریر اور سرکش عناصر کے خلاف لڑنے کی طاقت رکھتے ہو۔

سید ابوالاعلی مودودی نے بھی یہی نقطہ نظر پیش کیا ہے کہ ہر معاشرے میں شریر اور سرکش افراد گنے چنے ہوتے ہیں، اگر ان کے مقابلے میں نیک اور صالح لوگوں میں ان جدوجہد کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ تو یہ فساد عام ہوتا ہے۔

ساتواں حکم: ممنوعات سے احتراز

" يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"[2]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جُوا اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو، اُمید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہو گی۔"

تفسیر فی ظلال القرآن

سید محمد قطب نے پہلے آیت میں مذکور چار چیزوں کی حرمت پر تفصیلی بحث کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

شراب، جوا آستانے اور پانسے جاہلی معاشرے کی سب سے بڑی علامات تھیں اور یہ ایسی عادات تھیں جن کا جاہلی معاشرے کے اندر بہت زیادہ رواج تھا۔ یہ تمام عادات دراصل ایک معاشرتی کل تھیں اور باہم مربوط تھیں اور جاہلی معاشرے کی پہچان تھیں۔ اہل جاہلیت بڑی مقدار میں شراب استعمال کرتے تھے اور اس میں وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے۔ انکی فخریہ حکایات اور فخریہ اشعار کا موضوع کثرت شراب نوشی ہوا کرتی تھی۔ مجالس شراب کے ساتھ پھر جانوروں کا ذبح کرنا اور شراب کے ساتھ کباب اور تکے کھلانا بھی لازم تھا۔ اس میں پینے اور پلانے والے سب شریک ہوتے اور اس طرح اس قسم کی مجالس میں سب کے

---

[1] مودودی، تفہیم القرآن، ج:1، ص:496

[2] سورۃ المائدۃ 90:05

لئے دلچسپی کا سامان ہوتا۔ یہ ذبیحے وہ بتوں کے نام اور آستانوں پر کرتے تھے اور ان ذبیحوں کا خون بتوں پر ڈالتے تھے۔ نیز وہ اپنے الہوں اور کاہنوں کے نام پر بھی بعض جانوروں کو ذبح کرتے تھے۔ شراب نوشی اور دوسرے مواقع پر جو جانور ذبح کرتے تھے، ان کے گوشت کو پھر وہ پانسوں کے ذریعے تقسیم کرتے تھے۔ ہر شخص اپنے پانسے کے مقررہ حصے کا گوشت لیتا تھا، جس کا پانسہ اونچا نکلا اس کا حصہ بھی زیادہ ہوتا تھا۔ اسی طرح گوشت تقسیم ہوتا تھا۔ اسی طرح گوشت تقسیم ہوتا، یہاں تک کہ بعض اوقات جانور ذبح کرنے والے کے حصے میں کچھ نہ آتا اور وہ مکمل خسارے میں پڑ جاتا۔

پھر آگے بڑے بسط و تفصیل سے مسئلہ بیان کیا ہے کہ اسلام کا مقصود گناہوں اور رذائل کو جڑ سے اکاڑنا ہے اس لیے ان چیزوں کی حرمت کا حکم بہت بعد میں دیا گیا وہ لکھتے ہیں:

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی رسوم اور عادات باہم مربوط اور متعلق تھیں اور یہ عادات انہیں جاہلی طریقوں پر جاری تھیں۔۔۔ اسلامی نظام زندگی نے تحریک کا آغاز ان رسوم کی اصلاح سے شروع نہیں کیا اس لئے کہ یہ رسوم اور عادات بعض فاسد نظریاتی تصورات پر قائم تھیں۔ اگر محض اصلاح رسوم کی سطحی تحریک شروع کر دی جاتی اور اصل اعتقادی نظریات کی بیخ کنی نہ کی جاتی تو یہ کام نہایت ہی سطحی ہوتا۔ اسلام سے ہر گز یہ توقع نہ کی جاسکتی تھی کہ وہ جڑوں کو چھوڑ کر محض سطحی امور تک اپنے آپ کو محدود کر دے۔ اسلام نے سب سے پہلے نفس انسانی کی پہلی گرہ یعنی عقائد و نظریات پر کلام کیا۔ اس نے سب سے پہلے جاہلی عقائد و تصورات کو لیا اور انہوں اور انہیں جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ ان کی جگہ پاک وصاف اسلامی نظریہ حیات دیا اور یہ تصور اور نظریہ فطرت انسانی کی گہرائیوں تک اتار دیا۔ اسلام نے متعدد الہوں کے بارے میں ان کے تصورات کو لیا اور انہیں جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ ان کی جگہ پاک وصاف اسلامی نظریہ حیات دیا اور یہ تصور اور نظریہ فطرت انسانی کی گہرائیوں تک اتار دیا۔ اسلام نے متعدد الہوں کے بارے میں ان کے تصورار کے فساد کو ظاہر کیا اور ان کو ایک الہ حق کے عقیدے پر مجتمع کر دیا۔ جب ان کے دل و دماغ پر یہ عقیدہ توحید چھا گیا تو اب وہ فطری طور پر سوچنے کے لئے تیار ہو گئے کہ انکا الہ الحق کس بات کو پسند نہیں کرتا۔ اس نظریاتی اصلاح سے پہلے وہ کب اپنی عادات و رسومات کو چھوڑنے کے لئے تیار ہو سکتے تھے وہ نظریاتی تبدیلی کے بغیر اپنے جاہلی پسندیدہ طریقوں کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اگرچہ انہیں بار بار نصیحت کی جاتی۔ فطرت کی گرہ در حقیقت عقیدے کی گرہ ہوتی ہے۔ جب تک سب سے پہلے اس گرہ اور عقدے کو حل نہ کیا جائے اس وقت تک کوئی اخلاقی تعلیم، کوئی تہذیب اخلاق کا پروگرام اور کوئی اجتماعی اصلاحی سکیم کامیاب نہیں ہو سکتی۔ نظریہ دراصل انسانی فطرت کی کنجی ہے۔ جب تک یہ کنجی لگا کر فطرت انسانی کو کھول کر نہیں دیا جاتا اس وقت تک اس کے نہاں خانے اور اس کی راہ و رسم کی تہ تک رسائی ممکن نہ ہو گی۔ جب ہم اس کی ایک تنگ گلی کو

کھولیں گے تو کئی اور تنگ گلیاں سامنے آئیں گی اور اگر ہم اس کا ایک پہلو روشن کرلیں گے تو دس اور تاریک پہلو سامنے آئیں گے۔ ہم ایک گرہ کھولیں گے اور مزید دس گرہیں لگ جائیں گی۔ ہم ایک راہ کھولیں گے تو دس راہیں بند ہوجائیں گی اور اس طرح ہم ایسی بھول بھلیوں میں پڑجائیں گے کہ نکلنے کی راہ نہ ملے گی۔[1]

تفہیم القرآن

اس آیت میں چار چیزیں قطعی طور پر حرام کی گئی ہیں۔ ایک شراب۔ دوسرے قمار بازی۔ تیسرے وہ مقامات جو خدا کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنے یا خدا کے سوا کسی اور کے نام پر قربانی اور نذر و نیاز چڑھانے کے لیے مخصوص کیے گئے ہوں۔ چوتھے پانسے۔ مؤخر الذکر تینوں چیزوں کی ضرورت تشریح پہلے کی جاچکی ہے۔ شراب کے متعلق احکام کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ان چیزوں کے تفصیلی احکام فقہ اسلامی کی روشنی میں بیان کی ہے۔[2]

اطلاق و تطبیق

چھوٹے سطح پر گھر ہو یا بڑے سطح پر پورا ملک، جب تک اس سے برائیاں اور نشہ آور چیزوں کا خاتمہ نہ کیا جائے اس وقت تک اس کی اصلاح ناممکن ہے اس لیے مذکورہ آیت میں ایسی چار چیزیں بیان کی گئی ہیں جن سے گھر بھی اجھڑتا ہے اور ملک کے ویران کرنے کا بھی سبب ہے۔ سید محمد قطب پہلے تو ان چار چیزوں یعنی شراب نوشی، جوا، آستانے اور پانسے وغیرہ کو جاہلی رواج بتلایا ہے اور پھر ان چار چیزوں کی برائی بیان کی ہے اور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اسلام کا اصل مقصد ہر برائی کو اس کے بنیاد سے ختم کرنا ہے اس لیے اسلام نے ہر اس تصور کو ختم کیا جو برائیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا تھا۔

علامہ مودودی نے اس آیت کی تفسیر میں ان چار چیزوں کی حرمت بیان کی ہے، پھر ان میں سے ہر ایک کے تعارف اور فقہی احکام پر سیر حاصل بحث کیا ہے۔

سورۃ التوبۃ میں پہلا حکم: اسلامی بھائی چارہ

"فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ"[3]

"پس اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں اور جاننے والوں کے لیے ہم اپنے احکام واضح کیے دیتے ہیں۔"

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:655-656

[2] مودودی، تفہیم القرآن، ج:1، ص:501

[3] سورۃ التوبہ 11:09

تفسیر فی ظلال القرآن

درجہ بالا آیت کی روشنی میں توبہ تائب ہو کر مسلمان ہونے والے مشرکین و کفار کے ساتھ مسلمانوں کا برتاؤ کیسا ہونے چاہئے؟ کی وضاحت کرتے ہوئے سید محمد قطب فرماتے ہیں: پھر صورت یہ ہو گی کہ یا تو وہ اس دین میں داخل ہو جائیں گے جس میں مسلمان داخل ہوئے ہیں اور سابقہ گناہوں سے تائب ہو جائیں گے اور شرک اور ظلم کو چھوڑ دیں گے۔ تو مسلمان ان کے شرک اور ظلم سے صرف نظر کر دیں گے۔ اور ان کے درمیان نظریاتی تعلق قائم ہو جائے گا۔ اور یہ جدید مسلمان بھی قدیم مسلمانوں کے بھائی بن جائیں گے اور ان کا تمام ماضی بھلا دیا جائے گا۔ تاریخ سے بھی اور دلوں سے بھی۔[1]

تفہیم القرآن

علامہ مودودی فرماتے ہیں: اور یہ جو فرمایا گیا کہ اگر ایسا کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شرائط پوری کرنے کا نتیجہ صرف یہی نہ ہو گا کہ تمہارے لیے ان پر ہاتھ اٹھانا اور ان کے جان و مال سے تعرض کرنا حرام ہو جائے گا۔ بلکہ مزید بر آں اس کا فائدہ یہ بھی ہو گا کہ اسلامی سوسائٹی میں ان کو برابر کے حقوق حاصل ہو جائیں گے۔ معاشرتی، تمدنی اور قانونی حیثیت سے وہ تمام دوسرے مسلمانوں کی طرح ہوں گے۔ کوئی فرق و امتیاز ان کی ترقی کی راہ میں حائل نہ ہو گا۔[2]

اطلاق و تطبیق

سورۃ التوبہ کی مذکورہ آیت میں مشرکین کو توبہ کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کے ساتھ ہی توبہ کی شرائط بیان کی گئی ہے۔ اگر یہ شرائط پائی گئی تو پھر مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ ایسے لوگ تمہارے بھائی ہیں۔ اسی کے متعلق سید محمد قطبؒ نے مختصر الفاظ میں بہترین وضاحت کیا ہے کہ ایسے لوگوں کے ماضی کو مکمل طور پر بھلا کر ایک نئے اسلامی بھائی چارہ کی بنیاد ڈالی جائے گی۔

علامہ مودودی نے بھی اسی مسئلہ کو واضح کیا اور اس اسلامی بھائی کی حدود و قیود اور وسعت بیان کی ہے کہ یہ بھائی صرف مال و جان کی حفاظت تک محدود نہ ہو گا بلکہ ان کو اسلامی معاشرے میں مسلمانوں کے برابر حقوق دئے جائیں گے۔

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:3، ص:484

[2] مودودی، تفہیم القرآن، ج:2، ص:179

دوسرا حکم: مسلمانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات

"وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَه اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ"[1]

"مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حک دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی، یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم ودانا ہے"

تفسیر فی ظلال القرآن

اگر منافقین ایک دوسرے کے دوست ہیں اور ایک ہی فطرت رکھتے ہیں اور ایک ہی مزاج رکھتے ہیں تو مومنین و مومنات بھی ایک ہی مزاج اور ایک ہی نظریات کے قائل ہیں اور ایک دوسرے کے محب اور دوست ہیں۔ لیکن منافقین باوجود ہم طبع اور ہم جنس ہونے کے مومنین اور مومنات کی طرح شیر و شکر نہیں ہیں کیونکہ دوست تو وہ لوگ ہوسکتے ہیں جو بہادر ہوں، جو ایک دوسرے کی مدد کو پہنچنے والے ہوں اور باہم معاون و انصار ہوں جبکہ منفاقت کا مزاج ہی ان باتوں سے مختلف ہوتا ہے۔ کیونکہ بہادری کے مقابلے میں منافق بزدل اور ذلیل ہوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے ہمدرد نہیں ہوتے اور نہ ہی باہم جڑے ہوئے ہوتے ہیں اور نہ باہم معاون و کفیل ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کے خیالات اور ان کا طرز عمل ایک دوسرے کے ساتھ ملتا جلتا ہوتا ہے۔ قرآن کریم دونوں کے لیے قدرے مختلف اسلوب اختیار کرتا ہے۔ منافقین کے لی صرف یہ لفظ ہیں بعضھم من بعض (وہ ایک دوسرے سے ہیں اور اہل ایمان کے لیے الفاظ ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ بعضھم اولیاء بعض ایک مومن کا مزاج امت مومنہ کا مزاج ہوتا ہے وہ اجتماعی ذہن رکھتا ہے۔ وہ اتحاد، باہم متکافل اور مددگار ہوتا ہے اور اس کا یہ اتحاد اور باہم نصرت حصول خیر اور دفع شر کے لی ہوتی ہے۔[2]

تفہیم القرآن

جس طرح منافقین ایک الگ امت ہیں اسی طرح اہل ایمان بھی ایک الگ امت ہیں۔ اگرچہ ایمان کا ظاہری اقرار اور اسلام کی پیروی کا خارجی اظہار دونوں گروہوں میں مشترک ہے۔ لیکن دونوں کے مزاج، اخلاق،

---

[1] سورۃ التوبہ 71:05

[2] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:3، ص:596

اطوار، عادات اور طرز عمل میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ جہاں زبان پر ایمان کا دعویٰ ہے، مگر دل سچے ایمان سے خالی ہیں وہاں زندگی کا سارا رنگ ڈھنگ ایسا ہے جو اپنی ایک ایک ادا سے دعوائے ایمان کی تکذیب کر رہا ہے۔ اوپر کے لیبل پر تو لکھا ہے کہ یہ مشک ہے مگر لیبل کے نیچے جو کچھ ہے وہ اپنے پورے وجود سے ثابت کر رہا ہے کہ یہ گوبر کے سوا کچھ نہیں۔ بخلاف اس کے جہاں ایمان اپنی اصل حقیقت کے ساتھ موجود ہے وہاں مشک اپنی صورت سے، اپنی خوشبو سے، اپنی خاصیتوں سے ہر آزمائش اور ہر معاملہ میں اپنا مشک ہونا کھولے دے رہا ہے۔ اسلام و ایمان کے عربی نام نے بظاہر دونوں گروہوں کو ایک امت بنا رکھا ہے، مگر فی الواقع منافق مسلمانوں کا اخلاقی مزاج اور رنگ طبیعت کچھ اور ہے اور صادق الایمان مسلمانوں کا کچھ اور۔ اسی وجہ سے منافقانہ خصائل رکھنے والے مرد و زن ایک الگ جتھا بن گئے ہیں جن کو خدا سے غفلت، برائی سے دلچسپی، نیکی سے بعد اور خیر سے عدم تعاون کی مشترک خصوصیات نے ایک دوسرے سے وابستہ اور اہل ایمان سے عملاً بے تعلق کر دیا ہے۔ اور دوسری جانب سچے مومن مرد و زن ایک دوسرا گروہ بن گئے ہیں جس کے سارے افراد میں یہ خصوصیت مشترک ہے کہ نیکی سے وہ دلچسپی رکھتے ہیں، بدی سے نفرت کرتے ہیں، خدا کی یاد ان کے لیے غذا کی طرح زندگی کی ناگزیر ضروریات میں شامل ہے، راہ خدا میں خرچ کرنے کے لیے ان کے دل اور ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، اور خدا اور رسول کی اطاعت ان کی زندگی کا وتیرہ ہے۔ اس مشترک اخلاقی مزاج اور طرز زندگی نے انہیں آپس میں ایک دوسرے سے جوڑا اور منافقین کے گروہ سے توڑ دیا ہے۔[1]

اطلاق و تطبیق

تدبیر منزل میں مسلمانوں کے آپس میں بہترین تعلقات ہونے ضروری ہے جس کے متعلق درجہ بالا آیت کی روشنی میں سید محمد قطب نے پہلی والی آیت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ جس طرح منافقین کی فطرت اور مزاج کی یکسانیت کی وجہ ایک دوسرے سے لگاو اور دوستی ہے اسی طرح مسلمان بھی ایک دوسرے کے دوست ہیں البتہ مسلمانوں کی دوستی منافقین کے مقابلے میں بہت مضبوط اور قوی ہے۔

علامہ مودودی نے یہ مضمون ایک الگ پیرایہ سے واضح کیا ہے کہ مسلمانوں اور منافقین کے درمیان ایک قدر اشتراک ہے کہ ظاہری طور پر دونوں کلمہ گو ہے لیکن دونوں کے مزاج، اخلاق، اطوار، عادات اور طرز عمل میں زمین و آسمان کا فرق ہیں اس لیے ان کو الگ الگ امت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

---

[1] مودودی، تفہیم القرآن، ج:2، ص:214

فصل سوم: تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن میں سیاست مدنیہ کے اطلاق و تطبیق کا علمی مطالعہ

سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبۃ میں مذکور سیاست مدنیہ کے متعلق احکامات کی تفصیل درج ذیل ہیں:

پہلا حکم: اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ"[1]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بندشوں کی پُوری پابندی کرو۔"

تفہیم القرآن

کسی بھی اسلامی مملکت میں مسلمانوں کا بنیاد عقیدہ اور نظریہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ تسلیم کرنے کا ہے جس کے متعلق سید ابو الاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں:

یعنی اللہ حاکم مطلق ہے، اسے پورا اختیار ہے کہ جو چاہے حکم دے۔ بندوں کو اس کے احکام میں چون وچرا کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اگرچہ اس کے تمام احکام حکمت و مصلحت پر مبنی ہیں، لیکن بندہ مسلم اس کے حکم کی اطاعت اس حیثیت سے نہیں کرتا کہ وہ اسے مناسب پاتا ہے یا مبنی بر مصلحت سمجھتا ہے، بلکہ صرف اس بنا پر کرتا ہے کہ یہ مالک کا حکم ہے۔ جو چیز اس نے حرام کر دی ہے وہ صرف اس لیے حرام ہے کہ اس نے حرام کی ہے، اور اسی طرح جو اس نے حلال کر دی ہے وہ بھی کسی دوسری بنیاد پر نہیں بلکہ صرف اس بنیاد پر حلال ہے کہ جو خدا ان ساری چیزوں کا مالک ہے، وہ اپنے غلاموں کو اس چیز کے استعمال کی اجازت دیتا ہے۔ لہٰذا قرآن پورے زور کے ساتھ یہ اصول قائم کرتا ہے کہ اشیاء کی حرمت و حلت کے لیے مالک کی اجازت و عدم اجازت کے سوا کسی اور بنیاد کی قطعاً ضرورت نہیں، اور اسی طرح بندے کے لیے کسی کام کے جائز ہونے یا نہ ہونے کا مدار بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ خدا جس کو جائز رکھے وہ جائز ہے اور جسے ناجائز قرار دے وہ ناجائز۔[2]

---

[1] سورۃ المائدۃ 01:05

[2] مودودی، تفہیم القرآن، ج:1، ص:468

تفسیر فی ظلال القرآن

سید محمد قطب نے تفسیر فی ظلال القرآن میں سورۃ المائدۃ کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں تو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلی پر بات نہیں کی ہے البتہ اسی سورت کے آیت نمبر 79 کی تفسیر میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت اور اس کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

یہ معاملہ اس سے بہت برا اور بہت اہم ہے۔ یہ نیک لوگ جو سعی اور جہد کر رہے ہیں اس سے یہ بہت ہی بڑا ہے۔ یہ ایسا مرحلہ نہیں ہے جس کے اندر ہم فروعی معاملات اور جزوی اصلاحات کے اندر اپنی قوتیں ضائع کریں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر جزوی معاملات نہ ہوں بڑے معاملات نہ ہوں اور جزوی اصلاحات کے اندر اپنی قوتیں ضائع کریں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر جزوی معاملات نہ ہوں بڑے معاملات ہوں بلکہ حدود اللہ کیوں نہ ہوں لیکن حدود اللہ بھی تب قائم ہوں گی کہ ہم اللہ کی حاکمیت اور اقتدار اعلی کا اعتراف کرلیں اور یہ مسئلہ طے ہو جائے کہ اقتدار اعلی اللہ کا ہو گا۔ اللہ کے سوا کسی کو حق حاکمیت حاصل نہ ہو گا۔ جب تک یہ اعتراف حقیقت واقعیہ نہیں بن جاتا، جب تک شریعت کو ماخذ قانون قرار نہیں دے دیا جاتا، جب تک اللہ کی ربوبیت اور اللہ کی حاکمیت حکومت اور قوت کے ماخذ نہ بن جائیں تو فروعات کے اندر تمام کوششیں اور تمام انفرادی مساعی ضائع ہوں گی اور ہوتی رہیں گی۔ مناسب یہی ہے کہ ہم سب سے پہلے منکر اکبر کے خلاف جہد وجہد شروع کر دیں اور تمام دوسرے منکرات کو بعد میں لیں۔[1]

اطلاق و تطبیق

سیاستِ مدنیہ میں سب سے بنیادی نقطہ یہ ہے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور قتدارِ اعلی تسلیم کر لیا جائے اور اس کائنات کا حقیقی مالک و بادشاہ اور اس نظام کا چلانے والا اللہ تعالیٰ کو تسلیم کر کے اس کا مانا جائے۔ اسی حوالے سے علامہ مودودی نے سورۃ المائدۃ کی پہلی آیت میں اوفوا بالعقود کی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلی پر سیر حاصل بحث کیا ہے۔

سید محمد قطب نے سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر 79 میں یہ واضح کیا ہے کہ اس وقت تک تمام سعی اور کوشش رائیگاں اور ضائع ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ اعلی تسلیم نہ کر لیا جائے۔

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:620

دوسرا حکم: ملک کی مخصوص علامت اور اس کا اعزاز واکرام

" يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰهِ"[1]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا پرستی کی نشانیوں کو بے حُرمت نہ کرو۔"

تفسیر تفہیم القرآن

سید ابو الاعلیٰ مودودی کسی ملک کی خاص پہچان اور علامت کے متعلق فرماتے ہیں:

ہر وہ چیز جو کسی مسلک یا عقیدے یا طرز فکر و عمل یا کسی نظام کی نمائندگی کرتی ہو وہ اس کا "شعار" کہلائے گی، کیونکہ وہ اس کے لیے علامت یا نشانی کا کام دیتی ہے۔ سرکاری جھنڈے، فوج اور پولیس وغیرہ کے یونیفارم، سکے، نوٹ اور اسٹامپ حکومتوں کے شعائر ہیں اور وہ اپنے محکوموں سے، بلکہ جن جن پر ان کا زور چلے، سب سے ان کے احترام کا مطالبہ کرتی ہیں۔ گرجا اور قربان گاہ اور صلیب مسیحیت کے شعائر ہیں۔ چوٹی اور زنار اور مندر برہمنیت کے شعائر ہیں۔ کیس اور کڑا اور کرپان وغیرہ سکھ مذہب کے شعائر ہیں۔ ہتھوڑا اور درانتی اشتراکیت کا شعار ہیں۔ سواستیکا آریہ نسل پرستی کا شعار ہے۔ یہ سب مسلک اپنے اپنے پیرووں سے اپنے ان شعائر کے احترام کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی نظام کے شعائر میں سے کسی شعار کی توہین کرتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ دراصل اس نظام کے خلاف دشمنی رکھتا ہے، اور اگر وہ توہین کرنے والا خود اسی نظام سے تعلق رکھتا ہو تو اس کا یہ فعل اپنے نظام سے ارتداد اور بغاوت کا ہم معنی ہے۔[2]

یہ تفصیل فی ظلال القرآن میں موجود نہیں ہے۔

تیسرا حکم: عدل وانصاف پر مبنی نظام کا قیام

"وَ لَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى"[3]

"کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔"

---

[1] سورۃ المائدۃ 02:05

[2] مودودی، تفہیم القرآن، ج:1، ص:470

[3] سورۃ المائدۃ 08:05

تفسیر فی ظلال القرآن

سیاستِ مدنیہ کا غرض اور مقصود عدل وانصاف پر مبنی نظام لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہے جس کی مذکورہ آیت میں حکم دیا گیا ہے۔ اس کے متعلق سید محمد قطب رقم طراز ہیں:

دنیا میں کوئی ایسا نظام نہیں ہے جو انسانوں کو ایسا انصاف دے سکتا ہو جس میں دوست اور دشمن برابر ہوں۔ یہ صرف دین اسلام کا کام ہے جو اہل ایمان کو یہ دعوت دیتا ہے کہ انصاف کے معاملے میں محض اللہ کے لئے کھڑے ہو جائیں اور وہ انصاف کے لئے ماسوائے انصاف کے ہر سوچ(Consideration)ترک کر دیں۔

یہی وہ بنیادی عناصر ہیں جن کی وجہ سے اس دین کو دین انسانیت اور عالمی دین قرار دیا گیا ہے۔ اس کا نظام تمام لوگوں کے لئے بالکل کافی ہے، چاہے وہ لوگ اس دین کے ماننے والے ہوں یا نہ ماننے والے ہوں۔ تمام لوگ اس کے زیر سایہ عدل و انصاف کی زندگی گزار سکتے ہیں۔ انصاف قائم کرنا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس دین کے ماننے والے ہیں اور اس قیام عدل میں ان کا معاملہ اپنے رب کے ساتھ ہے، اگرچہ وہ انصاف چاہنے والوں کے ظلم وعدوان کا شکار رہے ہوں اور ان کے دل میں ان کی دشمنی ہو۔ یہ اس امت کا فریضہ ہے جسے اس پوری انسانیت کا نگران بنایا گیا ہے۔ اگرچہ اس عدل کے قیام میں اسے مشکلات پیش آئیں۔[1]

تفسیر تفہیم القرآن

تفسیر تفہیم القرآن میں یہاں پر اس آیت پر کوئی بحث نہیں کیا ہے۔

چوتھا حکم: امتِ مسلمہ کی پوری دنیا کی قیادت کا راز

"فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً"[2]

"پھر یہ انکو اپنے عہد کو توڑ ڈالنا تھا جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور انکے دل کو سخت کر دیا"

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:445

[2] سورۃ المائدۃ 13:05

تفسیر فی ظلال القرآن

سید محمد قطب یہود و نصاری کی عہد شکنیوں، خیانتوں اور چوری چکاریوں کا تذکرہ کرنے کے بعد امتِ محمدیہ کی قیادت سے محرومی کی اصل وجہ بتلاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

جب ان قرآنی تنبیہات سے امت مسلمہ نے غفلت برتی اور صحیح راستے کو چھوڑ کر غلط راستے پر پڑ گئی تو اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ سے انسانیت کی قیادت کا مقام منصب ضبط کر لیا اور قافلہ انسانیت میں یہ امت پیچھے چلنے والوں کی صف میں چلی گئی۔

جب تک یہ امت اپنے رب کی طرف رجوع نہ کرے گی، جب تک یہ اپنے عہد و پیمان پر پختگی سے قائم نہ ہو گی اور جب تک معاہدے کی شرائط کو پورا نہ کرے گی، اس وقت تک اللہ کا وعدہ ان کے حق میں معطل رہے گا۔ اگر وہ شرائط پوری کر دے تو اللہ تعالیٰ از سر نو اس امت کو تمکن فی الارض عطا کرے گا۔ وہ پوری انسانیت کی قائد ہو جائے گی اور تب وہ لوگوں پر شاہد حق ہو گی۔ اگر وہ یہ شرائط پوری نہ کرے گی تو وہ قافلہ انسانیت میں پیچھے چلنے والوں ہی میں رہے گی، یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔[1]

یہ تفصیل تفہیم القرآن میں موجود نہیں ہے۔

پانچواں حکم: ملک و قوم کی سلامتی کا راز

"یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَه سُبُلَ السَّلٰمِ وَ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِه وَ یَهْدِیْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ"[2]

"جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے اذن سے اُن کو اندھیروں سے نکال کر اُجالے کی طرف لاتا ہے اور راہِ راست کی طرف ان کی رہنمائی ہے"

تفسیر فی ظلال القرآن

سید محمد قطبؒ نے آیتِ بالا کی تفسیر میں ملک و قوم کی سلامتی کا راز بہترین انداز میں پیش کیا ہے وہ لکھتے ہیں:
یہ انداز اظہار قرآن پر سو فیصدی منطبق ہے اور قرآن اس بات کا نہایت ہی صحیح مصداق ہے کہ وہ سلامتی کا واسطہ

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:458

[2] سورۃ المائدۃ 16:05

ہے۔ اسلام ایک فرد کے لئے جو راہ متعین کرتا ہے وہ سلامتی کا راستہ ہے۔ وہ ضمیر کی سلامتی ہے، وہ عقل کی سلامتی ہے، وہ اعضاء کی سلامتی ہے۔ وہ گھر اور خاندان کی سلامتی ہے۔ وہ معاشرے کی سلامتی ہے، وہ بشریت و انسانیت کی سلامتی ہے۔ وہ اس زندگی کے ساتھ سلامتی ہے، وہ اس کائنات کے ساتھ سلامتی ہے، وہ اللہ رب کائنات کے ساتھ سلامتی ہے، وہ اللہ رب کائنات کے ساتھ سلامتی، غرض ہمہ گیر اور ہمہ جہت سلامتی ہے جسے اس انسانیت نے نہ کبھی پایا ہے اور نہ کبھی پاسکے گی مگر صرف اسلامی نظام حیات میں، صرف منہاج میں صرف اسلامی شریعت کے قانون میں اور صرف اس معاشرے میں جو اسلامی شریعت اور اسلامی نظریہ حیات کی اساس پر قائم ہو۔[1]

یہ تفصیل تفسیر تفہیم القرآن میں موجود نہیں ہے۔

چھٹا حکم: قانون قصاص

" اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَ لَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ "[2]

" اور (اے حبیب!) انہیں آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر پڑھ کر سناؤ جب دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی طرف سے قبول کرلی گئی اور دوسرے کی طرف سے قبول نہ کی گئی۔"

تفسیر فی ظلال القرآن

صریح ظلم کے خلاف قانون قصاص ضروری ہے۔ ایک عادلانہ قانون نظام ہی اس بدی صریح ظلم کے ارتکاب سے روکتا ہے جس کے بعد یہ بدی ظلم کے ارتکاب سے رک جائے گی اور اسے ارتکاب جرم سے خوفزدہ کرکے باز رکھا جاسکے گا۔ اگر اس تخویف کے بعد بھی بدی جرم کا ارتکاب کرتی ہے تو اسے منصفانہ سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہی سزا جو اس بدی کے جرم کے بالکل مناسب ہو، تاکہ معاشرے کے نیک نفس لوگوں کو بچایا جائے اور نیک نفس لوگوں کی جان و مال محفوظ ہوں اس کے لئے اس قصے میں جس قسم کے نیک نفس لوگوں کا نمونہ پیش کیا گیا ہے وہ اس کے مستحق ہیں کہ انہیں تحفظ دیا جائے، وہ زندہ رہ سکیں، امن سے رہیں اور ایک عادلانہ قانونی نظام وانتظام

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:459

[2] سورۃ المائدۃ 27:05

کے تحت رہیں۔[1]

تفہیم القرآن میں قصاص کے متعلق یہاں پر کوئی بحث نہیں ہے۔

ساتواں حکم: دار الاسلام اور دار الحرب کے درمیان فرق

سید محمد قطبؒ نے تفسیر ظلال القرآن میں دار الاسلام اور دار الحرب کے درمیان یوں کیا ہے:

"یہ بات بھی ہمیں ذہن نشین کرنا چاہئے کہ دارالاسلام وہ مملکت ہے جس میں اسلامی شریعت نافذ ہو، اور حکومت کے تمام ادارے اس کے مطابق چلتے ہوں اور دارالحرب اور سرزمین ہے جس میں شریعت نافذ نہ ہو اور کاروبار مملکت میں شریعت کے احکام نہ مانے جاتے ہوں۔"[2]

یہ تفصیل تفہیم القرآن میں موجود نہیں ہے۔

آٹھواں حکم: بغاوت کی سرکوبی

" اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَه وَ يَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ "[3]

"(جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لئے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کئے جائیں، یا سولی پر چڑھائے جائیں، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، یا وہ جلاوطن کر دیئے جائیں۔"

تفسیر فی ظلال القرآن

سید محمد قطب نے مملکت میں اسلام نظام نافذ کرنے کی اہمیت اور ان کے خلاف اٹھنے والے بغاوت کی سرکوبی پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: اس آیت کا ایک اور مفہوم بھی درج بالا مفہوم کے مطابق یہاں متعین ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہ جس سربراہ مملکت کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق باغیوں کے خلاف آیت میں درج سزائیں دینے کا اختیار ہے وہ وہی سربراہ مملکت ہے جو اسلامی شریعت کے مطابق سربراہ بنا ہو اور جو شریعت کا نافذ کنندہ ہو۔ ایسے

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:472

[2] ایضاً، ص:475

[3] سورۃ المائدۃ 33:05

بادشاہ کے علاوہ کسی اور بادشاہ یا سربراہ مملکت کو ایسے اختیارات نہ ہوں گے۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ اگر کسی مملکت کی بنیاد شریعت اسلامی کے مطابق نہ ہو تو ان کو ایسے سزا دینے کا حق نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں: غرض اگر کوئی حکومت دارالاسلام میں اسلامی شریعت کی اساس پر قائم نہ ہو، تو اسے اپنے باغیوں پر وہ سزائیں نافذ کرنے کا شرعی اختیار نہیں ہے۔ ایسی لادین حکومتوں کا شریعت کے ساتھ تعلق ہی کیا ہوتا ہے ؟ یہ حکومت ایسی ہوتی ہے جنہوں نے اللہ کے حق الوہیت اور حق حاکمیت پر دست درازی کی ہوئی ہوتی ہے۔ ان کا قانون شریعت کے ساتھ تعلق ہی کیا رہتا ہے؟

ایسے باغی دستوں کے لئے یہ سزائیں تب ہوں گی جب وہ اسلامی خلیفہ کے خلاف بغاوت کریں اور وہ خلیفہ کے خلاف بغاوت کریں اور وہ خلیفہ اسلامی شریعت کا نافذ کنندہ اور حامی ہو۔ یہ لوگ دارالاسلام کے باشندوں کے لئے خطرہ ہوں، ان کی جان، مال اور آبرو ان سے محفوظ نہ ہو، تو تب ان کو قتل کیا جانا جائز اور فرض ہو گا اور ان کو سزائے موت دی جا سکے گی۔[1]

تفہیم القرآن

ابو الاعلی مودودی بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زمین سے مراد یہاں وہ ملک یا وہ علاقہ ہے جس میں امن و انتظام قائم کرنے کی ذمہ داری اسلامی حکومت نے لے رکھی ہو۔ اور خدا او رسول سے لڑنے کا مطلب اس نظام صالح کے خلاف جنگ کرنا ہے جو اسلام کی حکومت نے ملک میں قائم کر رکھا ہو۔

آگے اس کا انطباق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایسا نظام جب کسی سرزمین میں قائم ہو جائے تو اس کو خراب کرنے کی سعی کرنا، قطع نظر اس سے کہ وہ چھوٹے پیمانے پر قتل و غارت اور رہزنی و ڈکیتی کی حد تک ہو یا بڑے پیمانے پر اس صالح نظام کو الٹنے اور اس کی جگہ کوئی فاسد نظام قائم کر دینے کے لیے، دراصل وہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے تعزیرات ہند میں ہر اس شخص کو جو ہندوستان کی برطانوی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کرے "بادشاہ کے خلاف لڑائی" (Waging war against theKing) کا مجرم قرار دیا گیا، چاہے اس کی کاروائی ملک کے کسی دور دراز گوشے میں ایک معمولی سپاہی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور بادشاہ اس کی دسترس سے کتنا ہی دور ہو۔

آخر میں لکھتے ہیں کہ کسی شخص کا اسلامی حکومت کے اندر رہتے ہوئے اسلامی نظام کو الٹنے کی کوشش کرنا

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:496

بد ترین جرم ہے اور اسے ان انتہائی سزاؤں میں سے کوئی سزا دی جاسکتی ہے۔[1]

اطلاق و تطبیق

دونوں مفسرین تقریباً اس نقطہ پر متفق ہیں کہ آیت میں مذکورہ بالا سزا ان لوگوں کے لیے ہیں جو کسی اسلامی مملکت یعنی جہاں پر اسلامی نظام نافذ ہوں، ان کے خلاف اعلانِ بغاوت کریں تو ان کو یہ سزا دی جائے گی۔ اس پر مقام پر تفہیم القرآن نے اس مسئلہ کے مثال بھی پیش کیا گیا ہے جب کہ فی ظلال القرآن میں اس پر تفصیلی بحث ہوا ہے۔

نواں حکم: اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کے فیصلے

"فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُم وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ"[2]

"اگر تمہارے حضور حاضر ہوں تو ان میں فیصلہ فرماؤ یا ان سے منہ پھیر لو اور اگر تم ان سے منہ پھیر لوگے تو وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے اور اگر ان میں فیصلہ فرماؤ تو انصاف سے فیصلہ کرو بے شک انصاف والے اللہ کو پسند ہیں"

تفسیر فی ظلال القرآن

یہودیوں کو یہ اختیارات دینا کہ وہ اپنے فیصلے خود کریں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات بہت ہی ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہیں۔ بعد کے ادوار میں اسلامی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا لازمی ہو گیا تھا اس لئے کہ دارالاسلام میں صرف اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے کئے جاسکتے ہیں۔ دارالاسلام کے باشندوں پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے فیصلے شرعی قانون کے مطابق کریں۔ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلامی معاشرے میں اہل کتاب کے متعلق یہ خاص اصول وضع کیا گیا ہے کہ ان کے فیصلے خود ان کی شریعت کے مطابق کئے جائیں گے مثلاً یہ کہ ان کے لئے وہ معاملات جائز ہوں گے جو ان کی شریعت میں جائز ہیں۔ مثلاً خنزیر کی ملکیت، اس کا گوشت کھانا، شراب کی ملکیت اور شراب پینا (ہاں مسلمانوں پر فروخت کرنے کی اجازت نہ ہو گی) نیز ان پر سودی کاروبار کرنا حرام ہو گا، اس لئے کہ اہل کتاب کے ہاں بھی سودی کاروبار کرنا حرام ہے۔ اسی طرح حد زنا، حد سرقہ بھی ان پر نافذ ہو گی، کیونکہ ان کی کتابوں میں بھی یہ حدود نافذ ہیں۔ بغاوت، فساد فی الارض اور دوسری عام تعزیری سزائیں ان پر بھی اسی طرح نافذ

---

[1] مودودی، تفہیم القرآن، ج:1، ص:465

[2] سورۃ المائدۃ 42:05

ہو گی جس طرح عام مسلمانوں پر نافذ ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ یہ امور دارالاسلام کے امن وامان کے لئے ضروری ہیں چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم اور اس معاملے میں کسی کے ساتھ کوئی نرمی نہیں کی جا سکتی۔

اس کے بعد سید محمد قطب نے آیت کی شان نزول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہود کے دو قبائل بنو نضیر اور بنو قریظہ کے درمیان قصاص و دیت میں تنازعہ تو وہ مقدمہ لے کر دربار نبوی میں پہنچے اور پھر مکمل تفصیل بیان کیا ہے۔[1]

تفہیم القرآن

یہودی اس وقت تک اسلامی حکومت کی باقاعدہ رعایا نہیں بنے تھے بلکہ اسلامی حکوت کے ساتھ ان کے تعلقات معاہدات پر مبنی تھے۔ ان معاہدات کی رو سے یہودیوں کو اپنے اندرونی معاملات میں آزادی حاصل تھی اور ان کے مقدمات کے فیصلے انہی کے قوانین کے مطابق ان کے اپنے جج کرتے تھے۔ نبی ﷺ کے پاس یا آپ کے مقرر کردہ قاضیوں کے پاس اپنے مقدمات لانے کے لیے وہ ازروئے قانون مجبور نہ تھے۔ لیکن یہ لوگ جن معاملات میں خود اپنے مذہبی قانون کے مطابق فیصلہ کرنا نہ چاہتے تھے ان کا فیصلہ کرانے کے لیے نبی ﷺ کے پاس اس امید پر آجاتے تھے کہ شاید آپ کی شریعت میں ان کے لیے کوئی دوسرا حکم ہو اور اس طرح وہ اپنے مذہبی قانون کی پیروی سے بچ جائیں۔[2]

یہاں خاص طور پر جس مقدمہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ تھا کہ خیبر کے معزز یہودی خاندانوں میں سے ایک عورت اور ایک مرد کے درمیان ناجائز تعلق پایا گیا۔ توراۃ کی رو سے ان کی سزا رجم تھی، یعنی یہ کہ دونوں کو سنگسار کیا جائے[3]

اطلاق و تطبیق

مذکورہ آیت کی تفسیر میں سید محمد قطبؒ نے یہ رائے قائم کی ہے کہ یہودیوں کی اپنی شریعت کے مطابق فیصلے کرنے کا اختیار بہت پہلے کا ہے جو کہ منسوخ ہو گیا۔ اب اگر کسی اسلامی ملک میں غیر مسلم رہتے ہیں تو ان کے فیصلے شریعتِ اسلامی کے مطابق ہوں گے البتہ اگر انفرادی اور ذاتی مسائل ہو تو پھر ان کے دین وملت کا اعتبار ہو گا جیسا کہ

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:510

[2] مودودی، تفہیم القرآن، ج:1، ص:472

[3] استثناء۔ باب 22۔ آیت 23۔24

خنزیر کی ملکیت اور کھانا، شراب کی ملکیت اور پینا وغیرہ۔ معاملات وغیرہ میں وہ اسلامی قانون کے پابند ہوں گے جیسا کہ حد زنا، حد سرقہ وغیرہ۔

جب کہ تفہیم القرآن میں علامہ مودودی کی رائے یہ ہے کہ وہ درحقیقت اسلامی مملکت باشندے نہیں تھے بلکہ معاہدات کے بنیاد پر ان کے تعلقات تھے اس لیے اندرونی معاملات میں ان کو آزادی حاصل تھی۔

دسواں حکم: قانون ساز اللہ تعالیٰ

" يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ"[1]

"اے ایمان والو! ان ستھری چیزوں کو حرام نہ کرو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

تفسیر فی ظلال القرآن

سید محمد قطبؒ قانونِ سازی اور حاکمیت کے مسئلہ کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حقیقت یہ ہے کہ قانون سازی کے مسئلے کا تعلق خاص مسئلہ حاکمیت اور الوہیت کے ساتھ ہے۔ قانون سازی کا حق اللہ کی حاکمیت کے ساتھ مخصوص اس لئے ہے کہ اللہ ہی انسانوں کا مالک اور خالق ہے اور وہی ہے جو انسانوں کو رزق فراہم کرتا ہے۔ اس لئے یہ حق صرف اللہ کا ہے کہ وہ اپنی مخلوق کے لئے، اپنے پیدا کردہ رزق میں سے بعض چیزوں کو حلال کردے اور بعض کو حرام کردے۔ یہ ایک ایسی دلیل ہے جس کو انسانوں کی عقل بڑی آسانی سے مان لیتی ہے۔ انسانوں کے نزدیک بھی کسی چیز کا مالک ہی یہ حق رکھتا ہے کہ وہ اپنی مموکہ چیز میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور جو شخص بھی کسی کے حق ملکیت پر دست درازی کرتا ہے تو اسے ظلم وزیادتی کا مرتکب تصور کیا جاتا ہے۔ جو لوگ ایمان لاچکے، ظاہر ہے کہ ان سے یہ توقع نہیں ہے کہ وہ اللہ کے حقوق پر دست درازی کریں گے اس لئے کہ اللہ پر ایمان اور پھر اللہ سے بغاوت دونوں ایک دل میں کس طرح جمع ہوسکتے ہیں۔[2]

تفہیم القرآن

اس آیت میں دو باتیں ارشاد ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ خود حلال و حرام کے مختار نہ بن جاؤ۔ حلال وہی ہے جو

---

[1] سورۃ المائدۃ 87:05

[2] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:649

اللہ نے حلال کیا اور حرام وہی ہے جو اللہ نے حرام کیا۔ اپنے اختیار سے کسی حلال کو حرام کرو گے تو قانون الٰہی کے بجائے قانون نفس کے پیرو قرار پاؤ گے۔ دوسری بات یہ کہ عیسائی راہبوں، ہندو جوگیوں، بودھ مذہب کے بھکشوؤں اور اشراقی متصوفین کی طرح رہبانیت اور قطع لذات کا طریقہ اختیار نہ کرو۔ مذہبی ذہنیت کے نیک مزاج لوگوں میں ہمیشہ سے یہ میلان پایا جاتا رہاہے کہ نفس و جسم کے حقوق ادا کرنے کو وہ روحانی ترقی میں مانع سمجھتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا، اپنے نفس کو دنیوی لذتوں سے محروم کرنا، اور دنیا کے سامان زیست سے تعلق توڑنا، بجائے خود ایک نیکی ہے اور خدا کا تقرب اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔[1]

اطلاق و تطبیق

درحقیقت جب انسان اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرتا ہے یعنی وہ یہ عقید رکھتا ہے کہ حاکمِ اعلی ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو پھر قانون بھی اسی ذات کی تسلیم کرنا پڑے گا اسی مسئلہ وضاحت سید محمد قطبؒ نے کیاہے کہ قانون ساز ذات صرف اللہ تعالیٰ کو تسلیم کرنا لازم ہے۔ جب کہ علامہ مودودی نے دو مسئلوں کی طرف اشارہ کیاہے ان میں سے پہلا یہی ہے کہ حلال و حرام کی قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے اور دوسرا مسئلہ یہ ذکر کیاہے کہ اپنی مرضی نہ چلاؤ۔

سورۃ التوبۃ میں پہلا حکم: اہل کتاب کے ساتھ قتال کے اسباب و شرائط

" قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُه وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ"[2]

"جنگ کرو اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں"

تفسیر فی ظلال القرآن

سید محمد قطب مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان کے تعلقات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس

---

[1] مودودی، تفہیم القرآن، ج:1، ص:498

[2] سورۃ التوبۃ 29:09

سورت کے اس حصے میں قرآن کریم نے مسلمانوں اور اسلامی ریاست اور اہل کتاب کے دمیان تعلقات کی آخری اور فائنل صورت متعین کی ہے۔ اہل کتاب کی بھی آخری پوزیشن بتائی گئی ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ وہ شرک، کفر اور باطل پر عمل پیرا ہیں۔ اور ان واقعات اور اسباب کی نشاندہی کی ہے۔ ایسے مواقع پر قرآن کریم جو اندازِ کلام اختیار کرتا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دائمی صورتِ حاصل ہوتی ہے کیونکہ یہاں جن صفات کا ذکر کیا گیا ہے یہ اس لیے مذکور نہیں ہوئیں کہ یہ آغاز قتال کے لیے اسباب یا شرائط ہیں بلکہ ان شرائط وصفات کو بطور امر واقعہ یہاں گنوایا ہیں، ہاں! یہ صفات ان کے ساتھ جنگ کرنے کا وجہ جواز ضرور ہیں لہٰذا جن لوگوں کے اندر یہ صفات پائی جائیں ان کے ساتھ جنگ کا جواز ہو گا:

i. یہ کہ یہ لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

ii. یہ کہ وہ اللہ اور رسول اللہ کے حرام کردہ امور کو حرام نہیں سمجھتے۔

iii. یہ کہ وہ دین حق (اسلامی نظام) کے مطیع نہیں ہیں۔

iv. ان اہل کتاب میں سے یہودیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عزیر ابن اللہ ہیں۔ اور نصاریٰ کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ ابن اللہ ہیں۔ اور ان دو اقوال میں یہ اہل کتاب دوسرے کفار اور مشرکین کے مشابہ تھے۔ چاہے وہ یونانی بت پرست ہوں یا رومی بت پرست ہوں، یا ہندو بت پرست ہوں یا فرعونی بت پرست ہوں یا دوسرے اہل کفر ہوں۔ (بعد میں ہم یہ توضیح کریں گے کہ نصاریٰ کے نزدیک تثلیث اور ابنیت کا دعویٰ یا یہودیوں کی طرف سے ابنیت کا دعوی سابقہ بت پرستیوں سے ماخوذ ہے۔ اصل نصرانیت اور اصل یہودیت کے اندر یہ عقیدہ ہرگز نہ تھا۔

v. یہ کہ ان لوگوں نے اپنے احبار اور رہبان کو اللہ کے سوا رب قرار دے دیا تھا۔ جیسا کہ انہوں نے مسیح کو رب قرار دے دیا تھا حالانکہ انہیں حکم یہ دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی توحید پر قائم رہیں اور دین صرف اللہ کے لیے خالص کریں ورنہ وہ مشرک ہوں گے۔

vi. یہ کہ وہ اللہ کے دین کے خلاف برسرپیکار ہیں اور ان کا ارادہ یہ ہے کہ اس نئے چراغ کو اپنی منہ کی پھونکوں سے بجھادیں لہٰذا یہ کافر ہیں۔

vii. اکثر احبار و رہبان لوگوں کا مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور اللہ کے دین سے لوگوں کو روکتے ہیں ان اوصاف کی وجہ سے اور اہل کتاب جس موقف پر قائم تھے اس کی وجہ سے قرآن کریم نے اہہل کتاب کے حوالے سے درج بالا آخری موقف متعین کیا۔ اب اس آخری ضابطے کے مطابق اسلامی مملکت اور اسلامی

معاشرہ اور اہل کتاب کے درمیان بین الاقوامی ضابطہ مرتب ہوا ہے۔[1]

تفہیم القرآن میں یہ تفصیل مذکور نہیں ہے۔

دوسرا حکم: نظام زکوۃ

" اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِى الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ"[2]

"یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں، اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو۔ نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے میں اور راہ کدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا و بینا ہے"

تفسیر فی ظلال القرآن

اس آیت کے ذریعے اسلامی شریعت میں زکوۃ کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔ اب زکوۃ محض نفلی صدقہ اور رضاکارانہ چندہ نہیں رہی۔ اب یہ حتمی فریضہ اور واجبی ٹیکس ہے۔ نیز زکوۃ کے تقسیم کنندگان کی جانب سے بھی یہ کوئی عطیہ تصور نہ ہوگا نہ دینے والوں کی جانب سے عطیہ ہوگا بلکہ معلوم فریضہ ہوگا۔ اسلامی حکومت کا یہ ایک اہم مالی فریضہ ہے۔ اس کی وصولی کا ایک نظام ہوگا اور تقسیم کا بھی ایک ضابطہ جاری ہو گیا ہے۔ غرض زکوۃ دینے والوں کا فرض ہے اور لینے والوں کے لیے ان کا حق ہے۔ یہ خیرات اور سوال نہیں ہے کیونکہ اسلام یہ اجازت نہیں دیتا کہ کوئی زکوۃ گداگری کے تصور سے وصول کرے۔

اسلامی نظم میں زندگی کو عملی اور سعی پر استوار کیا گیا ہے۔ عمل کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ اسلامی حکومت کا یہ فرض اور اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ہر اس شخص کے لیے روزگار کا بندوبست کرے جو عمل اور محنت پر قدرت رکھتا ہو، وہ اسے کام کے لیے ہنر مندی سکھائے اور اس کے لیے موقع فراہم کرے اور پھر یہ مزدور اور محنت کش کو یہ ضمانت دے کہ اس کو اس کی محنت کی پوری اجرت ملے۔

اسلامی نظام کے ضوابط کی رو سے عمل پر قدرت رکھنے والوں کا زکوۃ میں کوئی حق نہیں زکوۃ ایک ایسا ٹیکس ہے جو اہل ثروت سے لیا جاتا ہے اور محتاجوں کو دیا جاتا ہے اور اس کی وصولی اور تقسیم کا انتظام حکومت کے ہاتھوں میں

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:3، ص:527-528

[2] سورۃ التوبہ 60:09

رہتا ہے۔ بشر طیکہ حکومت اسلامی اصولوں پر قائم ہو، نظام شریعت کو نافذ کرنے والی ہو اور زکوۃ کو بھی وہ مکمل اسلامی ضوابط کے مطابق وصول کرتی ہو اور خرچ کرتی ہو۔[1]

تفہیم القرآن

سید مودودی اس سے دو آیات پہلے منافقین کے اعتراضات کے ضمن میں نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں سرکاری زکوۃ کے متعلق لکھتے ہیں:

عرب میں یہ پہلا موقع تھا کہ ملک کے تمام ان باشندوں پر جو ایک مقرر مقدار سے زائد مال رکھتے تھے، باقاعدہ زکٰوۃ عائد کی گئی تھی اور وہ ان کی زرعی پیداوار سے ان کے مویشیوں سے ان کے اموال تجارت سے ان کے معدنیات سے اور ان کے سونے چاندی کے ذخائر سے 2-1/2 فی صدی، 5 فی صدی، 100 فی صدی کی مختلف شرحوں کے مطابق وصول کی جاتی تھی۔ یہ سب اموال زکٰوۃ ایک منظم طریقہ سے وصول کیے جاتے اور ایک مرکز پر جمع ہو کر منظم طریقہ سے خرچ کیے جاتے۔ اس طرح نبی ﷺ کے پاس ملک کے اطراف سے اتنی دولت سمٹ کر آتی اور آپ کے ہاتھوں خرچ ہوتی تھی جو عرب کے لوگوں نے کبھی اس سے پہلے کسی ایک شخص کے ہاتھوں جمع اور تقسیم ہوتے نہیں دیکھی تھی۔[2]

تیسرا حکم: تقسیم اموال میں امیر پر اعتراضات کی حقیقت

" وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَ اِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ"[3]

"اے نبیؐ، ان میں سے بعض لوگ صدقات کی تقسیم میں تم پر اعتراضات کرتے ہیں۔ اگر اس مال میں سے انہیں کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جائیں، اور نہ دیا جائے تو بگڑنے لگتے ہیں۔"

تفسیر فی ظلال القرآن

سید محمد قطب آیتِ بالا کی تفسیر میں منافقین کی حالت کی تصویر کشی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

ان آیات میں بھی منافقین پر تبصرہ جاری ہے۔ اور ان کے اقوال اعمال اور نیات پر کلام ہے۔ ان کی نیتوں کے بارے میں انکشافات ہیں جن کو چھپانے کا انہوں نے بہت ہی احتیاط کے ساتھ اہتمام کیا تھا۔ لیکن وہ پھر بھی چھپا نہ سکے۔ کیونکہ وہ حضور کی جانب سے تقسیم صدقات کے بارے اعتراض کرتے ہیں حضور اکرم ﷺ کی عدالت پر نکتہ

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:3، ص:585

[2] مودودی، تفہیم القرآن، ج:2، ص:204

[3] سورۃ التوبہ 58:09

چینی آخر ایک مسلمان کیسے کر سکتا ہے۔ آپ تو معصوم ہیں اور خلق عظیم کے مالک ہیں۔ پھر ان میں سے بعض حضور کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص کانوں کا کچا ہے۔ ہر شخص کی بات سنتا ہے اور ہر شخص کو سچا سمجھتا ہے۔ حالانکہ حضور نبی اور صاحب بصیرت ہیں، مفکر و مدبر ہیں اور ان کو حکمت کے خزانے دیے گئے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو اپنے کافرانہ اور فاجرانہ عقائد و اعمال کو اچھی طرح چھپاتے ہیں لیکن جب ان کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے تو جھوٹی قسموں کا سہارا لیتے ہیں تاکہ اپنے معاملات و اعمال کو چھپا سکیں۔ اور بعض تو ایسے سہمے اور ڈرے رہتے ہیں کہ کہیں ان کے بارے میں نبی پر سورت ہی نازل نہ ہو جائے۔[1]

تفسیر تفہیم القرآن

نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں سرکاری زکوۃ کی کثرت وبہتات کو دیکھ منافقین برداشت نہ کر سکے اور اعتراضات شروع کر دئے جس کے متعلق سید ابوالاعلی مودودی لکھتے ہیں:

دنیاپرست منافقین کے منہ میں اس دولت کو دیکھ کر پانی بھر بھر آتا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اس بہتے ہوئے دریاسے ان کو خوب سیر ہو کر پینے کا موقع ملے، مگر یہاں پلانے والا خود اپنے اوپر اور اپنے متعلقین پر اس دریا کے ایک ایک قطرے کو حرام کر چکا تھا اور کوئی یہ توقع نہ کر سکتا تھا کہ اس کے ہاتھوں سے مستحق لوگوں کے سوا کسی اور کے لب تک جام پہنچ سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ منافقین نبی ﷺ کی تقسیم صدقات کو دیکھ دیکھ کر دلوں میں گھٹتے تھے اور تقسیم کے موقع پر آپ کو طرح طرح کے الزامات سے مطعون کرتے تھے۔ دراصل شکایت تو انہیں یہ تھی کہ اس مال پر ہمیں دست درازی کا موقع نہیں دیا جاتا، مگر اس حقیقی شکایت کو چھپا کر وہ الزام یہ رکھتے تھے کہ مال کی تقسیم انصاف سے نہیں کی جاتی اور اس میں جانب داری سے کام لیا جاتا ہے۔[2]

اطلاق و تطبیق

سیاست مدنیہ میں ہر شخص کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے اور مملکت کے دوسرے لوگوں کے حق کے لیے آواز اٹھائے تاہم اگر صرف مال و دولت کی لالچ ہو اور برے نیت سے اپنے حکمرانوں کو تنگ اور پریشان کیا جائے اور ان پر اعتراضات اور نکتہ چینیاں کی جائے تو یہ فعل مذموم ہے۔ یہی صورتِ حال نبی کریم ﷺ کے زمانے کے منافقین کا تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اموال زکوۃ کی کثرت کو دیکھ کر برداشت نہ کر سکے اور نبی کریم ﷺ پر بے جا اعتراضات شروع کر دئے۔ دونوں مفسرین نے اسی مضمون کی وضاحت اپنے اپنے انداز میں کیا ہے۔

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:3، ص:583

[2] مودودی، تفہیم القرآن، ج:2، ص:204

خلاصہ باب

باب سوم میں منتخب تفاسیر (تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن) کے مشمولات کی روشنی میں سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبۃ میں مذکور تین عنوانات یعنی تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاستِ مدنیہ کے اطلاق و تطبیق کا علمی جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ باب تین ذیلی فصلوں پر مشتمل ہے۔

اس کا پہلا فصل قرآن میں پیش کردہ تہذیب الاخلاق کے علمی مطالعہ اور ان کے اطلاق پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس فصل میں قرآن کی تعلیمات کو زندگی کے عملی پہلوؤں میں لاگو کرنے کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ اس فصل میں تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن کا گہرائی سے جائزہ پیش کیا گیا ہے، قرآنی آیات کو سمجھنے کے لیے استعمال کیے جانے والے تشریحی طریقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس بحث میں ایفائے عہد کے تصور اور وعدوں اور معاہدوں کو پورا کرنے کی اہمیت کی طرف، خاص طور پر جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے گئے ہیں، کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ عفو و درگزر کی اہمیت اور عام میں معاشرے میں اس کے اطلاق پر کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ اس فصل میں روزمرہ کی زندگی میں معافی کے اطلاق اور اسلامی فریم ورک کے اندر اخلاقی اقدار کو فروغ دینے میں اس کے کردار کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مذکورہ دونوں تفاسیر کی روشنی میں دھوکہ دہی کی تاریخی مثالوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، خاص طور پر یہودیوں کی دھوکہ دہی اور غداری پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے گیے عہد کے تناظر میں خیانت کے مضمرات اور اس طرح کے اعمال کے نتائج کو تلاش کیا گیا ہے۔ تاریخی سیاق و سباق سے آگے بڑھتے ہوئے، اس فصل میں مسلم امہ کی عصری حالت پر روشنی ڈالی گئی ہے، چیلنجوں اور مواقع کو اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ تاریخی مثالوں کے ساتھ، یہود و نصاریٰ خیانت کی حالت کا بھی جائزہ لیتا ہے۔

متن میں مکہ کے مشرکین کی اپنی نذریں توڑنے کی صورت حال کا جائزہ لیا گیا ہے، اور اسلامی اخلاقی فریم ورک کے اندر اس طرح کے اعمال کے نتائج کے بارے میں بصیرت فراہم کی گئی ہے۔ اسی طرح یہ فصل منافقین کے اپنے وعدوں کی خلاف ورزی کی حالت کو بیان کرتا ہے اور اخلاص اور دیانت کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔

اللہ کی طرف یہودیوں کی کنجوسی ایک مرکزی نقطہ بن جاتی ہے، اس متن میں بخل کی بنیادی وجوہات کا تجزیہ کیا گیا ہے اور اس اخلاقی چیلنج پر قابو پانے کے لیے علاج تجویز کیے گئے ہیں۔ سماجی ہم آہنگی کو برقرار رکھنے میں ان کے کردار اور ذمہ داریوں کو تلاش کرتے ہوئے معاشرے کے مختلف طبقوں کو گھیرنے کے لیے بحث کا دائرہ وسیع ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ فصلِ اول اسلامی فریم ورک کے اندر خیانت، معافی اور معاشرتی ذمہ داریوں کی تاریخی اور

عصری مثالوں کا جائزہ لیتے ہوئے قرآنی اخلاق کے عملی اطلاق کی ایک جامع تحقیق پیش کرتا ہے۔

فصل دوم قرآن کو سمجھنے کی تفصیلی تحقیق اور قرآنی معانی کی تشریح میں "تدبیر المنزل" کے تصور کو بروئے کار لانے کے علمی مطالعہ پر روشنی ڈالتا ہے۔ یہ فصل قرآن میں بیان کیے گیے پیغامات کو سمجھنے میں منظم منصوبہ بندی اور تنظیم کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔

اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کا ایک قابل ذکر موضوع زیر بحث ہے۔ اس فصل میں بین المذاہب شادیوں کے بارے میں قرآنی نقطہ نظر کے بارے میں بصیرت فراہم کی گئی ہے، خاص طور پر ان پیچیدگیوں اور تحفظات کو حل کیا گیا ہے جب مسلمان یہودی یا عیسائی برادریوں کی خواتین سے شادی کرتے ہیں جنہیں اہل کتاب کہا جاتا ہے۔

معاشرے میں امن و امان کے قیام کا موضوع مرکزی حیثیت رکھتا ہے، خاص طور پر انسدادِ قتل کے اقدامات پر توجہ مرکوز کرنا۔ اس باب میں سماجی ہم آہنگی کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے قتل کی کارروائیوں کو روک کر امن و سلامتی کو برقرار رکھنے سے متعلق قرآنی تعلیمات کی وضاحت کی گئی ہے۔

اسی طرح، بحث چوری کے خلاف اقدامات تک پھیلی ہوئی ہے، قرآنی اصولوں کو تلاش کرنا جو چوری سے متعلق مسائل کو حل کر کے امن و امان کے قیام میں معاون ہیں۔ اس فصل میں اسلامی معاشرتی فریم ورک کے اندر چوری کو روکنے کے اخلاقی اور قانونی پہلوؤں کی بصیرت فراہم کی گئی ہے۔

اس باب میں یہودیوں کے ساتھ رفاقت کا جائزہ لیا گیا ہے، جو مسلمانوں اور یہودی برادری کے درمیان تعلقات کی حرکیات پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس فصل میں مختلف مذہبی برادریوں کے درمیان افہام و تفہیم، تعاون، اور پر امن بقائے باہمی کو فروغ دینے کے لیے قرآنی رہنمائی کو تلاش کیا گیا ہے۔

اس فصل میں مسلم کمیونٹی کے اندر اجتماعی ضمیر کو زندہ رکھنے کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ اس میں ایک مربوط اور اخلاقی طور پر درست معاشرے کو برقرار رکھنے میں مشترکہ اقدار، اخلاقیات، اور ذمہ داری کے اجتماعی احساس کے کردار پر بحث کیا گیا ہے۔

فصل دوم میں شامل آخری موضوع خود مسلمانوں کے درمیان تعلقات ہیں۔ متن مسلم کمیونٹی کے اندر باہمی تعلقات کی حرکیات کو بیان کرتا ہے، جو ساتھی مومنین کے درمیان اتحاد، تعاون اور باہمی تعاون کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔

خلاصہ کلام، فصلِ دوم میں قرآن کو سمجھنے، علمی مطالعہ کے طریقوں سے استفادہ کرنے اور "تدبیر المنزل" کے اصولوں کو لاگو کرنے کی ایک جامع تحقیق فراہم کیا گیا ہے۔ اس فصل میں بین المذاہب شادیوں، سماجی امن،

دیگر مذہبی برادریوں کے ساتھ رفاقت، اجتماعی ضمیر، اصلاح کی راہ میں رکاوٹ بننے والے اعمال کی ممانعت، اور مسلمانوں کے درمیان مثبت تعلقات کو فروغ دینے جیسے موضوعات پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔

فصلِ سوم قرآن کو سمجھنے اور اس کے اصولوں کو سیاسی سیاق و سباق پر لاگو کرنے کے لیے علمی مطالعات میں مشغول ہونے پر مرکوز ہے۔ اس باب میں سیاست کے مختلف پہلوؤں کو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں دریافت کیا گیا ہے، جس میں مسلمانوں کی زندگیوں کی رہنمائی کرنے والے بنیادی اصولوں اور قواعد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

زیر بحث کلیدی موضوعات میں سے ایک عدل و انصاف پر مبنی نظام کا قیام ہے۔ اس باب میں ایسے سیاسی ڈھانچے کی تشکیل کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے جو انصاف کے اصولوں کو برقرار رکھتے ہوئے معاشرے کے تمام افراد کے ساتھ مساوی سلوک کو یقینی بنائے۔

عالمی سطح پر امت مسلمہ کی قیادت کا راز ایک اور مرکزی موضوع ہے۔ متن میں ان اصولوں اور اقدار کی روشنی ڈالی گئی ہے جو دنیا بھر میں مسلم کمیونٹی کے قائدانہ کردار میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، ان خصوصیات کے بارے میں بصیرت پیش کرتے ہیں جو امت کے اثرات کو بلند کرتی ہیں۔

اس فصل میں ملک اور قوموں کی سلامتی کا جائزہ لیا گیا ہے جس میں امن و استحکام کو برقرار رکھنے کے لیے قرآنی نقطہ نظر پر توجہ دی گئی ہے۔ متن میں ان اصولوں پر بحث کی گئی ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی قوم اور اس کے لوگوں کی سلامتی میں معاون ہیں۔

دار الاسلام اور دار الحرب کے درمیان فرق کا جائزہ لیا گیا ہے، جو اسلام کے ساتھ ان کے تعلق کی بنیاد پر علاقوں کی درجہ بندی کے بارے میں قرآنی تناظر میں بصیرت فراہم کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اس فصل میں ایک اہم موضوع ہے، جس میں مسلم کمیونٹی کے سیاسی اور قانونی معاملات میں خدا کے حتمی اختیار و حاکمیت پر زور دیا گیا ہے۔ اسلامی اصولوں کے دائرہ کار میں قومی شناخت اور عزت کے تصور کو تلاش کرتے ہوئے ملک کی مخصوص علامت اور اس کی عزت (و کرم) پر بحث کی گئی ہے۔ جزیہ قانون اور اس کے مقاصد کو واضح کیا گیا ہے، جو اسلامی حکومت میں ٹیکس کے نظام اور اس کے بنیادی اصولوں کی تفہیم فراہم کرتا ہے۔ اہل کتاب کے ساتھ لڑائی کے اسباب اور حالات کا جائزہ لیا گیا ہے، جن حالات میں تنازعہ پیدا ہو سکتا ہے اور ان حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے جو غیر مسلم برادریوں کے ساتھ تعامل کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اس فصل میں زکوٰۃ کے نظام پر بحث کی گئی ہے، جس میں اسلامی صدقہ اور دولت کی تقسیم کے نظام کے اصول و مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔

باب چہارم: (تبیان القرآن، ہدایت القرآن، تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن) کے مشمولات کی روشنی میں سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبہ میں مذکورہ تین عنوانات کے اطلاق و تطبیق کا تقابلی مطالعہ

فصل اول: تبیان القرآن، ہدایت القرآن، تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن میں تہذیب الاخلاق کے اطلاق و تطبیق کا تقابلی مطالعہ

فصل دوم: تبیان القرآن، ہدایت القرآن، تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن میں تدبیرِ منزل کے اطلاق و تطبیق کا تقابلی مطالعہ

فصل سوم: تبیان القرآن، ہدایت القرآن، تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن میں سیاستِ مدنیہ کے اطلاق و تطبیق کا تقابلی مطالعہ

خلاصہ باب

فصل اول: تبیان القرآن، ہدایت القرآن، تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن میں تہذیب الاخلاق کے اطلاق و تطبیق کا تقابلی مطالعہ

سب سے پہلے علامہ غلام رسول سیدی کی تصنیف "تبیان القرآن" میں تہذیب الاخلاق کا اطلاق قرآن کی تفسیر میں بہت گہرا ہے۔ سعیدی قرآن کی اخلاقی تعلیمات پر زور دیتے ہیں اور اخلاقی اصولوں کی روشنی میں ان کی وضاحت کرتے ہیں، جس کا مقصد قارئین کو اچھے اخلاق اور حسن سلوک کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ ان کی تفسیر اخلاقیات سے متعلق قرآنی آیات کی وسیع وضاحت فراہم کرتی ہے، جو قارئین کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں اخلاقی اقدار کو برقرار رکھنے کی تلقین کرتی ہے۔

دوسری طرف، مولانا سعید احمد پالن پوری کی "ہدایت القرآن" میں، تہذیب الاخلاق پر بھی زور دیا گیا ہے، اگرچہ ایک مختلف نقطہ نظر کے ساتھ۔ پالن پوری قرآن میں پائی جانے والی اخلاقی تعلیمات کے عملی اطلاق پر توجہ مرکوز کرتا ہے، جس میں بصیرت پیش کی جاتی ہے کہ لوگ ان تعلیمات کو اپنی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں کیسے نافذ کر سکتے ہیں۔ ان کی تفسیر میں اخلاقی نشوونما اور کردار سازی کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے جو اسلامی عمل کے لازمی اجزاء ہیں۔

سید ابو الاعلی مودودی کی تصنیف "تفہیم القرآن" میں تہذیب الاخلاق کے اطلاق کو قرآن کی مجموعی تفہیم میں شامل کیا گیا ہے۔ مودودی کی تفسیر قرآن کی اخلاقی جہتوں کو سمجھنے کے لیے ایک جامع فریم ورک فراہم کرنے کی کوشش کرتی ہے، اسلامی قانون اور معاشرے کے وسیع تناظر میں اس کی تعلیمات کے اخلاقی مضمرات کو تلاش کرتی ہے۔ وہ انفرادی رویے اور معاشرتی اصولوں کی تشکیل میں اخلاقیات کے کردار پر زور دیتے ہیں، جس کا مقصد قارئین کے درمیان اسلامی اخلاقیات کی گہری سمجھ کو فروغ دینا ہے۔

آخر میں، سید محمد قطب کے "فی ظلال القرآن" میں، تہذیب الاخلاق کے اطلاق کو زیادہ انقلابی نقطہ نظر سے دیکھا گیا ہے۔ قطب کی تفسیر معاصر اخلاقی انحطاط اور معاشرتی ناانصافیوں پر تنقید کرتی ہے، جو قرآن میں بیان کیے گئے اخلاقی اصولوں کی طرف واپسی کا مطالبہ کرتی ہے۔ اس کی تشریح جابرانہ نظاموں کو چیلنج کرنے اور سماجی انصاف کو فروغ دینے میں قرآنی تعلیمات کی تبدیلی کی طاقت پر زور دیتی ہے، جو کہ اخلاقی اصلاح کے لیے زیادہ سرگرم عمل کی عکاسی کرتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جب کہ مذکور تمام مفسرین قرآن کی تفسیر میں تہذیب الاخلاق کی اہمیت پر زور دیتے ہیں، وہ

اپنے نقطہ نظر اور تاکید میں مختلف ہیں۔ سیدی اخلاقی اصولوں کی وضاحت پر توجہ مرکوز کرتے ہیں، پالن پوری عملی استعمال پر زور دیتے ہیں، مودودی اخلاقیات کو مجموعی تفہیم میں ضم کرتے ہیں، اور قطب اخلاقی اصلاح کے لیے انقلابی موقف اپناتا ہے۔ ہر تفسیر قرآن کی اخلاقی تعلیمات کے بارے میں قیمتی بصیرت پیش کرتی ہے، مختلف قارئین اور سیاق وسباق کو پورا کرتی ہے۔

بہر حال ذیل میں مذکورہ چاروں تفاسیر میں سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبہ کی روشنی میں تہذیب الاخلاق کے متعلق مختلف اقتباسات، مثالیں اور نمونے پیش خدمت ہیں:

پہلا حکم: ایفائے عہد

سورۃ المائدۃ کی شروع آیت میں تہذیب الاخلاق میں سے ایفائے عہد کا حکم دیا گیا ہے۔ ان چاروں تفاسیر (تبیان القرآن، ہدایت القرآن، تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن) میں ایک بات مشترک یہ ہے کہ ان تفاسیر میں لفظِ عقود کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کی ہے تاہم تفہیم القرآن میں یہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے اور انہوں نے لفظ عقود کی لغوی اور اصطلاحی مفاہیم بیان نہیں کی ہیں۔ ذیل میں باقی تینوں تفاسیر کے اقتباسات ملاحظہ ہو:

تفسیر تبیان القرآن میں علامہ غلام رسول سعیدی لفظ عقود کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عقود عقد کی جمع ہے۔ عقد کا معنی ہے کسی چیز کی پختگی اور مضبوطی کے ساتھ دوسری چیز کے ساتھ واصل کرنا یا ایک چیز کی دوسری چیز کے ساتھ گرہ باندھنا۔ عہد کا معنی ہے کسی چیز کو لازم کرنا اور عقد کا معنی ہے پختگی کے ساتھ کسی چیز کا التزام کرنا یعنی اس لزوم کا ماننا اور عقود سے مراد عھود ہیں جو اللہ تعالیٰ اور بندو کے درمیان کیے گئے یا وہ عہود ہیں جو بندوں نے آپس میں عقد بیع اور عقد نکاح وغیرہ کے ساتھ کئے یا جو لوگ ایک دوسرے کا ساتھ دینے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کے عہد کیے یا جس چیز پر حلف اٹھا کر عہد کیا۔"[1]

تفسیر ہدایت القرآن مولانا سعید احمد پالن پوری فرماتے ہیں:

"عقود: عقد کی جمع ہے، عقد کے معنی ہیں: "باندھنا"، ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ گرہ لگا کر مضبوط باندھا، اس کا ترجمہ عہد و پیمان اور قول و اقرار کیا جاتا ہے، اس میں تمام تکالیفِ شرعیہ اور احکامِ دینیہ آجاتے ہیں جن کی تعمیل بندوں کے لیے ضروری ہے، نیز امانات اور معاملات کے جملہ

[1] سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن، ج:3، ص:34

عہد وپیمان بھی اس میں شامل ہیں، جن کا پورا کرنا شرعاً اور اخلاقاً ضروری ہے۔"[1]

فی ظلال القرآن میں عقود کا مفہوم اور اس کی وسعت بیان کرتے ہوئے سید قطب رقم طراز ہیں:

"لفظ عقود اور عقد کا مفہوم اس لغوم سے بہت ہی وسیع ہے جو اس لفظ کے سنتے ہی ذہن میں آجاتا ہے بلکہ اس سے مراد وہ تمام ضابطہ حیات ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ انسان کے لیے اللہ نے جو ضابطہ حیات مقرر فرمایا ہے اس کی اساس ایمان باللہ اور اس معرفت پر ہے کہ اللہ کی الوہیت کا مفہوم کیا ہے اور اللہ کی الوہیت، حاکمیت اور معبودیت کے تقاضے کیا ہیں؟ یہ عقد اس ایمان اور تصور حاکمیت الہیہ سے پھوٹتا ہے اور زندگی کے تمام ضوابط اس ایمان اور عقیدہ اور پابندی عقود پر استوار ہوتے ہیں۔"[2]

ان چار تفاسیر میں سے علامہ غلام رسول سعیدی چونکہ ہر مسئلہ میں متقدمین ائمہ تفاسیر سے کثرت سے اقوال وغیرہ نقل کرتے ہیں جب کہ ان کے مقابلے میں ہدایت القرآن، تفہیم القرآن، فی ظلال القرآن میں اس چیز کا اہتمام اتنا زیادہ نہیں اس لیے یہاں پر بھی علامہ غلام سعیدی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن زیدؒ، زید بن اسلمؒ، امام مجاہدؒ اور قتادہ کے اقوال نقل کرکے لفظ عقود کا مفہوم سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

دوسرا حکم: اللہ تعالیٰ کا عہد ومیثاق

سورۃ المائدۃ کی ساتویں آیت میں "مِيْثَاقَهُ الَّذِىْ وَاثَقَكُمْ بِه"[3] آیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا عہد ومیثاق، اس کے متعلق سید ابوالاعلی مودودی نے کوئی بحث نہیں کیا جب کہ باقی تینوں مفسرین اس عہد ومیثاق کی مصداق واضح کرنے کی کوشش کی ہیں۔

تفسیر تبیان القرآن میں اس عہد وپیمان سے مراد وہ وعدے لیے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیعت کرتے ہوئے تھے۔[4] تفسیر ہدایت القرآن میں مولانا سعید بن احمد پالن پوری سے اللہ تعالیٰ کے حقوق مراد لیے ہیں جو بندے کے ذمہ لازم ہوتی ہیں اور اس کے متعلق سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ والی روایت بھی نقل کی ہے۔[5] تفسیر فی ظلال

---

[1] پالن پوری، سعید احمد، ہدایت القرآن، ج:2، ص:210

[2] سید محمد قطب شہید، فی ظلال القرآن، ج:2، ص:410-411

[3] سورۃ المائدۃ 07:05

[4] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:116

[5] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:236-237

القرآن میں اس سے مراد وہ عہد وپیمان لیا گیا ہے جو براہ راست اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان ہوا تھا۔[1]

تیسرا حکم: یہود کے عہد وپیمان کا حال

سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر 12-13 میں یہود کے عہد وپیمان کا حال بیان ہوا ہے۔ ان آیات کی تفسیر میں ان چار تفاسیر میں یہود کی عہد شکنی کا حال بیان کیا گیا ہے البتہ علامہ غلام رسول سعیدی نے تبیان القرآن میں یہود کی عہد شکنی اور ان کی مذمت مختلف مفسرین کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

علامہ سعید احمد پالن پوری نے زمانہ قدیم اور زمانہ رسول دونوں میں یہود کی عہد شکنی پر مذمت بیان کی ہے۔

"اور تورات میں عہد وپیمان کی پاسداری کے سلسلہ میں ان کو جو نصیحتیں کی گئی تھی ان کا بڑا حصہ انہوں نے بھلا دیا، وہ نصیحتیں اب بھی تورات میں ہیں، مگر وہ اس کا کچھ خیال نہیں کرتے، یہ بھول جانا ہے۔ یہود کی دھوکہ دہی اب بھی جاری ہے۔ یہود نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بھی برابر خیانتیں کرتے رہتے تھے۔ دھوکہ دہی کو کائی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ ہر دن ان کی نئی خیانت سامنے آتی تھی، البتہ چند نیک فطرت یہودی مستثنیٰ ہیں جو یامان لے آئے تھے۔ ان دغابازوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟ آخر میں نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ جب بھی ان کی کوئی خیانت سامنے آئے تو ان سے درگزر کریں، ان کو معاف کریں۔ الڑھ جانور کے ساتھ نرمی بہتر ہے اور ظالم کو معاف کرنا اچھا کام ہے اور اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔"[2]

تفسیر تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن میں بھی ان آیات کی ذیل میں یہود کی عہد شکنی کا رونا رویا گیا ہے۔ فی ظلال القرآن میں سید محمد قطب لکھتے ہیں:

"آپ ﷺ کو بتایا جاتا ہے کہ مدینہ کے اسلامی معاشرے میں یہودیوں کے حالات کیا ہیں۔ وہ ہمیشہ خائن رہیں گے اور نبی ﷺ کے ساتھ خیانت سے کبھی بھی باز نہ آئیں گے۔ وہ بارہا عملا خیانت کا ارتکاب کرتے رہے۔ جب تک وہ مدینہ میں رہے وہ آئے دن کچھ نہ کچھ کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ جزیرۃ العرب میں جب تک رہے ان کی سازشیں جاری رہیں۔ اور اس کے بعد پوری تاریخ میں اسلامی معاشرہ کے ساتھ یہودی اسی خیانت پر گامزن رہے"[3]

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:442

[2] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:242

[3] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:457

چوتھا حکم: نصاریٰ کے عہد و پیمان کا حال

سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر 14 میں نصاریٰ کے عہد و پیمان کا حال بیان ہوا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ سَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ"[1]

"اور جن لوگوں نے کہا تھا کہ ہم نصرانی ہیں، ان سے (بھی) ہم نے عہد لیا تھا، پھر جس چیز کی ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک بڑا حصہ وہ (بھی) بھلا بیٹھے۔ چنانچہ ہم نے ان کے درمیان قیامت کے دن تک کے لیے دشمنی اور بغض پیدا کر دیا اور اللہ انہیں عنقریب بتادے گا کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔"

اس آیت کی تفسیر میں نصاریٰ کے جس وعدہ کا تذکرہ ہے اس سے مراد علامہ غلام احمد سعیدی اور مولنا سعید احمد پالن پوری نے نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کا خاص وعدہ مراد لیا ہے جب کہ فی ظلال القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں سید محمد قطب نے نصاریٰ کی عہد شکنی کا تذکرہ کیا ہے البتہ انہوں نے اس آیت میں مذکور عہد سے عام وعدے مراد لیے جو زمانہ سے لے کر نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے تک تمام وعدوں کو شامل ہے، وہ لکھتے ہیں:

"انہوں نے اپنے اللہ کے ساتھ کئے ہوئے اس عہد کو کھلے بندوں توڑ دیا۔ انہوں نے اپنے نبیوں کو ناجائز طور پر قتل کیا۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل اور سزائے موت دلوانے کی سازش کی حالانکہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ان کے انبیاء میں سے آخری نبی تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب توراۃ میں تحریف کی۔ انہوں نے اپنی شریعتوں کو بھلا دیا اور کسی بھی شریعت کو نافذ نہ کیا۔ انہوں نے نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی بابت نہایت ہی مکارانہ، معاندانہ اور غیر شریفانہ موقف اختیار کیا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیانت کی اور حضور ﷺ کے ساتھ کئے ہوئے معاہدوں کی خلاف ورزی کی اس لئے وہ اللہ کی ہدایت سے نکل گئے، ان کے دل سخت ہو گئے اور وہ اس قابل ہی نہ رہے کہ وہ ہدایت قبول کر سکیں۔"[2]

اس آیت کی تفسیر میں صرف تفسیر فی ظلال القرآن میں امتِ مسلمہ کی حالتِ زار کا رونا رویا ہے وہ لکھتے ہیں:

---

[1] سورۃ المائدۃ 14:05

[2] سید محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:450-451

"اگر یہ امت اپنے قرآن سے مشورہ کرتی رہے، قرآن کی ہدایات پر کان دھرے اور اپنی زندگی میں قرآنی اصولوں اور قوانین کو عملانافذ کرے تو اس کے دشمن کبھی بھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں لیکن جب امت مسلمہ نے خود اپنے اس عہد کو توڑ دیا جو اس نے اپنے رب کے ساتھ کیا تھا اور جب اس نے قرآن کریم کو پس پشت ڈال دیا تو اسے اس صورت حال سے دوچار ہونا پڑا جس میں وہ بالفعل ہے، اگرچہ یہ امت قرآن کریم کو نہایت ہی ترنم اور وجد انگیز انداز میں پڑھتی ہے۔ اس سے تعویذ اور گنڈے بھی بناتی ہے اور اسے دم اور جھاڑ کے لئے استعمال بھی کرتی ہے۔"[1]

پانچواں حکم: اللہ تعالیٰ کی طرف بخل کی نسبت

سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر 64 میں یہود کی اللہ جل شانہ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کا بیان ہے جس کے متعلق چاروں تفاسیر میں یہود کی مذمت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق " يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ "[2] کی نسبت کی ہے۔

تبیان القرآن میں علامہ غلام رسول سعیدی نے معجم طبرانی کے حوالے اس آیت کا شان نزول بھی بیان کیا ہے روایت درج ذیل ہے:

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہود میں سے ایک شخص نباش بن قیس تھا۔ اس نے کہا آپ کا رب بخیل ہے، خرچ نہیں کرتا۔ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی اور یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔"[3]

اس کے بعد اس قول کا مطلب واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان کا یہ مقصد نہیں تھا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ لیکن ان کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالی نے ان پر رزق کے ذرائع بند کر دیتے ہیں، اللہ تعالی نے ان کے اس افتراء کا رد کرتے ہوئے فرمایا: خود ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔"[4]

---

[1] ایضاً

[2] سورۃ المائدۃ 64:05

[3] طبرانی، المعجم الکبیر (بیروت: دار احیائ التراث العربی) ج:12، حدیث نمبر: 14497

[4] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:237-238

باقی تفاسیر میں شان نزول کا واقعہ مذکورہ نہیں ہے۔ البتہ سعید احمد پالن پوری نے اس کا پس منظر یوں بیان کیا ہے:

"مدینہ کے یہودی معاشی اعتبار سے بہت مضبوط تھے، ان کے پاس کھیت، باغات اور تجارت تھی اور مدینہ کے مشرکین ان کے دست نگر تھے۔ ان سے سود پر قرض لیتے تھے جو یہود کی مستقل آمدنی تھی، جب نبی ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سختیوں میں مبتلا کیا۔ ان کی آمدنی گھٹنے لگی۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ پر ردّہ رکھا اور کہا: اللہ تعالیٰ بخیل ہو گئے ہیں۔ اس لیے ہم پر ان کے افضال کم ہو گئے ہیں! ایسے نالائق جو بے عیب اللہ تعالیٰ میں بھی عیب نکالیں و مسلمانوں کو کیا بخشیں گے؟ ان کے کمالات کا مذاق اڑائیں تو کیا بعید ہے؟"[1]

تفسیر فی ظلال القرآن میں بھی تقریباً اس کے قریب قریب پس منظر بیان کیا گیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"یہودیوں کی بے ادبی کو واضح کرتے ہیں سید محمد قطب رقم طراز ہیں: یہ یہودیوں کا اللہ کا بارے میں نہایت ہی برا تصور تھا۔ ان کی بہت ہی بدظنیاں قرآن نے جگہ جگہ نقل کی ہیں۔ ایک جگہ انہوں نے کہا "اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔" اور یہ انہوں نے اس وقت کیا کہ جب ان سے اسلامی مقاصد کے لئے چندہ مانگا گیا۔ اللہ کے ہاتھ بندھے ہونے سے عربی محاورے کے مطابق مراد یہ تھی کہ اللہ بخیل ہے۔ ان کے خیال کے مطابق اللہ لوگوں کو بہت کم ضروریات دیتا ہے۔ انہیں بھی کم دیا جاتا ہے اس لئے وہ کس طرح خرچ کریں،؟ ان کا شعور اس قدر بگڑ گیا تھا اور ان کے دل اس قدر سخت ہو گئے تھے کہ انہوں نے اللہ جل شانہ کے لئے لفظ بخیل بھی استعمال نہ کیا، بلکہ اس سے بھی برا لفظ استعمال کیا جو زیادہ توہین آمیز ہے۔ یعنی اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔"[2]

تفہیم القرآن میں یہود کے اس قول کا بہترین انداز میں وضاحت کیا گیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"عربی محاورے کے مطابق کسی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بخیل ہے، عطا اور بخشش سے اس کا ہاتھ رکا ہوا ہے۔ پس یہودیوں کے اس قول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ واقعی اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ بخیل ہے۔ چونکہ صدیوں سے یہودی

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:305

[2] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:594

قوم ذلت و نکبت کی حالت میں مبتلا تھی اور اس کی گزشتہ عظمت محض ایک افسانہ پارینہ بن کر رہ گئی تھی جس کے پھر واپس آنے کا کوئی امکان انہیں نظر نہ آتا تھا، اس لیے بالعموم اپنے قومی مصائب پر ماتم کرتے ہوئے اس قوم کے نادان لوگ یہ بیہودہ فقرہ کہا کرتے تھے کہ معاذ اللہ خدا تو بخیل ہو گیا ہے، اس کے خزانے کا منہ بند ہے، ہمیں دینے کے لیے اس کے پاس آفات اور مصائب کے سوا اور کچھ نہیں رہا۔ یہ بات کچھ یہودیوں تک ہی محدود نہیں، دوسری قوموں کے جہلاء کا بھی یہی حال ہے کہ جب ان پر کوئی سخت وقت آتا ہے تو خدا کی طرف رجوع کرنے کے بجائے وہ جل جل کر اس قسم کی گستاخانہ باتیں کیا کرتے ہیں۔"[1]

سورۃ التوبہ میں پہلا حکم: مشرکین کے عہد وپیمان کا حال

سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات میں مشرکین کے عہد وپیمان کا حال بیان ہوا ہے۔ اس سورت کی تفسیر میں چاروں مفسرین نے اس عہد کی تعیین کی ہے اور چاروں مفسرین میں سے سوائے تفہیم القرآن (کہ اس میں یہ تفصیلات نہیں ہے) تینوں مفسرین اس پر متفق ہیں کہ فتح مکہ پر چھڑائی کی اصل وجہ اور سبب بنو بکر کا بنو خزاعہ پر حملہ اور مشرکین مکہ کا صلح حدیبیہ والے معاہدے کو توڑ کر ان کی جانی ومالی تعاون ہے۔

تفسیر تبیان القرآن میں ہے:

"سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے دو ٹوک الفاظ میں مشرکین سے مسلمانوں کے کئے ہوئے معاہدہ کو فسخ کرنے کا اعلان فرما دیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ 6ھ میں مسلمانوں نے مشرکین سے حدیبیہ میں صلح کی تھی۔ پھر 9ھ میں بنو ضمرہ اور بنو کنانہ کے سوا سب نے عہد شکنی کی، تب مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ مشرکین سے کئے ہوئے معاہدہ سے بری الذمہ ہو جائے۔"[2]

تفسیر تبیان القرآن میں علامہ سعید احمد پالن پوری لکھتے ہیں:

"اس معاہدہ کی بائیسویں مہینے میں بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کیا اور قریش نے سپاہیوں اور اسلحہ کے بنو بکر کا تعاون کر کے معاہدہ کو توڑ دیا۔ بنو خزاعہ نے نبی ﷺ کو شکایت کی تو آپ نے خفیہ

[1] مودودی، تفہیم القرآن، ج:1، ص:485

[2] سعیدی، تبیان القرآن، ج:5، ص:49

جنگی تیاری شروع کی اور ہجرت کے آٹھویں سال رمضان المبارک میں بھاری جمعیت لے کر مکہ مکرمہ فتح کرلیا اور مکہ اور اطرافِ مکہ میں بسنے والوے سبھی غیر مسلموں کو جان ومال کا امان دے دیا۔"[1]

سید محمد قطب تفسیر فی ظلال القرآن میں رقم طراز ہیں:

"بنو خزاعہ نے آپ کے ساتھ عہد کیا اور بنو بکر نے قریش کے ساتھ عہد کیا۔ اور اس کے بعد قریش نے بنو بکر کی حمایت کرتے ہوئے خزاعہ پر حملہ کر دیا اور اس طرح نقض عہد کے مستحق قرار پائے۔ اور اس نقض عہد کی وجہ سے مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان دوبارہ حالت جنگ عود کر آئی۔ اس کے نتیجے میں مکہ فتح ہوا۔"[2]

دوسرا حکم: منافقین کی عہد شکنی کا حال

سورۃ التوبہ درج ذیل آیت میں منافقین کی عہد شکنی کی حالت بیان کی گئی ہے:

" وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِه لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِه بَخِلُوْا بِه وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ"[3]

"ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اس نے اپنے فضل سے ہم کو نوازا تو ہم خیرات کریں گے اور صالح بن کر رہیں گے۔ مگر جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دولت مند کر دیا تو وہ بخل پر اتر آئے اور اپنے عہد سے ایسے پھرے کہ انہیں اس کی پرواتک نہیں ہے"

اس کی آیت کی تفسیر میں ہدایت القرآن میں ایک منافق ثعلبہ بن ابی حاطب انصاری کو واقعہ نقل کر کے اس کو اس آیت کا شان نزول قرار دیا گیا ہے واقعہ یوں ہے:

"ایک شخص ثعلبہ نے رسولِ کریم ﷺ سے درخواست کی کہ اس کے لئے مالدار ہونے کی دعا فرمائیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے ثعلبہ تھوڑا مال جس کا تو شکر ادا کرے اس بہت سے

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:222-227

[2] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:3، ص:418

[3] سورۃ التوبہ 75:09

بہتر ہے جس کا شکر ادا نہ کر سکے۔ دوبارہ پھر ثعلبہ نے حاضر ہو کر یہی درخواست کی اور کہا اسی کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا کہ اگر وہ مجھے مال دے گا تو میں ہر حق والے کا حق ادا کروں گا حضورِ اقدس ﷺ نے دعا فرمائی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بکریوں میں برکت فرمائی اور اتنی بڑھیں کہ مدینہ میں ان کی گنجائش نہ ہوئی تو ثعلبہ ان کو لے کر جنگل میں چلا گیا اور جمعہ و جماعت کی حاضری سے بھی محروم ہو گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کا حال دریافت فرمایا تو صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم نے عرض کیا کہ اس کا مال بہت کثیر ہو گیا ہے اور اب جنگل میں بھی اس کے مال کی گنجائش نہ رہی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ثعلبہ پر افسوس پھر جب حضورِ اقدس ﷺ نے زکوٰۃ کے وصول کرنے والے بھیجے تو لوگوں نے انہیں اپنے اپنے صدقات دیئے، جب ثعلبہ سے جا کر انہوں نے صدقہ مانگا اس نے کہا یہ تو ٹیکس ہو گیا، جاؤ میں پہلے سوچ لوں۔ جب یہ لوگ رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں واپس آئے تو آپ ﷺ نے ان کے کچھ عرض کرنے سے قبل دو مرتبہ فرمایا، ثعلبہ پر افسوس۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی پھر ثعلبہ صدقہ لے کر حاضر ہوا تو سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے قبول فرمانے کی ممانعت فرمادی، وہ اپنے سر پر خاک ڈال کر واپس ہوا۔ پھر اس صدقہ کو خلافت صدیقی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا انہوں نے بھی اسے قبول نہ فرمایا۔ پھر خلافت فاروقی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا انہوں نے بھی قبول نہ فرمایا اور خلافتِ عثمانی میں یہ شخص ہلاک ہو گیا۔"[1]

جب کہ علامہ غلام رسول سعیدی نے یہاں پر وضاحت کیا ہے کہ بہت سارے مفسرین نے یہاں پر غلطی کر دی ہے کہ انہوں نے یہ واقعہ ثعلبہ بن حاطب کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ یہ بدری صحابی ہے اور پھر انہوں نے متعدد مفسرین کے حوالے سے اس واقعے کی تحقیق کی ہے۔ انہوں نے کئی اعتبار سے اس واقعے کا کمزور اور بے اصل ہونا ثابت کیا ہے اور آخر میں لکھتے ہیں کہ:

"ان آیات کا صحیح مصداق یہ ہے کہ کچھ منافقوں نے یہ قسم کھائی تھی کہ اگر اللہ نے انہیں مال دیا تو وہ ضرور زکوٰۃ ادا کریں گے۔ پھر جب اللہ نے انہیں مال دیا تو انہوں نے بخل کیا اور زکوٰۃ نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی سزمین ان کے دلوں میں تاحیات نفاق کو پختہ کر دیا۔ وہ منافق کون تھا؟ امام ابن مردویہ کی تفسیر کے مطابق جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:337

ثعلبہ بن ابی حاطب تھے یا وہ بنو عمرو بن عوف کا ایک شخص تھا، اس کا شام میں مال تھا۔ ایک بار اس مال کے پہنچنے میں دیر ہو گئی اور اس نے بہت تنگی اٹھائی تب اس نے قسم کھائی کہ اگر اللہ نے اپنے فضل سے اس کو وہ مال عطا کر دیا تو ضرور صدقہ کرے گا اور نماز پڑھے گا پھر جب اس کے پاس اس کا مال آ گیا تو اس نے بخل کیا اور اپنی قسم پوری نہیں کی۔"[1]

ان دونوں مفسرین کے مقابلے میں سید محمد قطب نے فی ظلال القرآن اور سید ابو الاعلی مودودی نے عمومی طور پر منافقین کی عہد شکنی کا تذکرہ کیا ہے اور ان آیات کو کسی خاص واقعہ کے ساتھ نہیں جوڑا۔ تفسیر فی ظلال القرآن میں ہے:

"منافقین میں سے بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے اللہ کے ساتھ یہ عہد کر رکھا تھا کہ اگر اللہ نے ان کو مال و دولت سے نوازا تو وہ راہ خدا میں خوب خرچ کریں گے اور اچھے اعمال کریں گے۔ لیکن یہ عہد فقر و فاقہ کے حالات میں تھا۔ اور اس وقت تھا جب کچھ ملنے کی امید تھی لیکن جب اللہ نے ان کی آرزو کو پورا کر دیا تو یہ لوگ اپنے وعدوں کو بھول گے۔ ان لوگوں نے بخل اور کنجوسی کو اپنا لیا اور ہاتھ روک لیا۔ بلکہ وفائے عہد سے سرکشی کرنے لگا گویا اس نے کوئی عہد کیا ہی نہیں ہے۔ چناچہ وعدہ خلافی اور پھر جھوٹ کی وجہ سے اللہ نے ایسے لوگوں کے دلوں میں نفاق کو اچھی طرح بٹھا دیا۔ یہ لوگ آخر تک منافق رہے اور برے انجام تک پہنچے۔"[2]

تفسیر تفہیم القرآن میں ہے:

"اوپر کی آیت میں ان منافقین کی جس کافر نعمتی و محسن کشی پر ملامت کی گئی تھی اس کا ایک اور ثبوت خود انہی کی زندگیوں سے پیش کر کے یہاں واضح کیا گیا ہے کہ دراصل یہ لوگ عادی مجرم ہیں، ان کے ضابطہ اخلاق میں شکر، اعتراف نعمت، اور پاس عہد جیسی خوبیوں کا کہیں نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔[3]

---

[1]سعیدی، تبیان القرآن، ج:5، ص:209

[2]محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:3، ص:602

[3]مودودی، تفہیم القرآن، ج:2، ص:218

تیسرا حکم: زکوۃ کی حکمت و مصلحت

"اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِى الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ"[1]

"صدقات تو دراصل حق ہے فقیروں کا، مسکینوں کا اور ان اہلکاروں کا جو صدقات کی وصولی پر مقرر ہوتے ہیں۔ اور ان کا جن کی دلداری مقصود ہے۔ نیز انہیں غلاموں کو آزاد کرنے میں اور قرض داروں کے قرضے ادا کرنے میں اور اللہ کے راستے میں اور مسافروں کی مدد میں خرچ کیا جائے۔ یہ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔"

اس آیت کی تفسیر میں چاروں تفاسیر میں مصارف زکوۃ کی کما حقہ تفاصیل ذکر کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ علامہ غلام رسول سعیدی نے زکوۃ کی چھ حکمتیں اور مصلحتیں ذکر کی ہیں جب کہ تفسیر ہدایت القرآن میں صدقات میں نیکی کے تین پہلوؤں کا تذکرہ کیا ہے۔

فی ظلال القران میں یہ حکمتیں اور مصلحتیں تو بیان نہیں کی گئیں البتہ انہوں نے یہاں پر منافقین کے اعتراض کا جواب دیا ہے اور زکوۃ کی اہمیت اُجاگر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"اللہ اور رسول اللہ کی بارگاہ کے لائق آداب کے بیان کے بعد یعنی، مکمل اطاعت، مکمل تسلیم و رضا اور مکمل سپردگی کے بیان کے بعد یہ بتایا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ کرتے ہیں وہ خود اپنی مرضی سے نہیں کرتے۔ وہ امر اللہ سے ہر کام کرتے ہیں۔ اللہ کے احکام بابت تقسیم صدقات یہ ہیں اور رسول ان احکام کی پیروی کرتے ہیں اور یہ احکام رب العالمین کی طرف سے ہیں یعنی صدقات اور زکوۃ ایک فریضہ ہے جو اغنیاء سے لیا جاتا ہے اور یہ بھی فرض ہے کہ اسے فقراء میں تقسیم کیا جائے۔ اس کی تقسیم چند قسم کے لوگوں کے درمیان کی جاتی ہے۔ کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی صوابدید پر اسے تقسیم کرے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ بھی اسے ان مدات کے علاوہ اپنی صوابدید سے تقسیم نہیں کرسکتے۔

اس آیت کے ذریعے اسلامی شریعت میں زکوۃ کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔ اب زکوۃ محض نفلی صدقہ اور رضاکارانہ چندہ نہیں رہی۔ اب یہ حتمی فریضہ اور واجبی ٹیکس ہے۔ نیز زکوۃ کے تقسیم کنندہ گان کی جانب سے بھی یہ کوئی عطیہ تصور نہ ہوگا نہ دینے والوں کی جانب سے عطیہ ہوگا بلکہ

---

[1] سورۃ التوبہ 60:09

معلوم فریضہ ہو گا۔ اسلامی حکومت کا یہ ایک اہم مالی فریضہ ہے۔ اس کی وصولی کا ایک نظام ہو گا اور تقسیم کا بھی ایک ضابطہ جاری ہو گیا ہے۔ غرض زکوۃ دینے والوں پر فریضہ ہے اور لینے والوں کے لیے ان کا حق ہے۔ یہ خیرات اور سوال نہیں ہے کیونکہ اسلام یہ اجازت نہیں دیتا کہ کوئی زکوۃ گداگری کے تصور سے وصول کرے۔"[1]

اس آیت کی تفسیر میں علامہ مودودی نے تفہیم القرآن میں صرف مصارف زکوۃ کی وضاحت پر اکتفاء کیا ہے۔

مشترکات:

اخلاقی اصولوں کی اہمیت:

تبیان القرآن: علامہ غلام رسول سعیدی قرآن کی اخلاقی تعلیمات پر زور دیتے ہیں۔

ہدایت القرآن: مولانا سعید احمد پالن پوری بھی اخلاقی تعلیمات کے عملی اطلاق پر توجہ دیتے ہیں۔

تفہیم القرآن: سید ابو الاعلی مودودی قرآن کی اخلاقی جہتوں کو سمجھنے کے لئے جامع فریم ورک فراہم کرتے ہیں۔

فی ظلال القرآن: سید محمد قطب معاصر اخلاقی انحطاط پر تنقید کرتے ہیں اور قرآنی اصولوں کی طرف واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں۔

قرآنی اخلاقیات کی وضاحت:

سبھی تفاسیر قرآنی اخلاقیات کی وضاحت فراہم کرتی ہیں تا کہ قارئین کو ان کی عملی زندگی میں اخلاقی اقدار اپنانے کی ترغیب دی جاسکے۔

قرآنی آیات کی تشریح:

ہر مفسر نے اخلاقی اصولوں اور عہد و پیمان کے متعلق آیات کی تشریح کی ہے۔

اختلافات:

نقطہ نظر:

تبیان القرآن: علامہ غلام رسول سعیدی اصولوں کی وضاحت پر زور دیتے ہیں۔

ہدایت القرآن: مولانا سعید احمد پالن پوری عملی استعمال پر زور دیتے ہیں۔

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:3، ص:595

تفہیم القرآن: سید ابو الاعلیٰ مودودی اخلاقیات کو مجموعی تفہیم میں ضم کرتے ہیں۔

فی ظلال القرآن: سید محمد قطب اخلاقی اصلاح کے لیے انقلابی موقف اپناتے ہیں۔

لفظ "عقود" کی وضاحت:

تبیان القرآن: سعیدی لفظ "عقود" کی لغوی اور اصطلاحی تعریف میں تفصیل سے کام لیتے ہیں۔

ہدایت القرآن: پالن پوری بھی لفظ "عقود" کی وضاحت کرتے ہیں، لیکن ان کی وضاحت مختصر ہے۔

تفہیم القرآن: مودودی نے لفظ "عقود" کی لغوی اور اصطلاحی مفاہیم بیان نہیں کی۔

فی ظلال القرآن: قطب لفظ "عقود" کی وسعت بیان کرتے ہوئے اس کو وسیع معنوں میں لیتے ہیں۔

عہد وپیمان کی تشریح:

تبیان القرآن: سعیدی نے مختلف مفسرین کے حوالے سے عہد وپیمان کی تشریح کی ہے۔

ہدایت القرآن: پالن پوری عہد وپیمان کی عملی مثالیں دیتے ہیں۔

تفہیم القرآن: مودودی نے یہاں مختصر کام لیا ہے۔

فی ظلال القرآن: قطب عہد وپیمان کو انقلابی تناظر میں بیان کرتے ہیں۔

سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبۃ کے اقتباسات:

سورۃ المائدۃ:

ایفائے عہد:

تبیان القرآن: سعیدی لفظ "عقود" کی وضاحت کرتے ہوئے مختلف مفسرین کے اقوال نقل کرتے ہیں۔

ہدایت القرآن: پالن پوری عہد وپیمان کے عملی پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

تفہیم القرآن: مودودی نے مختصر انداز میں بات کی ہے۔

فی ظلال القرآن: قطب لفظ "عقود" کی وسعت بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا عہد ومیثاق:

تبیان القرآن: سعیدی نے عہد ومیثاق کی وضاحت مختلف مفسرین کے حوالے سے کی ہے۔

ہدایت القرآن: پالن پوری اللہ کے حقوق اور بندوں کے درمیان عہد کی بات کرتے ہیں۔

فی ظلال القرآن: قطب عہد ومیثاق کو براہ راست اللہ اور بندوں کے درمیان بیان کرتے ہیں۔

یہود کی عہد شکنی:

تبیان القرآن: سعیدی نے مختلف مفسرین کے حوالے سے یہود کی عہد شکنی کا ذکر کیا ہے۔

ہدایت القرآن: پالن پوری زمانہ قدیم اور زمانہ رسول دونوں میں یہود کی عہد شکنی پر مذمت کرتے ہیں۔

تفہیم القرآن: مودودی نے یہود کی عہد شکنی پر روشنی ڈالی ہے۔

فی ظلال القرآن: قطب یہود کی عہد شکنی اور ان کی سازشوں پر بات کرتے ہیں۔

نصاریٰ کے عہد و پیمان کا حال:

تبیان القرآن: سعیدی نے نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کے وعدے کی وضاحت کی ہے۔

ہدایت القرآن: پالن پوری اللہ کے حقوق اور بندوں کے درمیان عہد کی وضاحت کرتے ہیں۔

فی ظلال القرآن: قطب نصاریٰ کی عہد شکنی اور امت مسلمہ کی حالت زار کا ذکر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف بخل کی نسبت:

تبیان القرآن: سعیدی نے شان نزول بیان کیا ہے۔

ہدایت القرآن: پالن پوری نے پس منظر بیان کیا ہے۔

تفہیم القرآن: مودودی نے یہود کے قول کا بہترین انداز میں وضاحت کی ہے۔

فی ظلال القرآن: قطب یہودیوں کی بے ادبی کو واضح کرتے ہیں۔

سورۃ التوبۃ:

مشرکین کے عہد و پیمان کا حال:

چاروں مفسرین نے مشرکین کے عہد و پیمان کی تفصیل بیان کی ہے اور ان کی عہد شکنی پر روشنی ڈالی ہے۔

خلاصہ:

چاروں تفاسیر میں تہذیب الاخلاق کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے، لیکن ان کے نقطہ نظر اور تاکید میں اختلافات موجود ہیں۔ سعیدی اصولوں کی وضاحت پر توجہ مرکوز کرتے ہیں، پالن پوری عملی استعمال پر زور دیتے ہیں، مودودی اخلاقیات کو مجموعی تفہیم میں ضم کرتے ہیں، اور قطب اخلاقی اصلاح کے لیے انقلابی موقف اپناتے ہیں۔ ہر تفسیر قرآنی اخلاقیات کے بارے میں قیمتی بصیرت پیش کرتی ہے، مختلف قارئین اور سیاق وسباق کو پورا کرتی ہے۔

فصل دوم: تبیان القرآن، ہدایت القرآن، تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن میں تدبیرِ منزل کے اطلاق و تطبیق کا تقابلی مطالعہ

چار ممتاز قرآنی تفسیروں میں تدبیر منزل (خاندان یا خاندان کے انتظامی امور) کے اطلاق اور نفاذ کا تقابلی مطالعہ - علامہ غلام رسول سیدی کی کتاب میں تبیان القرآن، مولانا سعید احمد پالن پوری کی ہدایت القرآن تفہیم القرآن از سید ابو الاعلی مودودی، اور فی ظلال القرآن از سید محمد قطب-گھریلو انتظام اور خاندان سے متعلق معاملات میں قرآنی تعلیمات کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے حوالے سے ان کے متعلقہ نقطہ نظر کے بارے میں قیمتی بصیرت پیش کرتا ہے۔ معاملات

تبیان القرآن میں، سیدی نے ایک منظم اور ہم آہنگ خاندانی ڈھانچے کی اہمیت پر زور دیا ہے جو کہ معاشرتی استحکام اور انفرادی فلاح کے لیے ضروری ہے۔ وہ قرآنی آیات کا مطالعہ کرتا ہے جو خاندانی کرداروں، ذمہ داریوں اور رشتوں کو بیان کرتی ہیں، گھریلو معاملات کو حکمت اور انصاف کے ساتھ چلانے کے لیے عملی رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ سعیدی کی تفسیر مضبوط خاندانی رشتوں کو پروان چڑھانے، تنازعات کو حل کرنے اور گھریلو دائرے میں اخلاقی اقدار کو برقرار رکھنے کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔ وہ شادی، والدین، وراثت، اور گھریلو ہم آہنگی کے بارے میں قرآنی تعلیمات کو واضح کرتا ہے، اور اسلامی اصولوں کے مطابق گھر چلانے کے انتظامی پہلوؤں کے بارے میں جامع بصیرت پیش کرتا ہے۔

اسی طرح، ہدایت القرآن میں، پالن پوری گھر کے انتظامی امور کو عملی اور عملیت پسندی کی عینک سے حل کرتا ہے۔ وہ خاندانی معاملات سے متعلق قرآنی احکام کی تشریح ان کے حقیقی دنیا کے اطلاق پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے کرتا ہے، قارئین کو گھریلو مالیات کے انتظام، خاندانی تعلقات کو برقرار رکھنے، اور تنازعات کو حل کرنے کے بارے میں قابل عمل مشورے فراہم کرتا ہے۔ پالن پوری کی تفسیر خاندانی اکائی کے اندر رابطے، باہمی احترام اور ہمدردی کی اہمیت پر زور دیتی ہے، قرآنی تعلیمات کو اجاگر کرتی ہے جو گھر کے افراد کے درمیان اتحاد اور ہم آہنگی کو فروغ دیتی ہیں۔ اس کے نقطہ نظر کا مقصد افراد کو انصاف اور ہمدردی کے اسلامی اصولوں پر عمل کرتے ہوئے خاندانی زندگی کی پیچیدگیوں کو نیویگیٹ کرنے کے لیے بااختیار بنانا ہے۔

تفہیم القرآن میں، مودودی نے تدبیر منزل کے موضوع کو ایک وسیع تر سماجی-سیاسی تناظر میں دیکھا، جس سے گھر کے انتظام کو وسیع تر سماجی ڈھانچے اور حرکیات سے جوڑ دیا گیا۔ وہ اسلامی اخلاقیات اور اقدار کے تناظر میں

خاندانی نظم ونسق سے متعلق قرآنی آیات کا جائزہ لیتے ہیں، یہ دریافت کرتے ہیں کہ کس طرح گھریلو نظم ونسق سماجی انصاف، صنفی مساوات، اور معاشرتی بہبود کے مسائل کو ایک دوسرے سے جوڑتا ہے۔ مودودی کی تفسیر خاندانی یونٹ سے شروع ہونے والے ایک منصفانہ اور مساوی معاشرے کی تشکیل کے قرآنی آئیڈیل پر زور دیتی ہے، خواتین کو بااختیار بنانے، بچوں کے حقوق کے تحفظ اور گھر کے اندر وسائل کی منصفانہ تقسیم کی وکالت کرتی ہے۔

فی ظلال القرآن میں، قطب تدبیر منزل کی ایک زیادہ انقلابی تشریح پیش کرتا ہے، جس میں وسیع تر سماجی و سیاسی تبدیلی کے تناظر میں گھریلو انتظامیہ کی تشکیل ہوتی ہے۔ وہ روایتی خاندانی ڈھانچے اور پدرانہ اصولوں پر تنقید کرتا ہے، گھریلو معاملات کو منظم کرنے کے طریقے میں بنیادی تبدیلیوں کی وکالت کرتا ہے۔ قطب کی تفسیر خاندان کے اندر اختیار کے روایتی تصورات کو چیلنج کرتی ہے، جس میں فیصلہ سازی کے لیے زیادہ مساویانہ اور شراکت دارانہ طریقہ کار پر زور دیا جاتا ہے۔ وہ خاندانی معاملات پر قرآنی تعلیمات کی تشریح سماجی اصلاح کے لیے ایک دعوت کے طور پر کرتے ہیں، قارئین پر زور دیتے ہیں کہ وہ جابرانہ ڈھانچوں کو ختم کریں اور مزید منصفانہ اور منصفانہ گھرانوں اور برادریوں کی تشکیل کریں۔

آخر میں، جب کہ چاروں مفسرین اپنی قرآنی تفسیروں کے ذریعے گھر کے انتظامی امور پر توجہ دیتے ہیں، وہ الگ الگ باتوں اور نقطہ نظر کے ساتھ ایسا کرتے ہیں۔ سیدی اور پالن پوری اسلامی اصولوں کے مطابق گھریلو معاملات کے انتظام کے بارے میں عملی رہنمائی پیش کرتے ہیں، مودودی خاندانی نظم ونسق کے سماجی وسیاسی جہتوں کا جائزہ لیتے ہیں، اور قطب روایتی خاندانی ڈھانچے میں انقلابی تبدیلی کے حامی ہیں۔ ان کی تفسیروں کا تقابلی مطالعہ ان متنوع طریقوں کی باریک بینی سے آگاہی فراہم کرتا ہے جن میں قرآنی تعلیمات گھریلو اور خاندانی امور کے انتظام کو مطلع اور متاثر کر سکتی ہیں۔

بہر حال ذیل میں مذکورہ چاروں تفاسیر میں سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبہ کی روشنی میں تدبیرِ منزل کے متعلق مختلف اقتباسات، مثالیں اور نمونے پیش خدمت ہیں:

پہلا حکم: باہمی تعاون وتناصر کا معیار

تدبیر منزل کے لیے ضروری ہے کہ ایک گھرانے، خاندان اور بستی کے افراد میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون وتناصر کا جذبہ موجود ہو جس کا تذکرہ سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر 2 میں کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ

الْعِقَابِ[1]

اور نیکی اور تقوی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔"

اس آیت کی روشنی میں تفہیم القرآن کے علاوہ تینوں مفسرین نے ایک دوسرے سے تعاون وتناصر کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے اور اسے اسلامی معاشرے کی خصوصیت قرار دیا ہے۔ البتہ تفسیر تبیان القرآن میں اس آیت میں مذکور دو چیزوں "بر" اور "تقوی" کی وضاحت کی گئی ہیں کہ ان سے کیا مراد ہیں وہ لکھتے ہیں:

"اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بر یعنی نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے۔ بِر سے مراد ہر وہ نیک کام ہے جس کا شریعت نے حکم دیا ہے اور تقوی سے مراد ہر اس کام سے اجتناب ہے جس کو کرنے سے شریعت نے روکا ہے اور فرمایا ہے: گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ گناہ سے مراد ہر وہ کام ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے اور ہر وہ کام جس پر لوگوں کے مطلع ہونے کو انسان ناپسند کرتا ہے اور ظلم کا معنی دوسرے کے حقوق میں تعدی اور تصرف کرنا اور اثم وعدوان سے مراد وہ تمام جرائم ہیں جن کی وجہ سے انسان اخروی سزا کا مستحق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے۔"[2]

تفسیر ہدایت القرآن میں اس کو دو ضابطوں اور قاعدوں کی صورت میں بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"سعید احمد پالن پوریؒ نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں ایک عنوان "ظلم وزیادتی نہ ابتداءً جائز ہے نہ ردعمل کے طور" قائم کیا ہے اور اس میں دو قاعدہ لکھے ہیں۔

iii. نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔

iv. گناہ اور ظلم وزیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مددمت کرو۔

ان دونوں ضابطوں کا تعلق گزشتہ سبھی مسائل سے ہے، یعنی جو ان احکام پر عمل کرنا چاہے اس کی مدد کرو، اور ان کے خلاف کرنے لگے اس کی مدد مت کرو، اور دوسرے ضابطہ کے بعد جو وعید ہے اس کا مقابل پہلے ضابطہ کے بعد محذوف ہے یعنی نیکی کے کاموں میں مدد کرنے والوں کو اللہ

---

[1] سورۃ المائدۃ 02:05

[2] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:48

تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرمائیں گے۔

ان دونوں ضابطوں سے معلوم ہوا کہ جو حکم اصل کا ہوتا ہے وہ ذرائع کا ہوتا ہے اور جو بات دین میں مطلوب ہو اس میں تعاون بھی اسی درجہ مطلوب ہو گا، اور جو بات گناہ ہو اس میں تعاون بھی اسی درجہ کا گناہ ہو گا، اسی لیے حدیث میں سودی معاملہ میں تعاون کرنے والوں کو اور شراب پینے میں تعاون کرنے والوں کو برابر درجہ کا گناہ گار قرار دیا ہے۔"[1]

فی ظلال القرآن میں انہی ضوابط و قواعد کی روشنی میں بننے والے اسلامی معاشرے کی بہترین عکاسی کی ہے وہ لکھتے ہیں:

" اسلام نے آکر دلوں کو اللہ کے ساتھ جوڑ دیا۔ اخلاق اور اقدار حیات کے لئے اللہ کے پیمانے میدان میں آگئے اسلام نے عربوں اور پوری انسانیت کو حمیت جاہلیہ سے نکالا۔ نعرہ عصبیت سے منع کیا' ذاتی میلانات' شخصی تاثرات' خاندانی اور قبائلی محدود سوچ سے نکالا اور دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت صرف انسانیت کو محور بنایا۔ غلبہ اسلام کے بعد جزیرۃ العرب کے اندر ایک نیا انسان پیدا ہوا' یہ انسان الہی اخلاق سے مزین تھا یوں عربوں کو ایک نیا جنم ملا اور جب یہ روشنی دنیا میں پھیلی تو تمام کرہ ارض پر انسانیت کو ایک جدید جنم ملا۔ اسلام سے قبل جزیرۃ العرب پورے کا پورا جاہلیت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ جس کا نعرہ یہ تھا" بھائی کی مدد کرو' ظالم ہو یا مظلوم ہو" بلکہ پوری دنیا اسی نعرہ جاہلیہ کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ جاہلیت کے گہرے گڑھے اور اسلام کے روشن افق کے درمیان بہت ہی دوری اور بعد ہے اور یہ دوری ان دو اقوال سے کس قدر خوبصورتی سے واضح ہوتی ہے۔ ایک بات یہ کہ " بھائی کی مدد کرو ظالم ہے یا مظلوم " اور دوسرا قول باری تعالیٰ کا ہے۔" اور دیکھو ایک گروہ نے جو تمہارے لئے مسجد حرام کا راستہ بند کر دیا تو اس پر۔۔۔۔۔۔ تمہارا غصہ تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم بھی انکے مقابلے میں ناروا زیادتیاں کرنے لگو۔ جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ان میں سب سے تعاون کر گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو اس کی سزا بہت سخت ہے۔"[2]

---

[1] پالن پوری، سعید احمد، ہدایت القرآن، ج:2، ص:218-219

[2] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:420

دوسرا حکم: اہل کتاب کی خواتین سے نکاح

" وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ"[1]

"اور ان لوگوں میں سے پاک دامن عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی جبکہ تم نے ان کو نکاح کی حفاظت میں لانے کے لیے ان کے مہر دے دیے ہوں، نہ تو (بغیر نکاح کے) صرف ہوس نکالنا مقصود ہو اور نہ خفیہ آشنائی پیدا کرنا۔"

اس آیت کی روشنی میں چاروں مفسرین اس نقطہ پر متفق ہیں کہ اہل کتاب کی خواتین کے نکاح آیت میں مذکور شرائط کے ساتھ درست ہے اور پھر ہر مفسر نے اپنے انداز میں اس مسئلہ کو خوب اجاگر کیا ہے۔

علامہ غلام رسول سعید نے بڑے بسط و تفصیل سے اہل کتاب کی خواتین سے نکاح کرنے پر بحث کیا ہے۔ انہوں نے پہلے تو اہل کتاب خواتین سے نکاح کرنے کی وجہ بتلائی ہے وہ لکھتے ہیں:

"اس تخصیص کی بھی وجہ یہ ہے کہ اسلام اور اہل کتاب کے دین میں بنیادی امور مشترک ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو فرشتوں کو، آسمانی کتابوں کو، انبیاء علیہم السلام کو، مرنے کے بعد اٹھنے کو، جزا و سزا کو اور جنت و دوزخ کو یہ سب مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ جن رشتوں سے اسلام میں نکاح حرام ہے اصل کتاب کے نزدیک بھی ان سے نکاح حرام ہے۔"[2]

اور ان ساری چیزوں کی تفصیلات کے بائبل کا حوالہ بھی دیا ہے۔

تفسیر ہدایت القرآن میں اہل کتاب خواتین سے نکاح کے جواز کی شرائط بیان کی ہیں وہ لکھتے ہیں:

"کتابیہ سے نکاح شرائط و مقاصد نکاح کا لحاظ کر کے جائز ہے۔ اب اس کی نظیر بیان کرتے ہیں: اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح بھی جائز ہے، جب کہ عورت عفیفہ ہو، اور اس کو مہر دیا جائے، اور نکاح کا مقصد عفت (پاک دامنی) ہو، زنا کرنے والا اور خفیہ آشنائی کرنے والا نہ ہو، بلکہ باقاعدہ پیام دے کر نکاح کرے جس طرح مسلمان عورت سے کیا جاتا ہے، اور یہ ترجیحی شرطیں ہیں، جیسے سورۃ النور کے شروع میں زانی اور زانیہ سے نکاح کی ممانعت ہے، مگر نکاح ہو جاتا ہے، اسی

---

[1] سورالمائدۃ 05:05

[2] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:91-92

طرح کتابی عورت سے کو (محبت) کا نکاح کیا جائے تو بھی ہو جاتا ہے، البتہ مسلمان عورت کا نکاح کتابی مرد سے درست نہیں، اس لئے اس کا تذکر نہیں کیا، خاموشی اختیار کی، کیونکہ محل بیان میں خاموشی دلیل نفی ہوتی ہے، جیسے تعدد ازدواج کی اجازت چار پر روک دی معلوم ہوا کہ بیک وقت پانچ عورتوں سے نکاح درست نہیں، اور اس وجہ سے دوسری بات میں بے ضرورت بھی مشاکلہ: وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لهم کے بڑھایا تھا، اور اس تیسرے مسئلہ میں خاموشی اختیار کی، یہ دلیل نفی ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح مسلمان مرد کے سوا کسی سے نہیں ہو سکتا۔"[1]

سید محمد قطب نے اہل کتاب خواتین کی نکاح کے جواز کے ضمن میں اسلامی کی رواداری کو اجاگر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"ہاں مسلمان پاک دامن عورتوں کے ساتھ اہل کتاب پاکدامن عورتوں کا ذکر یکجا کیا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی رواداری ہے جو اسلام کے سوا کسی اور مذہب کے ہاں شاذونادر ہی ملتی ہو گی۔ اس لئے کہ عیسائیوں میں سے بھی کیتھولک فرقہ آرتھوڈکس کے ساتھ نکاح کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اسی طرح پروٹسٹنٹ اور مارونیہ کے ساتھ بھی وہ نکاح جائز نہیں سمجھتے اور اگر عیسائی معاشرے میں کوئی ایسے نکاح کرتا ہے تو عیسائی آرتھوڈکس اسے صحیح نہیں بلکہ بد عمل سمجھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ صرف اسلام ہی ہے جو ایک عالمی معاشرہ قائم کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اسلام نے اہل اسلام اور اہل کتاب کے درمیان مکمل علیحدگی قائم نہیں کی نہ مختلف عاقد رکھنے والوں کے درمیاں مستقل پردے ڈالے۔ وہ اہل عقائد جو اسلامی مملکت کے شہری ہوتے ہیں حسن معاشرت کے نقطہ نظر سے وہ مسلمانوں کے ساتھ اور مسلمان ان کے ساتھ رابطہ رکھ سکتے ہیں۔[2]

علامہ مودودی نے تفہیم القرآن میں اہل کتاب کی خواتین سے نکاح کے متعلق مختلف فقہاء کا نقطہ نظر بیان اور اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کیا ہے جس کا خلاصہ یوں ہے:

"اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ نکاح کی اجازت صرف انہی کی عورتوں سے دی گئی ہے اور اس کے ساتھ شرط یہ لگادی گئی ہے کہ وہ محصنات (محفوظ عورتیں) ہوں۔ اس حکم کی تفصیلات میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے۔ ابن عباسؓ کا خیال ہے کہ یہاں اہل کتاب سے مراد وہ اہل

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:331

[2] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:426

کتاب ہیں جو اسلامی حکومت کی رعایا ہوں۔[1] رہے دار الحرب اور دار الکفر کے یہود و نصاریٰ، تو ان کی عورتوں سے نکاح کرنا درست نہیں۔ حنفیہ اس سے تھوڑا اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک بیرونی ممالک کے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام تو نہیں ہے مگر مکروہ ضرور ہے۔ بخلاف اس کے سعید بن المُسیّب اور حَسَن بصریؒ اس کے قائل ہیں کہ آیت اپنے حکم میں عام ہے لہٰذا ذمی اور غیر ذمی میں فرق کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر محصنات کے مفہوم میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک اس سے مراد پاک دامن، عصمت مآب عورتیں ہیں اور اس بنا پر وہ اہل کتاب کی آزاد منش عورتوں کو اس اجازت سے خارج قرار دیتے ہیں۔ یہی رائے حسنؒ، شَعبیؒ اور ابراہیم نخعی کی ہے۔ اور حنفیہ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔[2] بخلاف اس کے امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہاں یہ لفظ لونڈیوں کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے، یعنی اس سے مراد اہل کتاب کی وہ عورتیں ہیں جو لونڈیاں نہ ہوں۔[3]

تیسرا حکم: امن وامان کا قیام

"مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّه مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ"[4]

"اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جو کوئی کسی کو قتل کرے، جبکہ یہ قتل نہ کسی اور جان کا بدلہ لینے کے لیے ہو اور نہ کسی کے زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے ہو، تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی کی جان بچالے تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کی جان بچالی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پیغمبر ان کے پاس کھلی کھلی ہدایات لے کر آئے، مگر اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتیاں ہی کرتے رہے ہیں۔"

---

[1] قرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر، الجامع لاحکام القرآن (قاھرۃ: دار الکتب المصریۃ، طبعہ ثانیہ: 1964ء) ج:6، ص:79

[2] جصاص، احمد بن علی، احکام القرآن (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1405ھ) ج:3، ص:323

[3] مودودی، تفہیم القرآن، ج:1، ص:447

[4] سورۃ المائدۃ 32:05

معاشرے میں امن وامان کے لیے ضروری ہے کہ انسان کی عزت، نفس اور مال کا احترام ہو۔ اس آیت میں قتل کا جرم عظیم ہونا اور اس کی وجہ سے معاشرے میں پیدا ہونے والے بگاڑ ہونے بہترین انداز میں سمجھایا گیاہے۔ اس آیت کی تفسیر میں چاروں مفسرین نے اس آیت کی وضاحت پیش کی ہے۔ فی ظلال القرآن میں سید محمد قطب لکھتے ہیں:

> "کسی کی ناحق جان لینانہایت ہی گھناؤنا جرم ہے۔ اس لئے کہ دارالاسلام میں ایک مسلم سوسائٹی کا امن وامان، اور اس کی جانب سے بھلائی کے کاموں کو امن وامان اور سکون واطمینان کے ساتھ سرانجام دینا بعینہ اسی طرح ضروری ہے جس طرح اسلامی مملکت میں افراد کا امن وسکون سے زندگی گزارنا ضروری ہے۔ بلکہ اجتماعی امن کی ضرورت انفرادی امن سے زیادہ ہے اس لئے کہ افراد کو امن وسکون تب ہی نصیب ہوتا ہے جب سوسائٹی کو امن وسکون حاصل ہو۔ نیز یہ بات اس سے بھی اہم ہے کہ اس قسم کی اعلیٰ اور فاضلانہ سوسائٹی کا امن متاثر نہ ہو اور ایسی سوسائٹی کو ہر قسم کے امن اور استحکام کی ضمانت حاصل ہو۔ کیونکہ اس ضمانت سے اس قسم کی سوسائٹی میں افراد کو امن وسکون ملتا ہے اور وہ آزادی سے سرگرم رہ سکتے ہیں اور امن کے زیر سایہ ہی انسانی زندگی سکون کے ساتھ نشوونما پاتی ہے۔ امن کی پر سکون فضا ہی میں ہر قسم کی بھلائی، اخلاق فاضلہ، پیداوار اور ترقی تسلسل کے ساتھ جاری رہ سکتی ہے۔ ایسی ہی سوسائٹی اپنے افراد کو ضروریات زندگی کی ضمانت بھی دے سکتی ہے اور امن ہی ایساماحول اور ایسی فضا فراہم کرتا ہے جس کے اندر بھلائی کے بیج بوئے جاتے ہیں اور نشوونما پاتے ہیں۔ اور اسی میں برائی کے بیج ختم کئے جاتے ہیں۔"[1]

سید ابوالاعلی مودودی معاشرے کے امن وامان اور نوع انسانی کی زندگی کی بقا پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"مطلب یہ ہے کہ دنیا میں نوع انسانی کی زندگی کا بقا منحصر ہے اس پر کہ ہر انسان کے دل میں دوسرے انسانوں کی جان کا احترام موجود ہو اور ہر ایک دوسرے کی زندگی کے بقاء وتحفظ میں مددگار بننے کا جذبہ رکھتا ہو۔ جو شخص ناحق کسی کی جان لیتا ہے وہ صرف ایک ہی فرد پر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اس کا دل حیات انسانی کے احترام سے اور ہمدردی نوع کے جذبہ سے خالی ہے، لہٰذا وہ پوری انسانیت کا دشمن ہے، کیونکہ اس کے اندر وہ صفت پائی جاتی ہے جو اگر تمام افراد انسانی میں پائی جائے تو پوری نوع کا خاتمہ ہو جائے۔ اس کے برعکس جو شخص انسان کی زندگی کے قیام

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:491

میں مدد کرتا ہے وہ در حقیقت انسانیت کا حامی ہے، کیونکہ اس میں وہ صفت پائی جاتی ہے جس پر انسانیت کے بقاء کا انحصار ہے۔"[1]

تبیان القرآن میں قتل کرنے کی درج ذیل پانچ وجوہات بیان کی گئی ہے:

vi. ایک وجہ قصاص ہے۔

vii. دوسری وجہ کسی کافر کا مسلمان سے جنگ کرتا ہے۔

viii. تیسری وجہ ارتداد ہے۔

ix. چوتھی وجہ شادی شدہ کا زنا کرتا ہے۔

x. پانچ میں وجہ زمین میں ڈاکہ ڈالنا ہے۔

پہلی وجہ کا اس آیت میں صراحتاً ذکر ہے اور پانچویں وجہ یعنی ڈاکہ کا اس آیت کے بعد والے حصہ میں تفصیلی بیان آرہا ہے۔ باقی ماندہ تین وجوہات زمین میں فساد پھیلانے کے ضمن میں آگئیں۔ اس لیے فرمایا: جس نے بغیر قصاص یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے کے قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا۔[2]

ہدایت القرآن میں اس آیت کا ربط قابیل وہابیل کے واقعہ سے جوڑا گیا ہے اور انہوں نے یہ واضح کیا کہ جس میں معاشرے میں ایک مرتبہ قتل کا رسم بد جاری ہو جائے تو وہاں کو سکون غارت ہو جاتا ہے اور جو شخص انسانی زندگی کی اہمیت اور حرمت سمجھتا ہے وہ لوگوں کی جانیں بچاتا ہے، خود کو خطرے میں ڈالتا ہے اور ڈوبتے کو بچاتا ہے، یہ سب کو زندہ کرنا ہے۔[3]

چوتھا حکم: زنا کا سدِباب

سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر:41 میں یہودیوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں تبیان القرآن، ہدایت القرآن اور تفہیم القرآن نے یہودیوں کے ایک واقعہ کو اس کا شان نزول قرار دیا ہے کہ ان کے معاشرے میں اگر برائی کا ارتکاب ہوتا تو وہ اس معاملے تورات کے مطابق درست فیصلہ نہ کرتے جب کہ تفسیر فی ظلال القرآن اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا ہے بلکہ انہوں نے عمومی طور پر یہودیوں کی شرارتوں اور خباثتوں کا

---

[1] مودودی، تفہیم القرآن، ج:1، ص:464

[2] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:160

[3] پالن پوری، تبیان القرآن، ج:2، ص:259

تذکرہ کیا ہے۔

تفہیم القرآن میں اس واقعہ کی طرف صرف معمولی اشارہ ہے وہ لکھتے ہیں:

"روایات میں آتا ہے کہ یہ آیات ان یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں' جنہوں نے بعض جرائم کا ارتکاب کیا تھا۔ ان جرائم کے تعین میں روایات کے اندر اختلاف ہے بعض میں ہے کہ یہ جرم سرقہ تھا۔ بعض میں ہے کہ یہ جرم زنا تھا اور یہ دونوں جرائم تورات کے مطابق جرائم حدود تھے۔"[1]

تبیان القرآن اور ہدایت القرآن میں یہ پورا واقعہ صحیح بخاری کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ اصل معاملہ زنا کا تھا جس کے حد میں خاندانی شرافت اور مال و دولت کی کثرت رکاوٹ بن گئی تھی۔ روایت درج ذیل ہے:

"حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یہودی مرد اور عورت کو لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ یہود کے پاس تشریف لے گئے آپ نے فرمایا جو شخص زنا کرے اس کے متعلق تمہارے نزدیک تورات میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا ہم ان کا منہ کالا کر کے ان کو سواری پر بٹھاتے ہیں اور دونوں کے چہرے مخالف جانب میں کرتے ہیں پھر ان کا چکر لگایا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ۔ وہ تورات لے کر آئے اور اس کو پڑھا اور جب رجم کی آیت سے گزرے تو پڑھنے والے نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس کے آگے اور پیچھے سے پڑھا۔ حضرت عبد اللہ بن سلام اللہ آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا آپ اس سے فرمائیں کہ اپنا ہاتھ اٹھائے جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے رجم کی آیت تھی پھر رسول اللہ علیہ کے حکم سے ان کو رجم کیا گیا۔"[2]

---

[1] مودودی، تفہیم القرآن، ج:1، ص:464

[2] بخاری، صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب احکام اھل الذمۃ، حدیث نمبر:6450۔ بخاری میں حدیث یوں ہے:

"عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما أنه قال إن اليهود جاءوا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكروا له أن رجلا منهم وامرأة زنيا فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم ما تجدون في التوراة في شأن الرجم فقالوا نفضحهم ويجلدون قال عبد الله بن سلام كذبتم إن فيها الرجم فأتوا بالتوراة فنشروها فوضع أحدهم يده على آية الرجم فقرأ ما قبلها وما بعدها فقال له عبد الله بن سلام ارفع يدك فرفع يده فإذا فيها آية الرجم قالوا صدق يا محمد فيها آية الرجم فأمر بهما رسول الله صلى الله عليه وسلم فرجما فرأيت الرجل يحني على المرأة يقيها الحجارة"

پانچواں حکم: معاشرے میں امن وامان بصورتِ انسدادِ سرقہ

"وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ"[1]

"اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، تاکہ ان کو اپنے کیے کا بدلہ ملے، اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہو۔ اور اللہ صاحب اقتدار بھی ہے، صاحب حکمت بھی۔"

جب کسی معاشرے میں چوری ہوتی ہے تو وہاں مال کا احترام باقی نہیں رہتا ہے اس سے علاقے میں امن وسکون کا ماحول غارت ہوتا ہے اس لیے درجہ بالا آیت میں چوری سے منع کیا گیا ہے اور چوری کی سزا سخت سے سخت حد کی صورت میں مقرر کی گئی ہے۔

تفسیر تبیان القرآن میں چونکہ فقہی انداز غالب ہے اس لیے انہوں نے چوری کی اصطلاحی تعریف اور وضاحت کی ہے کہ شرعی طور پر چور کا اطلاق کس چیز ہوتا ہے جس میں ہاتھ کاٹا جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

"عاقل بالغ کسی ایسی محفوظ جگہ سے کسی کے دس درہم (یا اس سے زیادہ یا اتنی مالیت کی کوئی چیز چھپ کر بغیر کسی شبہ اور تاویل کے اٹھالے، جس جگہ کی حفاظت کا انتظام کیا گیا ہو، درآنحالیکہ وہ چیز جلدی خراب ہونے والی نہ ہو تو وہ سرقہ (چوری) ہے۔"[2]

اس کے بعد انہوں نے ثابت کیا ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹنے کا رواج اسلام سے پہلے بھی موجود تھا پھر ہاتھ کاٹنے کی حکمت ومصلحت بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ اس نے چور کا ہاتھ کاٹے کی حد مقرر فرما کر مسلمانوں کے اموال کو محفوظ کر دیا اور اگر کوئی شخص ایک کر کوئی چیز لے جائے یا لوٹ کر لے جائے یا غصب کر لے تو اس پر حد مقرر نہیں، ہر چند کہ اس میں تعزیر ہے کونکہ یہ جرائم چوری کی بہ نسبت معمولی ہیں اور ان کے خلاف گواہ قائم کیے جاسکتے ہیں اور گواہوں کے ذریعہ عدالت سے اپنا حق آسانی سے وصول کیا جاسکتا ہے۔ اس کے برخلاف چور چھپ کر مال لے جاتا ہے لہذا اس پر گواہی قائم کرنا مشکل ہے۔ اس لیے اس کی سزا سخت رکھی کہ اس سزا کو دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت

---

[1] سورۃ المائدۃ 38:05

[2] ابن ہمام، محمد بن عبد الواحد، فتح القدیر (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1415ھ) ج:5، ص:339

پکڑیں اور چوری کرنے سے باز رہیں اور مسلمانوں کے اموال محفوظ رہ سکیں۔"[1]

تفسیر ہدایت القرآن میں چوری کے لیے پانچ شرائط بیان کی ہے یعنی چور کا ہاتھ اس وقت کاٹا جائے گا جب کہ یہ شرائط پائی جائیں اور یہ وہی شرائط ہیں جو کہ سرقہ کی تعریف اوپر بیان ہوئیں۔ پھر انہوں نے حد کی تعریف پیش کی ہے اور اس کے بعد ان حدود کی ضمن پر اسلام طعن و تشنیع کرنے کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہی وہ چار سزائیں ہیں جن کے بارے میں اغیار اور دانشور شور مچاتے ہیں کہ اسلام میں سخت سزائیں ہیں، بے شک یہ سخت سزائیں ہیں، مگر ان کو جاری کرنے کی نوبت بہت کم آتی ہے، کیونکہ ان سزاؤں کا ہوا ایسا ہے کہ شیطان صفت لوگ سے رہتے ہیں، اور سزا سے بہتر سزا کا ہوتا ہے، پھر جو سزا جتنی مشکل ہے اس کا ثبوت بھی اتنا ہی مشکل ہے۔ زنا کے ثبوت کے لیے چار عینی گواہ ضروری ہیں، جب کہ زنا بر سرِ عام نہیں کیا جاتا۔ پس اس کا ثبوت بھی مشکل ہے، اس لیے سزا جاری کرنے کی نوبت بہت کم آتی ہے۔ آپ سعودیہ اور یورپ وامریکہ کے جرائم کا تناسب دیکھیں۔ آپ حیران رہ جائیں گے کہ ہلکی سزاؤں اور سخت سزاؤں کے خوف کا اثر ہے۔"[2]

سید ابو الاعلی مودودی نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں چوری کی حد کی وضاحت کی ہے کہ یہ حد کن پر جاری ہوگی اور کن پر نہیں، پھر نصابِ سرقہ یعنی جتنے مقدار میں ہاتھ کاٹا جائے گا، میں ائمہ کا اختلاف ذکر کیا ہے، پھر چوری کے حد سے مستثنیات ذکر کی ہے۔

فی ظلال القرآن میں تدبیر منزل کے حوالے سے درجہ بالا آیت کے ذیل سید محمد قطب میں اہم گفتگوں کی ہے وہ لکھتے ہیں: اسلامی معاشرہ باشندگان دارالاسلام کے لئے ایک ایسا ماحول فراہم کرتا ہے جس میں کوئی معتدل شخص چوری کے بارے میں سوچ ہی نہ سکے، چاہے ان باشندوں کے عقائد و نظریات جو بھی ہوں۔ اسلامی معاشرہ اپنے باشندوں کو معاشی کفالت، اخلاقی تربیت اور درست طرز عمل اختیار کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔ نیز انصاف اور دولت کی منصفانہ تقسیم کا انتظام کرتا ہے اور وہ یہ انتظام بھی کرتا ہے کہ اس کے اندر انفرادی ملکیت کی شکل ایسی ہو کہ وہ پوری سوسائٹی کے لیے نفع بخش ہو اور وہ معاشرے کے لئے باعث اذیت نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے حالات پیدا کر دینے کے بعد بھی اگر کوئی چوری کرتا ہے تو اسلام اسے سخت ترین سزا دیتا ہے۔ اسی طرح انفرادی ملکیت پر دست درازی کرنے والے اور سوسائٹی کا امن وامان تباہ کرنے والے کو عبرت ناک سزا دیتا ہے۔ ان سخت ترین سزاؤں کی

---

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:180-181

[2] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2،:264-266

تجویز کے ساتھ ساتھ اسلام شبہات کی بناپر حدود کو ساقط بھی کرتا ہے اور ملزم کو مکمل قانونی دفاع کا اختیار اور حق عطا کرتا ہے تاکہ کسی شخص کو مکمل ثبوت کے بغیر سزا نہ دی جاسکے۔ اب مناسب ہے کہ اس اجمال کے بعد قدرے تفصیلی بحث کر دی جائے۔[1]

چھٹا حکم: غیر مسلموں سے رفاقت کے اصول

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ"[2]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر انہیں میں ہے یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی راہنمائی سے محروم کر دیتا ہے۔"

غیر مسلموں سے کس قسم کے تعلقات رکھے جاسکتے ہیں اور کس قسم کے نہیں؟ اس کے متعلق چاروں مفسرین کا اتفاق ہیں کہ یہاں جن تعلقات سے روکا گیا اس سے مراد دلی دوستی ہے۔

تبیان القرآن میں اس آیت کا شان نزول بھی بیان کیا ہے کہ اس آیت کا مصداق عبد اللہ بن ابی رئیس المنافقین ہے اور اس کے بعد انہوں نے کفار کے ساتھ تعلقات رکھنے کی مذمت میں احادیث اور آیات کثرت سے ذکر کی ہیں۔[3]

ہدایت القرآن میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے سعید احمد پالن پوری رقم طراز ہیں:

"غیر مسلموں سے موالات (مؤدت، دلی دوستی) جائز نہیں، اس لیے کہ دلی دوستی رنگ لاتی ہے اور نتیجہ ہمیشہ ارذل کے تابع ہوتا ہے اس لیے دینی ضرر کا اندیشہ ہے اور دین کی حفاظت ضروری ہے اور موالات کے علاوہ مدارات و موسات اور معاملات کے احکام جائز ہے۔"[4]

فی ظلال القرآن میں ہے کہ: اس رفاقت کا مفہوم یہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ حلیفانہ اور باہم تعاون اور امداد کا معاہدہ نہ ہونا چاہئے۔ اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ تم ان کے دین کی اتباع کرو اور اس لئے کہ یہ تو سوچنا بھی ممکن نہیں ہے کہ مسلمانوں میں ایسا بھی کوئی ہو سکتا ہے کہ وہ یہودیوں اور نصرانیوں کے دین کی اتباع کرتا

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:502

[2] سورۃ المائدۃ 51:05

[3] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:210-213

[4] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2:، 291

ہو۔ یہ درحقیقت باہم تحالف اور معاونت کی دوستی ہوتی تھی، جس کے بارے میں اس وقت مسلمانوں کا ذہن صاف نہ تھا کہ یہ بھی حرام ہے۔ مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ ایسے تحالف اور تعاون ابھی تک جائز ہیں۔ اور یہ التباس اس لئے تھا کہ اسلام سے پہلے ان لوگوں کے درمیان ایسے دوستی کے معاہدے ہوا کرتے تھے اور اسلام کے ابتدائی ایام میں بھی ایسا ہوتا تھا خصوصا مدینہ کے ابتدائی ایام میں۔ ان نصوص کے ذریعے اللہ نے اس سے منع کر دیا اور ایسے معاہدوں کو باطل قرار دے دیا۔ خصوصا جبکہ میثاق مدینہ کے مطابق مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ہونے والے معاہدے پر یہودیوں نے عمل نہ کیا تھا اور اس سے ظاہر ہو گیا تھا کہ اہل اسلام اور ان کے درمیان اب کوئی معاہدہ ولا ممکن نہیں ہے۔[1]

تفہیم القرآن یہاں پر صرف منافقین کی مذمت بیان کی گئی ہے کہ اس آیت کا مصداق وہی منافقین ہیں جو اسلام اور کفر کی کشمکش میں کسی بھی صورت دنیوی نقصان کا سامنا نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے کفار سے بھی مراسم رکھے ہوئے کہ اگر کہیں مسلمانوں کو شکست ہو تو کا معاملہ خراب نہ ہو۔

ساتواں حکم: ممنوعات سے احتراز

" يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"[2]

" اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جُوا اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو، اُمیّد ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہو گی۔"

تدبیر منزل کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ شرعی ممنوعات سے احتراز واجتناب کیا جائے خصوصاً سود، جوا، شرک اور بت پرستی سے جیسا کہ درجہ بالا آیت میں ہے

تفسیر تبیان القرآن، ہدایت القرآن اور تفہیم القرآن میں آیت مذکورہ میں مذکورہ چار چیزوں کی لغوی، اصطلاحی تعریف اور احکام بیان کئے ہیں۔

فی ظلال القرآن میں سید محمد قطب نے اس آیت کی روشنی میں مذکورہ چیزوں اور معاشرے میں ان سے پیدا ہونے والے فساد کے متعلق لکھتے ہیں:

" اسلامی نظام زندگی نے تحریک کا آغاز ان رسوم کی اصلاح سے شروع نہیں کیا اس لئے کہ یہ رسوم اور عادات بعض فاسد نظریاتی تصورات پر قائم تھیں۔ اگر محض اصلاح رسوم کی سطحی

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:550

[2] سورۃ المائدۃ 90:05

تحریک شروع کر دی جاتی اور اصل اعتقادی نظریات کی بیخ کنی نہ کی جاتی تو یہ کام نہایت ہی سطحی ہوتا۔ اسلام سے ہر گز یہ توقع نہ کی جاسکتی تھی کہ وہ جڑوں کو چھوڑ کر محض سطحی امور تک اپنے آپ کو محدود کر دے۔ اسلام نے سب سے پہلے نفس انسانی کی پہلی گرہ یعنی عقائد و نظریات پر کلام کیا۔ اس نے سب سے پہلے جاہلی عقائد و تصورات کو لیا اور انہوں اور انہیں جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ ان کی جگہ پاک وصاف اسلامی نظریہ حیات دیا اور یہ تصور اور نظریہ فطرت انسانی کی گہرائیوں تک اتار دیا۔ اسلام نے متعدد الھوں کے بارے میں ان کے تصورات کو لیا اور انہیں جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ ان کی جگہ پاک وصاف اسلامی نظریہ حیات دیا اور یہ تصور اور نظریہ فطرت انسانی کی گہرائیوں تک اتار دیا۔ اسلام نے متعدد الھوں کے بارے میں ان کے تصورار کے فساد کو ظاہر کیا اور ان کو ایک الہ حق کے عقیدے پر مجتمع کر دیا۔ جب ان کے دل و دماغ پر یہ عقیدہ توحید چھا گیا تو اب وہ فطری طور پر سوچنے کے لئے تیار ہو گئے کہ انکا الہ الحق کس بات کو پسند نہیں کرتا۔ اس نظریاتی اصلاح سے پہلے وہ کب اپنی عادات ورسومات کو چھوڑنے کے لئے تیار ہو سکتے تھے وہ نظریاتی تبدیلی کے بغیر اپنے جاہلی پسندیدہ طریقوں کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اگرچہ انہیں بار بار نصیحت کی جاتی۔ فطرت کی گرہ درحقیقت عقیدے کی گرہ ہوتی ہے۔ جب تک سب سے پہلے اس گرہ اور عقدے کو حل نہ کیا جائے اس وقت تک کوئی اخلاقی تعلیم، کوئی تہذیب اخلاق کا پروگرام اور کوئی اجتماعی اصلاحی سکیم کامیاب نہیں ہو سکتی۔ نظریہ دراصل انسانی فطرت کی کنجی ہے۔ جب تک یہ کنجی لگا کر فطرت انسانی کو کھول کر نہیں دیا جاتا اس وقت تک اس کے نہاں خانے اور اس کی راہ ورسم کی تہ تک رسائی ممکن نہ ہو گی۔ جب ہم اس کی ایک تنگ گلی کو کھولیں گے تو کئی اور تنگ گلیاں سامنے آئیں گی اور اگر ہم اس کا ایک پہلو روشن کر لیں گے تو دس اور تاریک پہلو سامنے آئیں گے۔ ہم ایک گرہ کھولیں گے اور مزید دس گرہیں لگ جائیں گی۔ ہم ایک راہ کھولیں گے تو دس راہیں بند ہو جائیں گی اور اس طرح ہم ایسی بھول بھلیوں میں پڑ جائیں گے کہ نکلنے کی راہ نہ ملے گی۔"[1]

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:655-656

سورۃ التوبہ میں پہلا حکم: اسلامی بھائی چارہ

"فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ"[1]

"پس اگر ہی توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں اور جاننے والوں کے لیے ہم اپنے احکام واضح کیے دیتے ہیں۔"

تدبیر منزل کے لیے لازمی ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے والا تعلق ہو۔

چاروں تفاسیر میں اس آیت میں مذکورہ بھائی چارے سے نو مسلموں کے ساتھ حسن سلوک مراد لیا گیا ہے۔

تبیان القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں اہل قبلہ کی تکفیر اور عدم تکفیر میں مذاہب اور تفصیلات ذکر کی گئی ہیں۔[2]

ہدایت القرآن میں ہے کہ اب اگر وہ لوگ کفر سے توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور ان کی پچھلی ساری فروگذاشتں پر قلم عفو کھینچ دیا جائے گا ورنہ پھر ان کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جائے جس کا تذکرہ سورت کے شروع میں آچکا ہے۔[3]

فی ظلال القرآن میں اس آیت کو نو مسلم کے ساتھ جوڑا ہے کہ لوگ نئے نئے مسلمان ہو جائے تو قدیم مسلمانوں کو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے وہ اس کی تفصیل میں لکھتے ہیں:

> "پھر صورت یہ ہوگی کہ یا تو وہ اس دین میں داخل ہو جائیں گے جس میں مسلمان داخل ہوئے ہیں اور سابقہ گناہوں سے تائب ہو جائیں گے اور شرک اور ظلم کو چھوڑ دیں گے۔ تو مسلمان ان کے شرک اور ظلم سے صرف نظر کر دیں گے۔ اور ان کے درمیان نظریاتی تعلق قائم ہو جائے گا۔ اور یہ جدید مسلمان بھی قدیم مسلمانوں کے بھائی بن جائیں گے اور ان کا تمام ماضی بھلا دیا جائے گا۔ تاریخ سے بھی اور دلوں سے بھی۔"[4]

تفہیم القرآن میں اس بھائی چارے کی وجہ معاشرے میں پیدا ہونے والی معاشرتی، تمدنی اور قانونی لحاظ سے

---

[1] سورۃ التوبہ 11:09

[2] سعیدی، تبیان القرآن، ج:5، ص:78

[3] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:335

[4] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:3، ص:484

ہونے ترقی کی وضاحت کی گئی ہے وہ لکھتے ہیں:

" اور یہ جو فرمایا گیا کہ اگر ایسا کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شرائط پوری کرنے کا نتیجہ صرف یہی نہ ہو گا کہ تمہارے لیے ان پر ہاتھ اٹھانا اور ان کے جان و مال سے تعرض کرنا حرام ہو جائے گا۔ بلکہ مزید بر آں اس کا فائدہ یہ بھی ہو گا کہ اسلامی سوسائٹی میں ان کو برابر کے حقوق حاصل ہو جائیں گے۔ معاشرتی، تمدنی اور قانونی حیثیت سے وہ تمام دوسرے مسلمانوں کی طرح ہوں گے۔ کوئی فرق و امتیاز ان کی ترقی کی راہ میں حائل نہ ہو گا۔"[1]

دوسرا حکم: مسلمانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات

"وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَه اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ"[2]

" مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حک دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی، یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے"

چاروں تفاسیر میں منافقین کے مقابلے مسلمانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات اور ان تعلقات کی بنیاد پر بحث کی گئی ہے۔

تبیان القرآن میں ہے:

"اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی صفات قبیحہ، ان کے عقائد فاسدہ اور ان کے اعمال خبیثہ بیان فرمائے تھے اور اب اس کے بعد آیات میں ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ مومنوں کی صفات حسنہ، ان کے عقائد صحیحہ اور ان کے اعمالِ صالحہ بیان فرمارہا ہے، نیز پہلے منافقوں کے بداعمال بیان فرماکر ان کی سزا کا بیان فرمایا تھا اور اب مومنوں کے نیک اعمال بیان فرماکر ان کی

---

[1] مودودی، تفہیم القرآن، ج:2، ص:179

[2] سورۃ التوبہ 71:05

جزاء کا ذکر فرمائے گا۔۔۔۔۔۔ مومنوں کو جو ایک دوسرے کی موافقت حاصل ہوئی وہ اندھی تقلید کی بناء پر نہیں تھی بلکہ وہ سب حق کی تلاش کے لیے استدلال کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کو توفیق اور ہدایت عطا فرماتا تھا۔"[1]

ہدایت القرآن میں مسلمانوں کے ایک دوسرے کے تعلقات کے متعلق ہے:

"باہمی یگانیت، محبت اور لطف و کرم میں ان کی مثال ایک جسم کی سی ہے کہ اگر کسی ایک عضو میں کوئی تکلیف جاتی ہے تو سارا ہی جسم بے خوابی اور بخار میں اس کا شریک رہتا ہے وہ دیوار کی مثال ہیں، باہم دیگر مل کر ہی قوت حاصل کرتے ہیں۔"[2]

فی ظلال القرآن میں اس آیت کی روشنی میں مسلمانوں کی ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات کو بہتر بنانے کی تجاویز پیش کی گئی ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ اگر منافقین ایک دوسرے کے دوست ہیں اور ایک ہی فطرت رکھتے ہیں اور ایک ہی مزاج رکھتے ہیں تو مومنین و مومنات بھی ایک ہی مزاج اور ایک ہی نظریات کے قائل ہیں اور ایک دوسرے کے محب اور دوست ہیں۔ لیکن منافقین باوجود ہم طبع اور ہم جنس ہونے کے مومنین اور مومنات کی طرح شیر و شکر نہیں ہیں کیونکہ دوست تو وہ لوگ ہوسکتے ہیں جو بہادر ہوں، جو ایک دوسرے کی مدد کو پہنچنے والے ہوں اور باہم معاون و انصار ہوں جبکہ منفاقت کا مزاج ہی ان باتوں سے مختلف ہوتا ہے۔ کیونکہ بہادری کے مقابلے میں منافق بزدل اور ذلیل ہوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے ہمدرد نہیں ہوتے اور نہ ہی باہم جڑے ہوئے ہوتے ہیں اور نہ باہم معاون و کفیل ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کے خیالات اور ان کا طرز عمل ایک دوسرے کے ساتھ ملتا جلتا ہوتا ہے۔[3]

تفہیم القرآن میں مسلمانوں کی جماعت کی خصوصیت یوں بیان کی گئی ہے کہ:

"دوسری جانب سچے مومن مرد و زن ایک دوسرا گروہ بن گئے ہیں جس کے سارے افراد میں یہ خصوصیت مشترک ہے کہ نیکی سے وہ دلچسپی رکھتے ہیں، بدی سے نفرت کرتے ہیں، خدا کی یاد ان کے لیے غذا کی طرح زندگی کی ناگزیر ضروریات میں شامل ہے، راہ خدا میں خرچ کرنے کے لیے ان کے دل اور ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، اور خدا اور رسول کی اطاعت ان کی زندگی کا وتیرہ ہے۔ اس مشترک اخلاقی مزاج اور طرز زندگی نے انہیں آپس میں ایک دوسرے سے جوڑا اور منافقین

---

[1]سعیدی، تبیان القرآن، ج:5، ص:78

[2]پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:327

[3]محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:3، ص؛596

کے گروہ سے توڑ دیا ہے۔"[1]

تیسرا حکم: دغابازوں سے لاتعلقی

"وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ "[2]

"اور (اے پیغمبر) ان (منافقین) میں سے جو کوئی مر جائے، تو تم اس پر کبھی نماز (جنازہ) مت پڑھنا، اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔ یقین جانو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کا رویہ اپنایا، اور اس حالت میں مرے ہیں کہ وہ نافرمان تھے۔"

تدبیر منزل کے ضروری ہے کہ اپنے تعلقات پر نظر ثانی کی جائے کہ کہیں دغاباز اور مکار سے دوستی اور تعلقات نہ ہو کیونکہ ان کی دوستی اور تعلقات سینکڑوں قسم کی آفتوں کا سبب بن سکتی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں تمام مفسرین نے منافقین سے لاتعلقی اختیار کرنے پر زور دیا ہے۔

تبیان القرآن میں اس آیت کا ربط مقابل آیت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی اہانت اور ان کی مذمت کرنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں ان کی مزید اہانت کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے سے بھی منع فرمادیا اور اس سے بڑی اور کیا مذمت ہو گی؟[3]

ہدایت القرآن میں اس آیت کے متعلق یوں تفصیل ہے:

"ان آیتوں میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ دنیا میں تو آئندہ کے لئے ان کا نام مجاہدین اسلام کی فہرست سے خارج کر دیا جائے اور کسی جہاد میں ان کو شرکت کی اجازت نہ دی جائے اور مرنے کے بعد ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، نہ آپ اس لیے ہم ان کے لئے مغفرت کی دعا کریں اور نہ ان کے کفن و دفن میں شرکت فرماویں۔"[4]

---

[1] مودودی، تفہیم القرآن، ج:2، ص:214

[2] سورۃ التوبہ 84:09

[3] سعیدی، تبیان القرآن، ج:5، ص:217

[4] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:343

چوتھا حکم: تعلق کا بنیاد اللہ کی خوشنودی

"وَ اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَ اِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ"[1]

"اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا فیصلہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی کر دیا گیا ہے، یا اللہ ان کو سزا دے گا، یا معاف کر دے گا، اور اللہ کامل علم والا بھی ہے، کامل حکمت والا بھی۔"

اگر کسی مسلمان سے کسی جرم کا ارتکاب ہو جائے جس کی وجہ سے شریعت میں اس سے قطع تعلق کا حکم ہو تو توبہ کرنے کے بعد مسلمانوں کو دوبارہ اس سے اپنے تعلقات استوار کرنا چاہئے۔

تبیان القرآن میں اس کے متعلق وضاحت نہیں ہے جب کہ تفسیر ہدایت القرآن میں اس کی تفصیلات یوں مذکور ہیں:

> "جن لوگوں نے غزوہ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی مسلمان ان سے کھنچے کھنچے رہنے لگے تھے اسی وجہ سے منافقین بار بار جھوٹی قسمیں کھا کر مسلمانوں کو خوش کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ان ساتھیوں سے بھی جنہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی میں قید کر دیا تھا، مسلمان بے تعلق ہو گئے تھے۔ نہ کوئی ان کے ساتھ بولتا تھا نہ ان کے پاس بیٹھتا تھا لیکن چند روز بعد جب ان کی توبہ قبول ہو گئی تو مسلمانوں کے دلوں سے بھی میل دور ہو گیا۔[2] وہ بدستور بھائی بھائی اور باہم شیر وشکر بن گئے۔ نیک لوگوں کے باہمی تعلقات سونے کے برتن کی طرح ہیں جو دیر سے ٹوٹتا ہے اور جلد جڑتا ہے۔ اور برے لوگوں کے تعلقات مٹی کے برتن کی طرح ہیں جو ہر وقت ٹوٹنے کے لئے تیار رہتا ہے اور کبھی بھی جز نہیں سکتا؟"[3]

فی ظلال القرآن میں سید محمد قطب اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ ایسے تھے جن کا معاملہ مشکوک تھا۔ نہ ان کے منافق ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا تھا نہ گناہگار مومن ہونے کا ان دونوں چیزوں کی علامات ابھی پوری طرح نہ ابھری تھیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے معاملہ کو ملتوی رکھا۔ نہ اس معنی میں کہ فی الواقع خدا کے سامنے معاملہ مشکوک تھا، بلکہ اس معنی میں کہ مسلمانوں کو کسی شخص یا گروہ کے معاملہ میں اپنا طرز عمل اس وقت

---

[1] سورۃ التوبہ 106:09

[2] ابن ہشام، سیرۃ ابن ہشام، ج:2، ص:237

[3] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:372-373

تک متعین نہ کرنا چاہیے کہ جب تک اس کی پوزیشن ایسی علامات سے واضح نہ ہو جائے جو علم غیب سے نہیں بلکہ حس اور عقل سے جانچی جاسکتی ہوں۔[1]

تفہیم القرآن میں ہے کہ اس آیت میں آخرون کا مصداق کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دے دیا تھا کہ ان تینوں حضرات سے سلام کلام ترک کر دیں۔ ان حضرات نے جب سلوک دیکھا تو خلوص نیت کے ساتھ تائب ہوگئے اور اپنا معاملہ اللہ کے سُپرد کر دیا۔ آخر اللہ نے ان پر رحم کیا۔[2]

پانچواں حکم: سچے لوگوں سے تعلقات رکھنا

"يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ "[3]

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔"

تبیان القرآن میں بھی کسی جرم کے ارتکاب کے بعد توبہ کرنے والے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں: پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ اس نے تین مسلمانوں کی توبہ قبول فرمائی، اور ان کی توبہ ان کے سچ بولنے کی وجہ سے قبول فرمائی تھی اس لیے اس آیت میں سچوں کے ساتھ رہنے کا ذکر فرمایا، نیز ان کا تصور یہ تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل نہیں کیا تھا اور آپ کے ساتھ غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے، اس لیے اس آیت میں پہلے یہ حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کرو۔ سچوں سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے " کے اصحاب ہیں۔[4]

ہدایت القرآن میں اس آیت میں اللہ والوں کے ساتھ وابستہ رہنے کی تاکید کی ہے وہ لکھتے ہیں:

" آخر میں فرمایا اے ایمان والو! اللہ پاک سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھی بنو۔ یعنی سچوں کی صحبت رکھو، اور انہی جیسے کام کرو۔ دیکھ لو یہ تین شخص سچ ہی کی بدولت بخشے گئے ہیں اور مقبول ٹھہرے ہیں برخلاف منافقین کے کہ انہوں نے جھوٹ بولا، اللہ پاک کا ڈر دل سے نکال دیا تو وہ

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:3، ص:640

[2] مودودی، تفہیم القرآن، ج:2، ص:260

[3] سورۃ التوبہ 119:09

[4] ابن جریر طبری، جامع البیان فی تاویل آی القرآن، ج:14، ص:559- سعیدی، تبیان القرآن، ج:5، ص:290

دوزخی ٹھہرے۔"[1]

فی ظلال القرآن میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے سید محمد قطب رقم طراز ہیں:

"اے ایمان والو! اللہ (کی نافرمانی اور عذاب) سے ڈرو اور رہو سچوں کے ساتھ۔ یعنی جو لوگ ایمان اور وعدوں میں سچے ہیں۔ یا وہ لوگ جو اسلام میں سچے ہیں، نیت کے خلوص، قول کی صداقت اور عمل کے اعتبار سے (گویا پہلے قول پر صدق سے مراد ہے ایمان اور وعدہ کی سچائی اور دوسرے قول پر مراد ہے نیت کا خلوص اور قول و عمل کی سچائی) مطلب یہ ہے کہ ہر چیز میں سچائی کو اختیار کرو اور سچائی کی پابندی کرو۔"[2]

تفہیم القرآن میں اس آیت کی تفسیر ذکر نہیں کی گئی۔

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:408

[2] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:3، ص؛651

فصل سوم: تبیان القرآن، ہدایت القرآن، تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن میں سیاستِ مدنیہ کے اطلاق و تطبیق کا تقابلی مطالعہ

تبیان القرآن میں سیاستِ مدنیہ (ملک کے انتظامی امور) کے اطلاق و تطبیق کا تقابلی مطالعہ تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی، ہدایت القرآن از مولانا سعید احمد پالن پوری، تفہیم القرآن از سید ابوالاعلیٰ مودودی، اور فی ظلال القرآن از سید محمد قطب حکمرانی، سیاست اور ریاستی نظم و نسق کے معاملات میں قرآنی تعلیمات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ان کے متعلقہ نقطہ نظر کی گہری بصیرت پیش کیا گیا ہے۔

تبیان القرآن میں، سیاستِ مدنیہ سے انصاف، احتساب اور سماجی بہبود پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ وہ حکمرانی سے متعلق قرآنی آیات کی تشریح کرتے ہوئے منصفانہ اور منصفانہ سیاسی نظام کے قیام کی اہمیت پر زور دیتے ہیں جو تمام شہریوں کی فلاح و بہبود کو ترجیح دیتے ہیں۔ سعیدی کی تفسیر مشاورت (شوریٰ)، قانون کی حکمرانی (عدل) اور احتساب (حساب) کے قرآنی اصولوں پر روشنی ڈالتی ہے، جو ان اقدار کو برقرار رکھنے والے حکمرانی کے ڈھانچے کی وکالت کرتی ہے۔ وہ عوامی امور کے نظم و نسق کے بارے میں عملی رہنمائی فراہم کرتا ہے، قائدین کو حکمت، دیانت اور ہمدردی کے ساتھ حکومت کرنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے، اس طرح سماجی ہم آہنگی اور ترقی کو فروغ ملتا ہے۔

اسی طرح، ہدایت القرآن میں پالن پوری نے حکمرانی کی اخلاقی جہتوں پر زور دے کر سیاستِ مدنیہ کو مخاطب کیا ہے۔ وہ سیاسی قیادت کے بارے میں قرآنی تعلیمات کی تشریح کرتے ہوئے عاجزی، دیانتداری اور لوگوں کی خدمت کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ پالن پوری کی تفسیر خدا اور عوام دونوں کے سامنے ٹرسٹیز (امین) کے جوابدہ کے طور پر رہنماؤں کے کردار پر زور دیتی ہے، اور ان پر زور دیتی ہے کہ وہ انصاف، ہمدردی اور حکمت کے ساتھ حکومت کریں۔ وہ انصاف، مساوات اور سماجی بہبود کے قرآنی اصولوں پر مبنی ریاستی نظام، حکمرانی کے ڈھانچے اور عوامی پالیسی کے بارے میں عملی مشورے فراہم کرتا ہے۔

تفہیم القرآن میں، مودودی سیاستِ مدنیہ کو ایک جامع سماجی، سیاسی نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں، جو نظم و نسق سے متعلق قرآنی تعلیمات کو وسیع تر سماجی تبدیلی سے جوڑتے ہیں۔ وہ سیاست سے متعلق قرآنی آیات کی تشریح کرتا ہے جو کہ خدا کی حاکمیت، قانون کی حکمرانی اور احتساب کے اصولوں پر مبنی اسلامی ریاست کی وکالت کرتی ہے۔ مودودی کی تفسیر ایک اسلامی ریاست کے لیے ایک وژن کا خاکہ پیش کرتی ہے جو روحانی اقدار کو عملی حکمرانی کے ساتھ مربوط کرتی ہے، سماجی انصاف، معاشی مساوات اور سیاسی استحکام کو یقینی بناتی ہے۔ وہ سماجی مسائل کو حل کرنے،

تعلیم کے فروغ اور معاشی ترقی کو فروغ دینے میں ریاست کے متحرک اور فعال کردار کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔

فی ظلال القرآن میں، سید محمد قطب سیاستِ مدنیہ کی انقلابی تشریح پیش کرتا ہے، اسے نظریاتی جدوجہد اور سماجی تبدیلی کے تناظر میں وضع کرتا ہے۔ وہ موجودہ سیاسی نظام کو جابرانہ قرار دیتے ہوئے تنقید کرتا ہے اور قرآنی اصولوں پر مبنی اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کرتا ہے۔ قطب حکمرانی کے بارے میں قرآنی تعلیمات کی تشریح معاشرے کی ایک جامع تنظیم نو کی وکالت کے طور پر کرتا ہے جس میں سیاسی اختیار صرف خدا کے سپرد ہوتا ہے۔ ان کی تفسیر میں مسلمانوں کو ایک اسلامی ریاست کے قیام کے لیے سیاسی جدوجہد میں فعال طور پر حصہ لینے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے جو قرآنی انصاف اور سماجی بہبود کو نافذ کرے۔

آخر میں، ان چار قرآنی تفاسیر میں مدنیہ کی سیاست کا تقابلی مطالعہ حکمرانی اور ریاستی نظم ونسق کے معاملات میں قرآنی تعلیمات کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے مختلف طریقوں کو ظاہر کرتا ہے۔ جہاں سعیدی اور پالن پوری حکومت کی اخلاقی اور اخلاقی جہتوں پر زور دیتے ہیں، مودودی ایک جامع سماجی، سیاسی تبدیلی کی وکالت کرتے ہیں، اور سید محمد قطب موجودہ سیاسی نظاموں میں انقلابی تبدیلی کا مطالبہ کرتا ہے۔ ہر مفسر سیاست میں قرآنی اصولوں کے اطلاق کے بارے میں منفرد بصیرت پیش کرتا ہے، جس سے اسلامی طرز حکمرانی اور ریاست کے بارے میں ہماری سمجھ میں اضافہ ہوتا ہے۔

بہر حال ذیل میں مذکورہ چاروں تفاسیر میں سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبہ کی روشنی میں سیاستِ مدنیہ کے متعلق مختلف اقتباسات، مثالیں اور نمونے پیش خدمت ہیں:

پہلا حکم: اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ

سورۃ المائدۃ کی پہلی آیت میں فی ظلال القرآن اور تفہیم القرآن میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ پر بحث کیا گیا ہے اور ایک اسلامی ملک کے لیے یہ لازمی قرار دیا گیا ہے کہ اس میں حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی تسلیم کی جائے۔ اس کے متعلق فی ظلال القرآن کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> "لیکن حدود اللہ بھی تب قائم ہوں گی کہ ہم اللہ کی حاکمیت اور اقتدار اعلی کا اعتراف کر لیں اور یہ مسئلہ طے ہو جائے کہ اقتدار اعلی اللہ کا ہو گا۔ اللہ کے سوا کسی کو حق حاکمیت حاصل نہ ہو گا۔ جب تک یہ اعتراف حقیقت واقعیہ نہیں بن جاتا، جب تک شریعت کو ماخذ قانون قرار نہیں دے دیا جاتا، جب تک اللہ کی ربوبیت اور اللہ کی حاکمیت حکومت اور قوت کے ماخذ نہ بن جائیں تو فروعات کے اندر تمام کوششیں اور تمام انفرادی مساعی ضائع ہوں گی اور ہوتی رہیں گی۔ مناسب

یہی ہے کہ ہم سب سے پہلے منکر اکبر کے خلاف جہد وجہد شروع کر دیں اور تمام دوسرے منکرات کو بعد میں لیں۔"[1]

تفہیم القرآن میں اس مسئلہ کو یوں واضح کیا گیا ہے:

"یعنی اللہ حاکم مطلق ہے، اسے پورا اختیار ہے کہ جو چاہے حکم دے۔ بندوں کو اس کے احکام میں چون وچرا کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اگرچہ اس کے تمام احکام حکمت و مصلحت پر مبنی ہیں، لیکن بندہ مسلم اس کے حکم کی اطاعت اس حیثیت سے نہیں کرتا کہ وہ اسے مناسب پاتا ہے یا مبنی بر مصلحت سمجھتا ہے، بلکہ صرف اس بنا پر کرتا ہے کہ یہ مالک کا حکم ہے۔ جو چیز اس نے حرام کر دی ہے وہ صرف اس لیے حرام ہے کہ اس نے حرام کی ہے، اور اسی طرح جو اس نے حلال کر دی ہے وہ بھی کسی دوسری بنیاد پر نہیں بلکہ صرف اس بنیاد پر حلال ہے کہ جو خدا ان ساری چیزوں کا مالک ہے، وہ اپنے غلاموں کو اس چیز کے استعمال کی اجازت دیتا ہے۔ لہٰذا قرآن پورے زور کے ساتھ یہ اصول قائم کرتا ہے کہ اشیاء کی حرمت وحلت کے لیے مالک کی اجازت وعدم اجازت کے سوا کسی اور بنیاد کی قطعاً ضرورت نہیں، اور اسی طرح بندے کے لیے کسی کام کے جائز ہونے یا نہ ہونے کا مدار بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ خدا جس کو جائز رکھے وہ جائز ہے اور جسے ناجائز قرار دے وہ ناجائز۔"[2]

دوسرا حکم: ملک کی مخصوص علامت اور اس کا اعزاز واکرام

سورۃ المائدۃ کی آٹھویں آیت میں شعائر اللہ[3] کی بحث میں صرف سید ابو الاعلی نے ملکی کی مخصوص علامتوں اور ان کے اعزاز واکرام پر بحث کیا ہے باقی مفسرین نے اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔ تفہیم القرآن کا اقتباس ملاحظہ ہو:

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:620

[2] مودودی، تفہیم القرآن، ج:1، ص:468

[3] شعائر۔ شعیرۃ۔ کی جمع ہے شعیرۃ بروزن فعیلۃ بمعنی مفعلۃ ہے مشعرۃ کے معنی نشانی کے ہیں۔ شعائر اللہ۔ مضاف مضاف الیہ۔ اللہ کی نشانیاں۔ شعائر اللہ۔ عرف شریعت میں عبادات کے مکانات اور زمانوں اور علامات کو کہتے ہیں۔ مکانات عبادت جیسے کعبہ۔ عرفہ، مزدلفہ، جمرات ثلاث صفا مروہ۔ منی وجمیع مساجد وغیرہ۔ زمانے (اوقات) جیسے رمضان اور اشہر حج۔ عیدین۔ جمعہ اور علامات جیسے اذان، اقامت، نماز باجماعت وغیرہ۔ (علی محمد، انوار البیان فی حل لغات القرآن، (لاہور: مکتبہ سید احمد شہید)، ج 1، ص124)

"ہر وہ چیز جو کسی مسلک یا عقیدے یا طرز فکر و عمل یا کسی نظام کی نمائندگی کرتی ہو وہ اس کا "شعار" کہلائے گی، کیونکہ وہ اس کے لیے علامت یا نشانی کا کام دیتی ہے۔ سرکاری جھنڈے، فوج اور پولیس وغیرہ کے یونیفارم، سکے، نوٹ اور اسٹامپ حکومتوں کے شعائر ہیں اور وہ اپنے محکوموں سے، بلکہ جن جن پر ان کا زور چلے، سب سے ان کے احترام کا مطالبہ کرتی ہیں۔ گرجا اور قربان گاہ اور صلیب مسیحیت کے شعائر ہیں۔ چوٹی اور زنار اور مندر برہمنیت کے شعائر ہیں۔ کیس اور کڑا اور کرپان وغیرہ سکھ مذہب کے شعائر ہیں۔ ہتھوڑا اور درانتی اشتراکیت کا شعار ہیں۔ سواستیکا آریہ نسل پرستی کا شعار ہے۔ یہ سب مسلک اپنے اپنے پیروؤں سے اپنے ان شعائر کے احترام کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی نظام کے شعائر میں سے کسی شعار کی توہین کرتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ دراصل اس نظام کے خلاف دشمنی رکھتا ہے، اور اگر وہ توہین کرنے والا خود اسی نظام سے تعلق رکھتا ہو تو اس کا یہ فعل اپنے نظام سے ارتداد اور بغاوت کا ہم معنی ہے۔"[1]

تیسرا حکم: طلب منصب کی تحقیق

سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر 8 میں طلب منصب کی تحقیق چاروں تفاسیر میں سے صرف تفسیر تبیان القرآن میں بڑے تفصیلی اور شاندار انداز میں کیا گیا ہے جب کہ باقی تفاسیر میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ علامہ غلام رسول سعیدی نے موجودہ نظام انتخاب پر دوٹوک الفاظ میں رد کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں طریق انتخاب کی یہ بہت بڑی خامی ہے کہ قومی یا صوبائی اسمبلی کی نشست کے لیے ہر امیدوار از خود کھڑا ہوتا ہے حالانکہ اسلام میں از خود عہدہ کی طلب کرنا ممنوع ہے۔ پاکستان میں انتخاب کے موقع پر ہر حلقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار از خود کھڑے ہوتے ہیں اور زر کثیر خرچ کر کے اپنے لیے کنونسنگ کرتے ہیں اور مخالف امیدوار کی کردار کشی کرتے ہیں اور اس سلسلے میں غیبت، افتراء اور تہمت کی تمام حدود کو پھلانگ جاتے ہیں۔ یہ طریقہ اسلام میں بالکل ناجائز ہے اور ہر امیدوار کے متعلق یہ کہنا کہ یہ ضرورت کی بناء پر کھڑا ہوا ہے، بداہۃً باطل ہے۔ کیونکہ ہر حلقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ چونکہ اور کوئی اہل نہیں تھا اس لیے یہ سب امیدوار کھڑے ہوگئے ہیں۔[2]

---

[1] مودودی، تفہیم القرآن، ج:1، ص:470

[2] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:123-124

چوتھا حکم: دشمنوں سے حفاظت

سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر 11 میں علامہ سید ابو الاعلی مودودی کے علاوہ تینوں مفسرین نے دشمنوں نے حفاظت پر بحث کیا ہے یعنی اگر مسلمان سیاست مدنیہ کے قیام میں سنجیدہ ہوں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کے پابند ہوں تو اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد و نصرت ان کے ہمنواں ہوتی ہے۔ تبیان القرآن میں علامہ غلام رسول سعیدی نے اول تو دو شان نزول بیان کئے ہیں پھر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"اس آیت کے اعتبار سے پہلی روایت میں بیان کیا ہوا شان نزول راجح ہے۔ کیونکہ اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے کافروں کے ہاتھ کو روک لیا اور پہلی روایت میں نبی اور مسلمان دونوں سے ہاتھ روکنے کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں صرف نبی سے ہاتھ روکنے کا ذکر ہے۔"[1]

ہدایت القرآن میں سعید احمد پالن پوری وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں کی دست درازی سے مسلمانوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اب اعدائے اسلام و مسلمین کا تذکرہ شروع فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر ایک احسان یہ ہے کہ وہ مشرکوں کی دست درازی سے ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ دورِ اول میں اور بعد کے ادوار میں سینکڑوں واقعات اس کے شاہد ہیں۔ کسی معین واقعہ کا تذکرہ ضروری نہیں۔ مشرکین کی عداوت طشت از بام ہے۔ وہ ضرر رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ مگر جسے اللہ تعالیٰ رکھے سے کون چکھے! مشرکین جب بھی مسلمانوں کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی اسکیم کو خاک میں ملا دیتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ مسلمان اللہ سے ڈریں اور اس کے احکام کی تعمیل کریں اور اللہ پر بھروسہ کریں۔ آج مسلمانوں کی زبوں حالی کا سبب ان کا اللہ سے نہ ڈرنا، احکام الٰہی کی تعمیل نہ کرنا اور اعدائے اسلام سے دوستی کرنا ہے۔[2]

فی ظلال القرآن میں سید محمد قطب فرماتے ہیں کہ اس کا فائدہ دونوں طرفین کو ہوگا کہ کفار کو سوچنے کا موقع مل جائے گا اور مسلمان اللہ تعالیٰ کی نگہبانی کا نظام دیکھ اس کی طرف مکمل رجوع کریں گے وہ لکھتے ہیں:

"غرض حادثہ کیسا بھی ہو' بہر حال یہاں اعتبار اور اہمیت اس بات کی ہے جو یہاں اسلام کے نظام

---

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:124-125

[2] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:239

تربیت میں پیش نظر ہے اور وہ یہ کہ غصے اور دشمنی کو فرو کرنا چاہئے اور اس طرح دشمنوں کے خلاف اپنے دلوں میں پائے جانے والے کینے اور دشمنی کو نکالنا چاہئے تاکہ مسلمانوں کے دل مطمئن ہو جائیں اور وہ ٹھنڈے دل سے سوچیں اور یہ یقین رکھیں کہ اللہ ان کا نگہبان ہے اور ان کا محافظ ہے۔ اس نرمی، سنجیدگی اور اطمینان کی وجہ سے مسلمانوں کو ضبط نفس حاصل ہوتا ہے ان کے دلوں میں رواداری پیدا ہوتی ہے اور وہ سہولت سے عدل و انصاف قائم کرتے ہیں۔ مسلمان اس بارے میں ندامت محسوس کریں گے اگر وہ پھر بھی اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو پورا نہ کریں، حالانکہ وہ ہر وقت ان کا نگہبان اور محافظ ہے، اور ان کی طرف بڑھنے والے ہاتھ کو پکڑ رہا ہے۔"[1]

پانچواں حکم: امت مسلمہ کی پوری دنیا کی قیادت کا راز

سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 13 میں فی ظلال القرآن کے علاوہ باقی تفاسیر میں زیرِ بحث مسئلے کا کوئی تذکرہ نہیں جب کہ سید محمد قطب لکھتے ہیں کہ جب ان قرآنی تنبیہات سے امت مسلمہ نے غفلت برتی اور صحیح راستے کو چھوڑ کر غلط راستے پر پڑ گئی تو اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ سے انسانیت کی قیادت کا مقام منصب ضبط کر لیا اور قافلہ انسانیت میں یہ امت پیچھے چلنے والوں کی صف میں چلی گئی۔ جب تک یہ امت اپنے رب کی طرف رجوع نہ کرے گی، جب تک یہ اپنے عہد و پیمان پر پختگی سے قائم نہ ہو گی اور جب تک معاہدے کی شرائط کو پورا نہ کرے گی، اس وقت تک اللہ کا وعدہ ان کے حق میں معطل رہے گا۔ اگر وہ شرائط پوری کر دے تو اللہ تعالیٰ از سر نو اس امت کو تمکن فی الارض عطا کرے گا۔ وہ پوری انسانیت کی قائد ہو جائے گی اور تب وہ لوگوں پر شاہد حق ہو گی۔ اگر وہ یہ شرائط پوری نہ کرے گی تو وہ قافلہ انسانیت میں پیچھے چلنے والوں ہی میں رہے گی، یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔[2]

چھٹا حکم: ملک و قوم کی سلامتی کا راز

سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر 16 میں ملک و قوم کی سلامی کا تذکرہ فی ظلال القرآن کے علاوہ باقی تفاسیر میں نہیں کیا گیا۔ سید محمد قطبؒ نے آیتِ بالا کی تفسیر میں ملک و قوم کی سلامتی کا راز بہترین انداز میں پیش کیا ہے وہ لکھتے ہیں: یہ انداز اظہار قرآن پر سو فیصدی منطبق ہے اور قرآن اس بات کا نہایت ہی صحیح مصداق ہے کہ وہ سلامتی کا

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:558

[2] ایضاً، ص:458

واسطہ ہے۔ اسلام ایک فرد کے لئے جو راہ متعین کرتا ہے وہ سلامتی کا راستہ ہے۔ وہ ضمیر کی سلامتی ہے، وہ عقل کی سلامتی ہے، وہ اعضاء کی سلامتی ہے۔ وہ گھر اور خاندان کی سلامتی ہے۔ وہ معاشرے کی سلامتی ہے، وہ بشریت و انسانیت کی سلامتی ہے۔ وہ اس زندگی کے ساتھ سلامتی ہے، وہ اس کائنات کے ساتھ سلامتی ہے، وہ اللہ رب کائنات کے ساتھ سلامتی ہے، وہ اللہ رب کائنات کے ساتھ سلامتی، غرض ہمہ گیر اور ہمہ جہت سلامتی ہے جسے اس انسانیت نے نہ کبھی پایا ہے اور نہ کبھی پاسکے گی مگر صرف اسلامی نظام حیات میں، صرف منہاج میں صرف اسلامی شریعت کے قانون میں اور صرف اس معاشرے میں جو اسلامی شریعت اور اسلامی نظریہ حیات کی اساس پر قائم ہو۔[1]

ساتواں حکم: بغاوت کی سرکوبی

" اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَه وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ "[2]

"(جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لئے تگ ودو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کئے جائیں، یا سولی پر چڑھائے جائیں، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، یا وہ جلاوطن کر دیئے جائیں۔"

یہاں پر چاروں مفسرین نے اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت پر تفصیلی بحث کیا ہے البتہ تبیان القرآن میں علامہ غلام رسول سعیدی فقہی انداز میں اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے باغی، چور اور ڈاکو کے درمیان فرق کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"باغیوں اور محاربین (ڈاکوؤں) میں فرق یہ ہے کہ باغی کسی تاویل سے حکومت کے خلاف جنگ کرتے ہیں اور ڈاکو بغیر کسی تاویل کے قتل اور غارت گری کرتے ہیں۔ فقہاء احناف نے حرابہ (ڈاکہ) کی تعریف کو سرقہ (چوری کی تعریف کے ساتھ لاحق کر دیا ہے۔ کیونکہ ڈاکہ بڑی چوری ہے۔ مگر یہ مطلقاً چوری نہیں ہے کیونکہ خفیہ طریقہ سے کسی چیز کو لینا چوری کہلاتا ہے۔ چور محافظ یا مالک سے چھپ کر کوئی چیز لیتا ہے اور ڈاکو اعلانیہ مار دھاڑ کر کے لوٹتا ہے اس لیے ڈاکہ کا تقرر چوری سے زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکہ کی سزا بھی چوری سے زیادہ رکھی گئی ہے۔ ڈاکو (قاطع الطریق یا محارب) ہر وہ مسلمان یا ذمی شخص ہے جس کی جان ڈاکہ ڈالنے سے پہلے محفوظ اور مامون

---

[1] ایضاً، ص:459

[2] سورۃ المائدۃ 33:05

ہو اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے قتل کیا اور مال لوٹا اس پر حد قائم کرنا واجب ہے اور ولی مقتول کے معاف کر دینے اور لوٹا ہوا مال واپس کر دینے سے اس کی حد ساقط نہیں ہو گی اور ڈاکہ ہر اس فعل کو کہتے ہیں، جس میں اس طریقہ سے مال کو لوٹا جائے کہ عادتاً اس سے مال کو بچانا مشکل ہو۔"[1]

ہدایت میں میں باغیوں کی سزا اور اس سزا کی سختی کی حکمت و مصلحت کو واضح کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ حکومت کے خلاف بغاوت کرتے ہیں اور مسلمانوں کا قتل شروع کر دیتے ہیں اور کچھ لوگ راہ زنی کا پیشہ اختیار کرتے ہیں اور لوگوں کو مارتے کاٹتے ہیں۔ ان باغیوں اور راہ زنوں سے سختی کے ساتھ نمٹا جائے۔ یہ اپنے ہیں یعنی مسلمان ہیں، مگر مسلمانوں کو پریشان کرتے ہیں، اس لیے وہ دشمن ہیں، ان کے لیے چار سزائیں ہیں یا تو ان کو تہہ تیغ کر دیا جائے یا ان کو سولی پر لٹکا دیا جائے یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پیر کاٹ کر ان کا علاج کر لیا جائے یا ان کو پابند سلاسل کر دیا جائے تاکہ زمین ان کے شر و فساد سے محفوظ ہو جائے البتہ جو لوگ قابو میں آنے سے پہلے توبہ کر لیں ان کو سزا نہ دی جائے۔ باغیوں اور راہ زنوں کے لیے سخت سزا اس لیے ہے کہ وہ چور کی طرح تنہا نہیں ہوتے۔ ان کا بڑا اجتماع ہوتا ہے، ان میں دلیری اور بے باکی ہوتی ہے، اس لیے وہ بے پرواہ ہو کر مار دھاڑ کرتے ہیں اور لوگوں کے اموال لوٹتے ہیں، اس لیے ان کا فساد چوروں کے فساد سے زیادہ سخت ہے، اس لیے ضروری ہوا کہ ان کی سزائیں چوروں کی سزا سے بھاری ہوں۔[2]

فی ظلال القرآن میں باغی کی سزا کے ضمن اسلامی مملکت میں بادشاہ کے اختیارات پر بھی بحث کیا گیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"اس آیت کا ایک اور مفہوم بھی درج بالا مفہوم کے مطابق یہاں متعین ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہ جس سربراہ مملکت کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق باغیوں کے خلاف آیت میں درج سزائیں دینے کا اختیار ہے وہ وہی سربراہ مملکت ہے جو اسلامی شریعت کے مطابق سربراہ بنا ہو اور جو شریعت کا نافذ کنندہ ہو۔ ایسے بادشاہ کے علاوہ کسی اور بادشاہ یا سربراہ مملکت کو ایسے اختیارات نہ ہوں گے۔ غرض اگر کوئی حکومت دارالاسلام میں اسلامی شریعت کی اساس پر قائم نہ ہو، تو اسے اپنے باغیوں پر وہ سزائیں نافذ کرنے کا شرعی اختیار نہیں ہے۔ ایسی لادین حکومتوں کا شریعت کے

---

[1] زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج:6، ص:128-129

[2] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:261

ساتھ تعلق ہی کیا ہوتا ہے ؟ یہ حکومت ایسی ہوتی ہے جنہوں نے اللہ کے حق الوہیت اور حق حاکمیت پر دست درازی کی ہوئی ہوتی ہے۔ ان کا قانون شریعت کے ساتھ تعلق ہی کیا رہتا ہے ؟"[1]

تفہیم القرآن میں بھی باغی کی سزا کے ضمن میں اسلامی مملکت کے تصور پر بحث کیا گیا ہے کہ زمین سے مراد یہاں وہ ملک یا وہ علاقہ ہے جس میں امن و انتظام قائم کرنے کی ذمہ داری اسلامی حکومت نے لے رکھی ہو۔ اور خدا و رسول سے لڑنے کا مطلب اس نظام صالح کے خلاف جنگ کرنا ہے جو اسلام کی حکومت نے ملک میں قائم کر رکھا ہو۔

آگے اس کا انطباق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایسا نظام جب کسی سرزمین میں قائم ہو جائے تو اس کو خراب کرنے کی سعی کرنا، قطع نظر اس سے کہ وہ چھوٹے پیمانے پر قتل و غارت اور رہزنی و ڈکیتی کی حد تک ہو یا بڑے پیمانے پر اس صالح نظام کو الٹنے اور اس کی جگہ کوئی فاسد نظام قائم کر دینے کے لیے، دراصل وہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے تعزیرات ہند میں ہر اس شخص کو جو ہندوستان کی برطانوی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کرے "بادشاہ کے خلاف لڑائی"(Waging war against theKing)کا مجرم قرار دیا گیا، چاہے اس کی کاروائی ملک کے کسی دور دراز گوشے میں ایک معمولی سپاہی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور بادشاہ اس کی دسترس سے کتنا ہی دور ہو۔ آخر میں لکھتے ہیں کہ کسی شخص کا اسلامی حکومت کے اندر رہتے ہوئے اسلامی نظام کو الٹنے کی کوشش کرنا بدترین جرم ہے اور اسے ان انتہائی سزاؤں میں سے کوئی سزا دی جاسکتی ہے۔[2]

آٹھواں حکم: فتنہ کی سرکوبی کے لیے جہاد

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ [3]"

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو اور اس کے راستے میں جہاد کرو امید ہے کہ تمہیں فلاح حاصل ہو گی۔"

اس آیت کے ذیل میں تفہیم القرآن اور ہدایت القرآن کے علاوہ باقی دونوں مفسرین نے جہاد کی اہمیت بیان کی ہے۔ تبیان القرآن میں ہے کہ دشمن خواہ کوئی ہوں، مشرک ہو، یہودی ہو، عیسائی ہو، باغی ہوں، یا چور ڈاکو

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:496

[2] مودودی، تفہیم القرآن، ج:1، ص:465

[3] سورۃ المائدۃ 35:05

ہوں: اگر فتنہ پیدا کریں اور مسلمانوں کا جینا حرام کر دیں تو ان سے لوہا لینا ضروری ہے۔ فتنہ پردازوں کا زور توڑا جائے تا کہ مسلمان سکون کا سانس لیں، اور جہاد نیک مسلمان کریں، جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور گناہوں سے بچتے ہیں۔ جہاد کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، وسیلہ تمام طاعات ہیں، ان کا ایک فرد جہاد ہے، نیک مسلمان جہاد کر کے اللہ کی نزدیکی حاصل کریں، اور جہاد کا دوسرا فائدہ کامیابی ہے فتنہ ختم ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کو چین نصیب ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑا فتنہ کفر و شرک ہے، جہاد کے نتیجہ میں بہت سے بندوں کو دولت ایمان نصیب ہوتی ہے، حدیث میں ہے کہ اللہ کو وہ بندے پسند ہیں جو بیڑیوں میں جنت میں جاتے ہیں یعنی جہاد میں گرفتار ہو کر آئے اور دولت ایمان مل گئی اور جنت میں پہنچ گئے۔[1]

فی ظلال القرآن میں مختصر الفاظ میں جہاد کی ساری اقسام کو جمع کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"اس طرح یہ آیت بندہ مومن کو ہر محاذ پر چومکھی لڑائی لڑنے کی ہدایت کرتی ہے۔ ایک طرف ابلیس لعین اور اس کا شیطانی لشکر ہے۔ دوسری طرف آدمی کا اپنا نفس اور اس کی سرکش خواہشات ہیں۔ تیسری طرف خدا سے پھرے ہوئے بہت سے انسان ہیں جن کے ساتھ آدمی ہر قسم کے معاشرتی، تمدنی اور معاشی تعلقات میں بندھا ہوا ہے۔ چوتھی طرف وہ غلط مذہبی، تمدنی اور سیاسی نظام ہیں جو خدا سے بغاوت پر قائم ہوئے ہیں اور بندگی حق کے بجائے بندگی باطل پر انسان کو مجبور کرتے ہیں۔ ان سب کے حربے مختلف ہیں مگر سب کی ایک ہی کوشش ہے کہ آدمی کو خدا کے بجائے اپنا مطیع بنائیں۔ بخلاف اس کے آدمی کی ترقی کا اور تقرب خداوندی کے مقام تک اس کے عروج کا انحصار بالکلیہ اس پر ہے کہ وہ سراسر خدا کا مطیع اور باطن سے لے کر ظاہر تک خالصتہً اس کا بندہ بن جائے۔ لہٰذا اپنے مقصود تک اس کا پہنچنا بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ وہ ان تمام مانع و مزاحم قوتوں کے خلاف بیک وقت جنگ آزما ہو، ہر وقت ہر حال میں ان سے کشمکش کرتا رہے اور ان ساری رکاوٹوں کو پامال کرتا ہوا خدا کی راہ میں بڑھتا چلا جائے۔"[2]

نواں حکم: رشوت کا سدِباب

سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر 42 میں رشوت کی اقسام اور اس کے احکام پر تفصیلی بحث صرف تفسیر تبیان

---

[1] بخاری، صحیح بخاری، کتاب الجہاد السیر، باب الاساری فی السلاسل، حدیث نمبر: 3010 حدیث یوں ہے:
:" عجب الله من قوم يدخلون الجنة في السلاسل"

[2] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:499

القرآن میں کیا گیا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

رشوت کی حسب ذیل چار قسمیں ہیں:

v. منصبِ قضا کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دیا اس رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔

vi. کوئی شخص اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لیے قاضی کو رشوت دے۔ یہ رشوت جانبین سے حرام ہے، خواہ وہ فیصلہ حق انصاف پر مبنی ہو یا نہ ہو کیونکہ فیصلہ کرنا قاضی کی ذمہ داری ہے اور اس پر فرض ہے۔ اسی طرح کسی افسر کو اپنا کام کرانے اور کے لیے رشوت دینا یہ بھی جانبین سے حرام ہے کیونکہ وہ کام اس افسر کی ڈیوٹی ہے۔

vii. اپنی جان اور مال کو ظلم اور ضرر سے بچانے کے لیے رشوت دینا یہ رشوت صرف لینے والے پر حرام ہے دینے والے پر حرام نہیں ہے اسی طرح اپنے مال کو حاصل کرنے کے لیے بھی رشوت دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔

viii. کسی شخص کو اس لیے رشوت دی کہ وہ اس کو بادشاہ یا حاکم تک پہنچا دے تو اس رشوت کا دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔[1]

دسواں حکم: غیر مسلموں کے متعلق فیصلے

سورۃ المائدۃ کی 42ویں آیت میں غیر مسلموں کے متعلق فیصلوں کا تذکرہ ہے کہ یعنی اگر کسی اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کی مقدمات آئیں تو ان کا کیا جائے؟ اس کے متعلق تبیان القرآن میں یہ رائے پیش کی گئی ہے کہ اگر کفار ذمی ہوں تو ان کے فیصلے اسلامی عدالت میں ہوں گے اور اگر ذمی نہ ہوں تو ان کے فیصلے اسلامی عدالت میں نہ ہوں گے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

"جن کے متعلق اللہ تعالی نے نبی ﷺ کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے یہ مدینہ کے وہ یہود تھے جن سے نبی ﷺ نے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد معاہدہ کیا تھا۔ یہ اہل ذمہ نہیں تھے اور جب کفار اہل ذمہ نہ ہوں تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا ہم پر واجب نہیں ہے۔"[2]

اس سلسلے میں ہدایت القرآن میں بہت عمدہ بحث کیا گیا ہے کہ درحقیقت غیر مسلم کی چار اقسام ہیں ذمی،

---

[1] ابن ہمام، فتح القدیر، ج:7، ص:236

[2] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج:3، ص:13-133-سعیدی، تبیان القرآن، ج:5، ص:194-196

مستامن، معاہد اور حربی۔

v. ذمی: جس کو اسلامی ملک کی شہریت حاصل ہے۔

vi. مستامن: امن طلب کرنے والا یعنی وہ غیر مسلم جو ویزا لے کر اسلامی ملک میں آیا ہے۔

vii. معاہد: عہد و پیمان باندھنے والا یعنی دار الحرب کا وہ غیر مسلم جس کے ساتھ اسلامی ملک نے ناجنگ معاہدہ کر رکھا ہے۔

viii. حربی اس دار الحرب کا باشندہ جس کے ساتھ ناجنگ معاہد نہیں۔

اسلامی مملکت میں ذمیوں کو ان کے پرسنل مسائل میں فیصلہ کے لئے حکومت الگ کورٹ بنا کر دے گی، اس میں انہی کا قاضی مقرر کیا جائے گا، اس کے مصارف اسلامی حکومت برداشت کرے گی، غیر مسلموں کے پرسنل مقدمات، اس میں ان کے پرسنل لا کے مطابق فیصل ہونگے، اور ان کے عام معاملات اسلامی کورٹ میں آئیں گے، اور شریعت اسلامی کے مطابق فیصلے ہونگے، اور اگر وہ ان مقدمات کا اسلامی کورٹ میں فیصلہ کرائیں تو اسلامی قانون کے مطابق ان کا فیصلہ کیا جائے گا، اور اگر مقدمہ کا ایک فریق مسلمان ہو تو وہ معاملہ لامحالہ اسلامی کورٹ میں آئے گا، اور قانون اسلامی کے مطابق فیصلہ ہو گا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ خیبر کے یہودی پوری طرح ذمی نہیں تھے، ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا، ان کے ساتھ وقتی معاہدہ کر کے بطور مزارع ان کو خیبر میں باقی رکھا گیا تھا، پس گویا وہ معاہد تھے، وہ اپنا ایک مقدمہ لے کر اسلامی کورٹ میں آنے والے تھے، چنانچہ نبی ﷺ کو اختیار دیا کہ آپ چاہیں تو اس مقدمہ کا فیصلہ کریں، اور چاہیں تو ان کو ملادیں، کہ دیں: جاؤ اپنے قاضی سے فیصلہ کراؤ، اگر آپ ایسا کریں گے تو یہود آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، اور اگر آپ وہ مقدمہ لے لیں تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں یعنی اسلامی احکام کے مطابق فیصلہ کریں، شریعت اسلامی میں شادی شدہ زانی زانیہ کی سزا رجم ہے، مگر احسان کے لئے اسلام شرط ہے، غیر مسلم محصن نہیں لہٰذا اس کو سنگسار نہیں کیا جائے گا، مگر نبی ﷺ نے یہود کی شریعت کے مطابق فیصلہ کیا، اتفاق سے تورات میں بھی ان کے لئے رجم کی سزا تھی، چنانچہ تورات منگوا کر پڑھی گئی، اور اس کا فیصلہ ان پر نافذ کیا گیا، پس نہ سانپ بچا نہ لاٹھی ٹوٹی۔[1]

فی ظلال القرآن میں غیر مسلموں کے معاملات کی دو اقسام بنائی گئی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا حکم الگ بیان کیا گیا ہے وہ لکھتے ہیں:

---

[1] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:274

یہودیوں کو یہ اختیارات دینا کہ وہ اپنے فیصلے خود کریں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات بہت ہی ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہیں۔ بعد کے ادوار میں اسلامی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا لازمی ہو گیا تھا اس لئے کہ دارالاسلام میں صرف اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے کئے جاسکتے ہیں۔ دارالاسلام کے باشندوں پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے فیصلے شرعی قانون کے مطابق کریں۔ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلامی معاشرے میں اہل کتاب کے متعلق یہ خاص اصول وضع کیا گیا ہے کہ ان کے فیصلے خود ان کی شریعت کے مطابق کئے جائیں گے مثلا یہ کہ ان کے لئے وہ معاملات جائز ہوں گے جو ان کی شریعت میں جائز ہیں۔ مثلا خنزیر کی ملکیت، اس کا گوشت کھانا، شراب کی ملکیت اور شراب پینا (ہاں مسلمانوں پر فروخت کرنے کی اجازت نہ ہو گی) نیز ان پر سودی کاروبار کرنا حرام ہو گا، اس لئے کہ اہل کتاب کے ہاں بھی سودی کاروبار کرنا حرام ہے۔ اسی طرح حد زنا، حد سرقہ بھی ان پر نافذ ہو گی، کیونکہ ان کی کتابوں میں بھی یہ حدود نافذ ہیں۔ بغاوت، فساد فی الارض اور دوسری عام تعزیری سزائیں ان پر بھی اسی طرح نافذ ہوں گی جس طرح عام مسلمانوں پر نافذ ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ یہ امور دارالاسلام کے امن وامان کے لئے ضروری ہیں چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم اور اس معاملے میں کسی کے ساتھ کوئی نرمی نہیں کی جاسکتی۔[1]

تفہیم القرآن میں تبیان القرآن کی طرح رائے پیش کی گئی ہے کہ وہ درحقیقت معاہد تھے اس لیے وہ اپنے اندرونی معاملات میں آزاد تھے وہ لکھتے ہیں:

"یہودی اس وقت تک اسلامی حکومت کی باقاعدہ رعایا نہیں بنے تھے بلکہ اسلامی حکوت کے ساتھ ان کے تعلقات معاہدات پر مبنی تھے۔ ان معاہدات کی رو سے یہودیوں کو اپنے اندرونی معاملات میں آزادی حاصل تھی اور ان کے مقدمات کے فیصلے انہی کے قوانین کے مطابق ان کے اپنے جج کرتے تھے۔ نبی ﷺ کے پاس یا آپ کے مقرر کردہ قاضیوں کے پاس اپنے مقدمات لانے کے لیے وہ ازروئے قانون مجبور نہ تھے۔ لیکن یہ لوگ جن معاملات میں خود اپنے مذہبی قانون کے مطابق فیصلہ کرنا نہ چاہتے تھے ان کا فیصلہ کرانے کے لیے نبی ﷺ کے پاس اس امید پر آجاتے تھے کہ شاید آپ کی شریعت میں ان کے لیے کوئی دوسرا حکم ہو اور اس طرح وہ اپنے مذہبی قانون کی پیروی سے بچ جائیں۔"[2]

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:510

[2] مودودی، تفہیم القرآن، ج:1، ص:472

گیارہواں حکم: قانون قصاص

"وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ"[1]

"اور ہم نے اس (تورات میں) ان کے لیے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت۔ اور زخموں کا بھی (اسی طرح) بدلہ لیا جائے۔ ہاں جو شخص اس (بدلے) کو معاف کر دے تو یہ اس کے لیے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ لوگ ظالم ہیں۔"

معاشرے میں انسانی نفس کے احترام اور امن وسکون کو بر قرار رکھنے کے لیے آیتِ بالا میں قانون قصان بیان گیاہے۔ جس کی تفصیلات تفہیم القرآن کے علاوہ باقی تینوں تفاسیر ذکر کی گئی ہیں:

تبیان القرآن اور ہدایت القرآن میں اس آیت کا شانِ نزول بیان کیا گیاہے جو کہ درج ذیل ہے:

"جب بنو قریظہ نے یہ دیکھا کہ یہود اپنی کتاب میں رجم کو چھپاتے تھے اور نبی ﷺ نے ان کے درمیان رجم کا فیصلہ کر دیا تو بنو قریظہ نے کہا: اے محمد! ہمارے درمیان اور ہمارے بھائی بنو نضیر کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔ نبی ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے بنو نصیر اپنے آپ کو بنو قریظہ سے برتر اور عزت دار سمجھتے تھے۔ اگر بنو نضیر میں سے کوئی شخص بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو وہ اسے آدھی دیت دیتے تھے اور اگر ان کے کسی فرد کو بنو قریظہ کا کوئی شخص قتل کر دیتا تو اس سے پوری دیت لیتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا تو قریظی کا خون نضیری کے برابر ہے۔ یہ سن کر جو بنو نضیر غضب ناک ہو گئے اور انہوں نے کیا ہم رجم کے معاملہ میں آپ کی اطاعت نہیں کریں گے اور ہم اپنی ہی حدود کو جاری کریں گے جن پر پہلے عمل کرتے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور ہم نے ان پر تورات میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ۔"[2]

فی ظلال القرآن میں شان نزول کا ذکر نہیں ہے بلکہ انہوں نے یہاں پر عمومی طور قانون قصاص کی افادیت

---

[1] سورۃ المائدۃ 45:05

[2] ابن جریر طبری، جامع البیان فی تاویل آی القرآن، ج:10، ص:358

بیان کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"اسلامی شریعت قصاص کے بارے میں پہلا اصول مساوات کا متعین کرتی ہے۔ خون سب کا یکساں ہوتا ہے اور سزا بھی سب کے لئے یکساں ہے۔ اسلام کے بغیر کسی دوسری شریعت میں جان کے بدلے جان کی مساوات نہیں ہے۔ چناچہ اسلام میں جان کے بدلے جان اور عضو کے بدلے وہی عضو ہے۔ اس بارے میں علاقے' طبقے' نسب' خون اور قوم کا کوئی امتیاز یا لحاظ نہیں ہے۔ جان کے بدلے جان' آنکھ کے بدلے آنکھ' ناک کے بدلے ناک' کان کے بدلے کان' دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں پورا پورا بدلہ ہے۔ اس بارے میں کوئی امتیاز کوئی نسلی' طبقاتی اور قومی فرق نہیں ہے۔ حاکم و محکوم کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اس عظیم اصول پر قانون قصاص نافذ کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ سخت غیرت آموز سزا ہے اور اس کے ہوتے ہوئے ہر شخص اقدام قتل' اقدام ضرر شدید اور اعضاء کے توڑنے کے بارے میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے بار بار سوچتا ہے کہ وہ یہ اقدام کرے یا نہ کرے۔ اس لئے کہ اسے علم ہوتا ہے کہ اگر اس نے قتل کیا تو اسے سولی پر چڑھنا ہو گا' اور اس کا نسب' اس کی سماجی حیثیت اور اس کا رنگ و نسل اسے کوئی فائدہ نہ دے سکے گا۔ اسے ویسی ہی سزا ملے گی جیسا وہ جرم کرے گا۔ اگر وہ کسی کا ہاتھ' پاؤں یا دوسرے اعضاء ضائع کرے گا تو اس کے بھی وہی اعضا ضائع ہوں گے۔ اگر وہ آنکھ' کان اور ناک ضائع کرے گا تو اس کے یہی اعضاء ضائع ہوں گے۔ اور اگر کوئی یہ سمجھے کہ اسے صرف قید ہونا ہے تو وہ کبھی بھی ایسے جرائم سے باز نہ آئے گا چاہے سزائے قید لمبی ہو۔ اس لئے کہ جسمانی سزا' جسمانی نقص اور شکل کا بگڑنا بمقابلہ مصائب سزائے قید زیادہ اذیت ناک ہے جیسا کہ ہم حد سرقہ کے بیان میں قطع ید کے ضمن میں تفصیلات بیان کر آئے ہیں۔"[1]

بارہواں حکم: عدل وانصاف پر مبنی نظام کا قیام

سیاستِ مدنیہ کا بنیاد عدل وانصاف پر ہو گا۔ ملک کے نگران کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ہر فرد کے لیے عدل انصاف مہیا کریں۔ تفسیر تبیان القرآن اور ہدایت القرآن میں عدل انصاف پر مبنی نظام کے قیام پر سورۃ المائدۃ کی 48 آیت میں بحث کیا گیا ہے ان دونوں مفسرین کی اقتباسات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں جب فی ظلال القرآن میں

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:558

اس نظام کے قیام پر سورۃ المائدہ کی آٹھویں آیت میں بحث کیا گیا ہے۔

تبیان القرآن میں علامہ غلام رسول سعیدی اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کو حتمی قرار دیتے ہوئے اس سے انحراف کو ناجائز قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں: "اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ یہود جنہوں نے اپنے مقدمہ میں آپ کو حاکم بنایا اور آپ نے ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کر دیا پھر یہ آپ کے فیصلہ سے راضی نہیں ہوئے تو کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے تھے یعنی بت پرستوں اور مشرکوں کا فیصلہ چاہتے تھے۔ حالانکہ ان کے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے اور اس میں وہی فیصلہ مذکور ہے جو آپ نے ان کے درمیان کیا تھا اور یہی حق ہے اور اس کے خلاف کوئی اور فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالی نے ان یہودیوں سے فرمایا: جو شخص اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہو اور اس کی ربوبیت پر یقین رکھتا ہو اس کے نزدیک اللہ کے حکم اور اس کے فیصلہ سے بہتر اور کسی کا فیصلہ ہو سکتا ہے؟"[1]

سعید احمد پالن پوری ہدایت القرآن میں رقم طراز ہیں: "جب قرآن کریم برحق تعلیمات پر مشتمل ہے تو اس پر پوری طرح عمل ضروری ہے۔ اللہ کا دین برائے عمل نازل کیا جاتا ہے۔ پس قاضی خواہ فیصلہ مسلمانوں کے لیے کریں یا غیروں کے لیے کریں۔ شریعتِ اسلامیہ سے بال برابر بھی انحراف نہ کریں۔ رشوت لے کر یا رعایت کر کے فیصلہ کر کے اپنا دامن داغ دار نہ کریں۔ انصاف ہی سے جہاں روشن ہے۔"[2]

فی ظلال القرآن میں سید محمد قطب لکھتے ہیں:

> "دنیا میں کوئی ایسا نظام نہیں ہے جو انسانوں کو ایسا انصاف دے سکتا ہو جس میں دوست اور دشمن برابر ہوں۔ یہ صرف دین اسلام کا کام ہے جو اہل ایمان کو یہ دعوت دیتا ہے کہ انصاف کے معاملے میں محض اللہ کے لئے کھڑے ہو جائیں اور وہ انصاف کے لئے ماسوائے انصاف کے ہر سوچ (ConsiderAtion) ترک کر دیں۔"[3]

سورۃ التوبۃ میں پہلا حکم: اسلامی حکومت کا فریضہ: زکوۃ کا نظام

"خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَ

---

[1] سعیدی، تبیان القرآن، ج:3، ص:208

[2] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:2، ص:286

[3] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:2، ص:445

اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ "[1]

"(اے پیغمبر) ان لوگوں کے اعمال میں سے صدقہ وصول کر لو جس کے ذریعے تم انہیں پاک کر دوگے اور ان کے لیے باعث برکت بنوگے، اور ان کے لیے دعا کرو۔ یقیناً تمہاری دعا ان کے لیے سراپا تسکین ہے، اور اللہ ہر بات سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔"

تبیان القرآن کے علاوہ باقی تمام مفسرین نے اپنی تفاسیر میں زکوۃ کے نظام کی اہمیت پر بحث کیا ہے۔

ہدایت میں القرآن میں نظام زکوۃ کو اسلامی حکومت کے فرائض میں شمار کیا ہے وہ لکھتے ہیں: اس آیت پاک سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا گیا ہے کہ اسلامی حکومت کے فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ وہ مسلمانوں کی زکات و صدقات وصول کرے اور اس کے مصارف پر خرچ کرنے کا انتظام کرے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں کچھ مسلمانوں نے یہ کہہ کر خلیفہ المسلمین کو زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا کہ ہم سے زکوۃ وصدقات وصول کرنے کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ تک تھا ہم نے اس کی تعمیل کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کیا حق ہے کہ ہم سے زکات وصدقات طلب کریں؟ حضرت صدیق اکبر نے ان کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ شروع شروع میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ جنگ کرنے میں تردد تھا کہ وہ مسلمان ہیں۔ وہ قرآن پاک کی اس آیت کی آڑ لے کر امام المسلمین کو زکوۃ اداء کرنے سے بچنا چاہتے تھے، اس لئے ان کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کرنا چاہئے جو عام مرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پورے عزم کے ساتھ فرمایا کہ جو شخص نماز اور زکوۃ میں فرق کرے گا اس سے جہاد کیا جائے گا۔ یعنی جو لوگ نماز میں تو اجتماعیت کے قائل ہیں، اُسے تو باجماعت ادا کرتے ہیں مگر زکوۃ میں وہ یہ بات تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اس کی اجتماعیت میں رخنہ اندازی کرتے ہیں ان سے ضرور جہاد کیا جائے گا۔[2]

سید محمد قطب نے فی ظلال القرآن میں بھی اس کو اسلامی حکومت کا فرض قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں: اسلامی نظم میں زندگی کو عملی اور سعی پر استوار کیا گیا ہے۔ عمل کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ اسلامی حکومت کا یہ فرض اور اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ہر اس شخص کے لیے روزگار کا بندوبست کرے جو عمل اور محنت پر قدرت رکھتا ہو، وہ اسے کام کے لیے ہنر مندی سکھائے اور اس کے لیے موقع فراہم کرے اور پھر یہ مزدور اور محنت کش کو یہ ضمانت دے کہ اس کو اس کی محنت کی پوری اجرت ملے۔ اسلامی نظام کے ضوابط کی رو سے عمل پر قدرت رکھنے والوں کا زکوۃ میں کوئی

---

[1] سورۃ التوبہ 103:09

[2] پالن پوری، ہدایت القرآن، ج:3، ص:371

حق نہیں زکوۃ ایک ایسا ٹیکس ہے جو اہل ثروت سے لیا جاتا ہے اور محتاجوں کو دیا جاتا ہے اور اس کی وصولی اور تقسیم کا انتظام حکومت کے ہاتھوں میں رہتا ہے۔ بشرطیکہ حکومت اسلامی اصولوں پر قائم ہو، نظام شریعت کو نافذ کرنے والی ہو اور زکوۃ کو بھی وہ مکمل اسلامی ضوابط کے مطابق وصول کرتی ہو اور خرچ کرتی ہو۔[1]

تفہیم القرآن میں زکوۃ کی اہمیت بیان کی گئی ہے وہ لکھتے ہیں:

عرب میں یہ پہلا موقع تھا کہ ملک کے تمام ان باشندوں پر جو ایک مقرر مقدار سے زائد مال رکھتے تھے، باقاعدہ زکوٰۃ عائد کی گئی تھی اور وہ ان کی زرعی پیداوار سے ان کے مویشیوں سے ان کے اموال تجارت سے ان کے معدنیات سے اور ان کے سونے چاندی کے ذخائر سے 2-1/2 فی صدی، 5 فی صدی، 100 فی صدی کی مختلف شرحوں کے مطابق وصول کی جاتی تھی۔ یہ سب اموال زکوٰۃ ایک منظم طریقہ سے وصول کیے جاتے اور ایک مرکز پر جمع ہو کر منظم طریقہ سے خرچ کیے جاتے۔ اس طرح نبی ﷺ کے پاس ملک کے اطراف سے اتنی دولت سمٹ کر آتی اور آپ کے ہاتھوں خرچ ہوتی تھی جو عرب کے لوگوں نے کبھی اس سے پہلے کسی ایک شخص کے ہاتھوں جمع اور تقسیم ہوتے نہیں دیکھی تھی۔[2]

---

[1] محمد قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، ج:3، ص:585

[2] مودودی، تفہیم القرآن، ج:2، ص:204

خلاصہ باب

متن کے باب چہارم میں سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبہ میں پائے جانے والے مختلف موضوعات یعنی تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاستِ مدنیہ کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے، ان موضوعات کا تجزیہ تبیان القرآن، ہدایت القرآن ، تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن جیسی ممتاز تفسیروں میں فراہم کردہ تشریحات کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ اس باب کا آغاز اسلامی تناظر میں عہدوں، عہدوں اور وعدوں کی اہمیت کا جائزہ لینے سے ہوتا ہے، جس میں یہودی، عیسائی، بت پرست اور منافقین سمیت مختلف مذہبی برادریوں کی طرف سے کیے گئے وعدوں کی حیثیت پر بحث ہوتی ہے۔ اس میں زکوٰۃ کے تصور اور اس کی حکمت اور فضیلت کا بھی جائزہ لیا گیا ہے جیسا کہ قرآنی آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

باہمی تعلقات کے مختلف پہلوؤں اور قرآنی آیات میں بیان کردہ معاشرتی اصولوں پر بات کیا گیا ہے۔ اس میں تعاون، اہل کتاب کی عورتوں سے شادی، امن کا قیام، زنا کی ممانعت، معاشرتی نظم، غیر مسلموں کے ساتھ میل جول کے اصول، دھوکہ بازوں سے لاتعلقی، ممنوعات سے اجتناب، نیک لوگوں سے رابطہ قائم کرنا، اسلامی اخوت اور اسلامی اخوت کی اہمیت جیسے موضوعات پر بات کی گئی ہے۔۔ ان موضوعات کی اہمیت، بصیرت اور تفہیم مذکورہ تفسیروں کے ذریعے فراہم کی گئی ہیں، جو عصری سیاق وسباق میں ان کے اطلاق کے بارے میں بصیرت پیش کرتے ہیں۔

باب کے آخر میں سیاست مدنیہ کی وضاحت کی گئی ہے جیسا کہ تبیان القرآن، ہدایت القرآن، تفہیم القرآن، اور فی ظلال القرآن میں وضاحت کی گئی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت، ملک کی علامت اور اس کی عزت، عذر پر غور کرنے میں شرعی احکام کا کردار، امت مسلمہ کی قیادت، سلامتی کو یقینی بنانے، بغاوت اور فتنہ کو دبانے، رشوت ستانی کی روک تھام، قانون کے نفاذ کا ذکر کیا گیا ہے۔ انتقام کا، اور عدل وانصاف پر مبنی نظام قائم کرنا۔ مزید برآں، یہ نظام زکوٰۃ کے انتظام میں اسلامی حکومت کے فرض کو اجاگر کرتا ہے، حکومت میں سماجی بہبود اور معاشی انصاف کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ اس تقابلی تجزیے کے ذریعے یہ باب شہری سیاست کے بنیادی قرآنی اصولوں اور ان کے عملی مضمرات کی جامع تفہیم فراہم کرتا ہے۔

نتائج بحث

اس بحث سے حاصل ہونے والے نتائج درجہ ذیل ہیں:

- تہذیب الاخلاق کے موضوع پر منتخب تفاسیر کا تجزیہ: تفہیم القرآن میں سید مودودی نے تہذیب الاخلاق کو فرد اور معاشرتی زندگی کی اصلاح کا بنیادی عنصر قرار دیا ہے، اور ان کا زور اخلاقی تربیت پر ہے۔ فی ظلال القرآن میں سید قطب نے اخلاقیات کو اسلامی نظام حیات کا لازمی جزو قرار دیتے ہوئے، اخلاقی تعلیمات کو اسلامی حکومت کے قیام کے لئے ناگزیر سمجھا۔ تبیان القرآن میں سعید احمد سعیدی نے اخلاقیات کو روحانی ترقی کا ذریعہ قرار دیا ہے، اور اس پر زور دیا کہ اچھے اخلاق انسان کو اللہ کے قریب کرتے ہیں۔ ہدایت القرآن میں سعید احمد پالن پوری نے اخلاقی تعلیمات کو معاشرتی نظم وضبط کی بنیاد قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ اچھے اخلاق سے معاشرتی رشتے مضبوط ہوتے ہیں۔

- تدبیر منزل کے موضوع پر منتخب تفاسیر کا تجزیہ: تفہیم القرآن میں سید مودودی نے گھریلو زندگی کو اسلامی تعلیمات کے مطابق منظم کرنے پر زور دیا ہے، اور بتایا ہے کہ اسلام گھر کو امن اور سکون کا گہوارہ بنانے کی تعلیم دیتا ہے۔ فی ظلال القرآن میں سید قطب نے خاندان کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ مضبوط خاندان ہی مضبوط معاشرتی نظام کی بنیاد بنتا ہے۔ تبیان القرآن میں سعید احمد سعیدی نے گھریلو زندگی کے اصول وضوابط کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اور ان کو اسلامی معاشرتی نظم کا اہم حصہ قرار دیا ہے۔ ہدایت القرآن میں سعید احمد پالن پوری نے گھر کے اندر کی زندگی کو اسلامی اصولوں کے مطابق منظم کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

- سیاست مدنیہ کے موضوع پر منتخب تفاسیر کا تجزیہ: تفہیم القرآن میں سید مودودی نے سیاست مدنیہ کو اسلامی ریاست کے قیام اور اس کے اصول وضوابط کی بنیاد قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ اسلامی نظام حکومت عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ فی ظلال القرآن میں سید قطب نے اسلامی حکومت کے قیام اور اس کے اصولوں پر زور دیا ہے، اور کہا ہے کہ اسلامی حکومت کا مقصد عوام کی خدمت اور ان کی فلاح وبہبود ہے۔ تبیان القرآن میں سعید احمد سعیدی نے سیاست مدنیہ کو اسلامی تعلیمات کے مطابق معاشرتی نظم وضبط کا ذریعہ قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ اسلامی حکومت کا مقصد انصاف فراہم کرنا ہے۔ ہدایت القرآن میں سعید احمد پالن پوری نے سیاست مدنیہ کے اصولوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اور کہا ہے کہ اسلامی حکومت کا مقصد عوام کی خدمت اور ان کی حقوق کی حفاظت ہے۔

- سورۃ المائدۃ میں تہذیب الاخلاق کی تفسیری تشریحات: تفہیم القرآن میں سید مودودی نے سورۃ المائدۃ کی آیات میں مذکور اخلاقی تعلیمات کی وضاحت کی ہے، اور ان کو معاشرتی اصلاح کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ فی ظلال القرآن میں سید قطب نے سورۃ المائدۃ کی آیات میں مذکور اخلاقی اصولوں کو اسلامی معاشرتی نظم کے قیام کی بنیاد قرار دیا ہے۔ تبیان القرآن میں سعید احمد سعیدی نے سورۃ المائدۃ کی آیات میں مذکور اخلاقی تعلیمات کو روحانی ترقی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ ہدایت القرآن میں سعید احمد پالن پوری نے سورۃ المائدۃ کی آیات میں مذکور اخلاقی اصولوں کو معاشرتی نظم وضبط کی بنیاد قرار دیا ہے۔
- سورۃ التوبۃ میں تہذیب الاخلاق کی تفسیری تشریحات: تفہیم القرآن میں سید مودودی نے سورۃ التوبۃ کی آیات میں مذکور اخلاقی تعلیمات کی وضاحت کی ہے، اور ان کو معاشرتی اصلاح کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ فی ظلال القرآن میں سید قطب نے سورۃ التوبۃ کی آیات میں مذکور اخلاقی اصولوں کو اسلامی معاشرتی نظم کے قیام کی بنیاد قرار دیا ہے۔ تبیان القرآن میں سعید احمد سعیدی نے سورۃ التوبۃ کی آیات میں مذکور اخلاقی تعلیمات کو روحانی ترقی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ ہدایت القرآن میں سعید احمد پالن پوری نے سورۃ التوبۃ کی آیات میں مذکور اخلاقی اصولوں کو معاشرتی نظم وضبط کی بنیاد قرار دیا ہے۔
- سورۃ المائدۃ میں تدبیر منزل کی تفسیری تشریحات: تفہیم القرآن میں سید مودودی نے سورۃ المائدۃ کی آیات میں مذکور گھریلو زندگی کے اصولوں کی وضاحت کی ہے، اور ان کو اسلامی گھریلو زندگی کا لازمی جزو قرار دیا ہے۔ فی ظلال القرآن میں سید قطب نے سورۃ المائدۃ کی آیات میں مذکور گھریلو زندگی کے اصولوں کو اسلامی معاشرتی نظم کے قیام کی بنیاد قرار دیا ہے۔ تبیان القرآن میں سعید احمد سعیدی نے سورۃ المائدۃ کی آیات میں مذکور گھریلو زندگی کے اصولوں کو روحانی ترقی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ ہدایت القرآن میں سعید احمد پالن پوری نے سورۃ المائدۃ کی آیات میں مذکور گھریلو زندگی کے اصولوں کو معاشرتی نظم وضبط کی بنیاد قرار دیا ہے۔
- سورۃ التوبۃ میں تدبیر منزل کی تفسیری تشریحات: تفہیم القرآن میں سید مودودی نے سورۃ التوبۃ کی آیات میں مذکور گھریلو زندگی کے اصولوں کی وضاحت کی ہے، اور ان کو اسلامی گھریلو زندگی کا لازمی جزو قرار دیا ہے۔ فی ظلال القرآن میں سید قطب نے سورۃ التوبۃ کی آیات میں مذکور گھریلو زندگی کے اصولوں کو اسلامی معاشرتی نظم کے قیام کی بنیاد قرار دیا ہے۔ تبیان القرآن میں سعید احمد سعیدی نے سورۃ التوبۃ کی آیات میں مذکور گھریلو زندگی کے اصولوں کو روحانی ترقی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ ہدایت القرآن میں سعید احمد پالن پوری نے سورۃ التوبۃ کی آیات میں مذکور گھریلو زندگی کے اصولوں کو معاشرتی نظم وضبط کی بنیاد قرار دیا ہے۔

- سورۃ المائدۃ میں سیاست مدنیہ کی تفسیری تشریحات: تفہیم القرآن میں سید مودودی نے سورۃ المائدۃ کی آیات میں مذکور سیاسی اصولوں کی وضاحت کی ہے، اور ان کو اسلامی حکومت کے قیام کا لازمی جزو قرار دیا ہے۔فی ظلال القرآن میں سید قطب نے سورۃ المائدۃ کی آیات میں مذکور سیاسی اصولوں کو اسلامی معاشرتی نظم کے قیام کی بنیاد قرار دیا ہے۔تبیان القرآن میں سعید احمد سعیدی نے سورۃ المائدۃ کی آیات میں مذکور سیاسی اصولوں کو روحانی ترقی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ہدایت القرآن میں سعید احمد پالن پوری نے سورۃ المائدۃ کی آیات میں مذکور سیاسی اصولوں کو معاشرتی نظم وضبط کی بنیاد قرار دیا ہے۔
- سورۃ التوبۃ میں سیاست مدنیہ کی تفسیری تشریحات: تفہیم القرآن میں سید مودودی نے سورۃ التوبۃ کی آیات میں مذکور سیاسی اصولوں کی وضاحت کی ہے، اور ان کو اسلامی حکومت کے قیام کا لازمی جزو قرار دیا ہے۔فی ظلال القرآن میں سید قطب نے سورۃ التوبۃ کی آیات میں مذکور سیاسی اصولوں کو اسلامی معاشرتی نظم کے قیام کی بنیاد قرار دیا ہے۔تبیان القرآن میں سعید احمد سعیدی نے سورۃ التوبۃ کی آیات میں مذکور سیاسی اصولوں کو روحانی ترقی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ہدایت القرآن میں سعید احمد پالن پوری نے سورۃ التوبۃ کی آیات میں مذکور سیاسی اصولوں کو معاشرتی نظم وضبط کی بنیاد قرار دیا ہے۔
- منتخب تفاسیر کے مابین علمی و تقابلی جائزہ: تفہیم القرآن، فی ظلال القرآن، تبیان القرآن، اور ہدایت القرآن کی تفاسیر کا علمی جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مفسرین نے اپنے اپنے منہج اور اسلوب کے مطابق سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبۃ کی تعلیمات کو بیان کیا ہے۔

تجاویز و سفارشات

اس بحث کی روشنی میں درجہ ذیل تجاویز و سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

1. تعلیمات قرآن کو عملی زندگی میں نافذ کرنے کی ضرورت: سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبۃ کی تعلیمات کو عملی زندگی میں نافذ کرنے کے لیے علماء، اساتذہ، اور والدین کو مل کر کوشش کرنی چاہیے تاکہ اخلاقی تربیت اور تدبیر منزل کو فروغ دیا جاسکے۔

2. مکاتب فکر کے مابین علمی مکالمہ: مختلف مکاتب فکر کے مفسرین کے درمیان علمی مکالمے کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے تاکہ مختلف تفاسیر کی روشنی میں تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے موضوعات پر مشترکہ نقطہ نظر پیدا کیا جاسکے۔

3. خاندانی نظام کو مضبوط بنانے کے لئے تربیتی پروگرامز: اسلامی تعلیمات کے مطابق خاندانی نظام کو مضبوط بنانے کے لیے تربیتی پروگرامز کا انعقاد کیا جائے جن میں ازدواجی زندگی، بچوں کی تربیت، اور گھریلو انتظام کے اصول شامل ہوں۔

4. تعلیمی نصاب میں اخلاقی تعلیمات کا شامل کیا جانا: تعلیمی نصاب میں سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبۃ کی اخلاقی تعلیمات کو شامل کیا جائے تاکہ طلباء کو اسلامی اخلاقیات سے روشناس کرایا جاسکے۔

5. اسلامی حکومت کے اصولوں پر مبنی نظام حکومت کا قیام: اسلامی ممالک میں حکومت کے اصولوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق منظم کیا جائے اور عدل و انصاف پر مبنی نظام حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے۔

6. تحقیقی مقالوں کی اشاعت اور کانفرنسز کا انعقاد: سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبۃ کی تعلیمات پر تحقیقی مقالوں کی اشاعت اور بین الاقوامی کانفرنسز کا انعقاد کیا جائے تاکہ ان تعلیمات کو مزید اجاگر کیا جاسکے۔

7. میڈیا کے ذریعے اسلامی تعلیمات کا فروغ: میڈیا کے ذریعے سورۃ المائدۃ اور سورۃ التوبۃ کی تعلیمات کو فروغ دیا جائے تاکہ عوام الناس تک اسلامی اخلاقیات اور گھریلو انتظام کے اصول پہنچ سکیں۔

8. علماء اور مفسرین کے درمیان تجربات کا تبادلہ: علماء اور مفسرین کے درمیان تجربات کا تبادلہ کیا جائے تاکہ وہ ایک دوسرے کے علمی اور تفسیری تجربات سے فائدہ اٹھا سکیں اور اسلامی تعلیمات کو مزید بہتر طریقے سے پیش کر سکیں۔

9. سیاست مدنیہ کے اصولوں کی تعلیم و تربیت: سیاست مدنیہ کے اصولوں کی تعلیم و تربیت کے لئے خصوصی کورسز اور ورکشاپس کا انعقاد کیا جائے تاکہ لوگوں کو اسلامی حکومت کے اصولوں سے آگاہی حاصل ہو۔

10. تہذیب الاخلاق اور تدبیر منزل پر عملی رہنمائی: تہذیب الاخلاق اور تدبیر منزل کے اصولوں پر عملی رہنمائی فراہم کرنے کے لیے اسلامی مراکز اور ادارے قائم کیے جائیں جو لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کی تربیت دیں۔

فنی فہارس

فہرست آیات

فہرست احادیث

فہرست اعلام

فہرست مصادر و مراجع

فہرست ویب سائٹس

فہرست آیات

آیات	سورة	صفحہ
وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ	سورۃ البقرۃ 42:2	129
وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ	سورۃ البقرۃ 45:2	131
وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ	سورۃ البقرۃ 155:2	132
وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ	سورۃ البقرۃ 197:2	154
يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ	سورۃ البقرۃ 215:2	138
وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ	سورۃ البقرۃ 233:2	136
مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ	سورۃ البقرۃ 261:2	132
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا	سورۃ النساء 19:4	136,103
حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ	سورۃ النساء 23:4	102
فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ	سورۃ النساء 34:4	135،98
وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا	سورۃ النساء 35:4	110
وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا	سورۃ النساء 141:4	180
وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ	سورۃ المائدۃ 2:5	140
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ	سورۃ المائدۃ 8:5	133
وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّى يَبْلُغَ أَشُدَّهُ	سورۃ الانعام 152:6	137
وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	سورۃ التوبہ 71:9	142
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ	سورۃ التوبہ 119:9	129
وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً	سورۃ الرعد 38:13	97
وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا	سورۃ الاسراء 24:17	130
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا	سورۃ النور 27:24	93
قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ	سورۃ النور 30:24	94
وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ	سورۃ النور 32:24	96

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ	سورۃ لقمان 18:31	130
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ	سورۃ احزاب 50:33	117
وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ	سورۃ القلم 4:68	129
لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ	سورۃ الکافرون 6:109	33

فہرست احادیث

من قذف مملوكة بالزنا يقام عليه الحد يوم القيامة 119

إذا استأذن أحدكم ثلاثا فلم يؤذن له فليرجع 94

إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا 109

إذا صلت المرأة خمسها و صامت شهرها و حفظت فرجها و أطاعت زوجها 98

إذا صنع لاحدكم خادمه طعامه ثم جاءه به و قد ولى حره و دخانه فليقعده معه فليأكل 119

إلتمس ولو خاتما من حديد 107

إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ، وَتُدْفِعُ مِيْتَةَ السوء 174

إن العبد إذا نصح لسيده وأحسن عبادة الله فله أجره مرتين 120

إن اليهود جاءوا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكروا له أن رجلا منهم وامرأة زنيا فقال لهم رسول الله صلى الله
عليه وسلم ما تجدون في التوراة في شأن الرجم 189

إِنَّ أُمِّي قَدِمَتْ عَلَيَّ وَهِيَ رَاغِبَةٌ أَفَأَصِلُهَا قَالَ نَعَمْ صِلِيهَا 184

إن ظلَّ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَدَقَتُهُ 175

انه غزا مع رسول الله ﷺ قبل نجد , فلما قفل رسول الله ﷺ قفل معه , فادركتهم القائلة 202

إنهم كانوا يسمون بأنبيائهم والصالحين قبلهم 111

إياكم والظن فان الظن أكذب الحديث 95

ألايم أحق بنفسها من وليها 104

البغايا اللاتي ينكحن أنفسهن بغير بينة 104

تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الأُمَمَ 99

دخلت على النبي ﷺ أنا ورجلان من بني عمي فقال أحد الرجلين يا رسول الله أمرنا على بعض........ 198

عَجِبَ اللهُ مِنْ قَوْمٍ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ فِي السَّلَاسِلِ 206

عن سعيد بن المسيب في الرجل لا يجد ما ينفق على امرأته قال يفرق بينهما 100

كان في بني إسرائيل رجل قتل تسعة وتسعين إنسانا 187

كنت اضرب غلاما لى سمعت من خلفى صوتاً اعلم ابا مسعود الله اقدر عليك منك عليه 120

أَحَقُّ الشُّرُوطِ أَنْ تُوفُوا بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ 108

للمملوك طعامه و كسوته ولا يكلف من العمل الا ما يطيق 119

ما نحل والد ولدا من نحل أفضل من أدب حسن 113

ما نقصت صدقة من مال و ما زاد الله عبدا بعفو إلا عزا 95

من أدرك والديه عندالكبر احدهما او كلاهما ثم لم يدخل الجنة 114

من أعطى في صداق امرأة ملء كفيه سويقاً او تمرا فقد استحل 107

أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ امْرَأً مُسْلِمًا اسْتَنْقَذَ اللهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ 119

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا 131
يا ابن آدم استطعمتك فلم تطعمني قال يا رب وكيف أطعمك وأنت رب العالمين 92
يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ 97

فہرست اعلام

ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود.......... 260

ابن جریر طبری ,.......... 150

ابن عابدین شامی ,.......... 80

ابوالخیر مودودی ,.......... 42

ابوموسیٰ اشعریؓ ,.......... 94

ابوہریرہ ,.......... 95

ابوعبید قاسم بن سلام ہروی ,.......... 227

احمد سعید ,.......... 45

اشرف علی تھانوی ,.......... 39

الیف الدین ,.......... 47

امام راغب ,.......... 227

بدرالدین، عینی ,.......... 109

بدرالدین عینی ,.......... 225

جلال الدین سیوطی,.......... 80

جمال عبد الناصر.......... 33

حافظ منذری ,.......... 79

حسن بن یسار بصری ,.......... 260

خلیل احمد حامدی ,.......... 37

زید بن اسلم عدوی ,.......... 151

سعید احمد پالن پوری ,.......... 20

سعید بن عاص ,.......... 113

سعید بن مُسَیِّبِ ,.......... 260

سید احمد حسن ,.......... 41

سید قطب ,.......... 21

سید معروف شاہ شیرازی ,.......... 39

سید مہدی حسن ,.......... 54

سید مودودی ,.......... 20

شاہ عبد القادر , ... 39
شاہ عبد القادر رائے پوری , ... 58
شاہ ولی اللہ , ... 86
شبیر احمد عثمانی , ... 59
شعبی , ... 260
عامر بن واثلہ , ... 114
عبد السلام محمد عارف الجمیلی , ... 34
عبد العزیز رائے پوری , ... 53
عقبہ بن عامر , ... 108
علاء الدین علی بن محمد الخازن , ... 130
عمر فاروق بن خطابؓ , ... 94
غلام رسول سعیدی , ... 20
قتادہ بن دعامہ , ... 151
لقمان حکیم , ... 131
مالک بن انس , ... 112
مبرد , ... 151
مجاہد بن جبیر, ... 151
محمد ابراہیم بلیلاوی , ... 56
محمد تقی عثمانی , ... 25
محمد زکریا کاندھلوی , ... 58
محمد علی جوہر , ... 44
مفتی کفایت اللہ , ... 44
منظور نعمانی , ... 57
مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی , ... 53
نعیم صدیقی , ... 51
نووی , ... 111
نیاز فتح پوری , ... 43
یوسف قرضاوی , ... 48

فہرست بلاد واماکن

سیوط , ... 29
اعظم گڑھ , ... 45
اورنگ آباد , ... 41
بجنور , ... 43
برطانیہ , ... 72
بھوپال , ...44
دہلی , ... 43
شام , ... 51
فلسطین , ...47
فیصل آباد , ... 70
کراچی , ...47
گولڑہ شریف , ... 77
لاہور , ...46
مصر , ...47
ناروے , ... 77
نیویارک , ...47

مصادر و مراجع

ابن ابی شیبہ، حافظ ابو بکر عبد اللہ بن محمد، المصنف، مکتبۃ الرشد، ریاض، طبع اول:1409ھ

ابن حبان، صحیح، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، طبع اول:1408ھ

ابن قدامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد حنبلی، المغنی، مکتبۃ القاہرۃ،1388ھ

ابن منظور، لسان العرب، دار صادر، بیروت، طبع سوم:1414ھ

ابن ہمام، محمد بن عبد الواحد، فتح القدیر (بیروت: دار الکتب العلمیہ،1415ھ)

ابو العباس احمد بن محمد، ابن خلکان، وفیات الاعیان (بیروت: دار صادر، طبع سابع،1994ء)

ابو طالب انصاری، اجالے ماضی کے، طبع اول (بھیونڈی: مکتبہ اسلامی،2006ء)

افریقی، جمال الدین ابن منظور، لسان العرب (ایران: نشر ادب الحوزہ،1405ھ)

الافریقی، محمد بن مکرم ابن منظور، لسان العرب، تحت مادہ خ ل ق، دار صادر، بیروت،

ایم آر شاہد، لاہور میں مدفون مشاہیر، اشاعت دوم، (لاہور: الفیصل،2007ء)

آباد شاہ پوری، تاریخ جماعت اسلامی، حصہ اول، اشاعت اول (لاہور: ادارہ معارف اسلامی،1989ء)،

آفتاب غازی، عبد الحسیب، فضلاء دیوبند کی فقہی خدمات، طبع اول (یوپی: نعیمیہ،2011ء)

آفتاب غازی قاسمی؛ عبد الحسیب قاسمی. فضلائے دیوبند کی فقہی خدمات (ایڈیشن فروری 2011). دیوبند: کتب خانہ نعیمیہ،

بدخشانی، محمد انور، اسلامی سائیٹ (Islaminsight.org)

بھٹہ، محمد یوسف، مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں، طبع چہارم (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، مارچ2018ء)

پالن پوری، سعید احمد، رحمۃ اللہ الواسعۃ، زم زم پبلیشرز،2005ء

پالن پوری، سعید احمد، ہدایت القرآن (دیوبند: مکتبہ حجاز،)

پالن پوری، محمد امین، آبِ حیات، طبع اول (دیوبند: مکتبہ حجاز)

پرانا عہد نامہ (لاہور: بائبل سوسائٹی) احبار

ترابی، الیف الدین، سید مودودی کا تفسیری اسلوب، ماہنامہ ترجمان القرآن (ادارہ ترجمان القرآن، مئی2004ء)

ثروت صولت، مولانا مودودی کی تقاریر، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز،1976ء)

جصاص، احمد بن علی، احکام القرآن (بیروت: دار احیاء التراث العربی،1405ھ)

جمیل احمد رانا، سلیم منصور خالد، تذکرہ سید مودودی، طبع اول (لاہور: ادارہ معارف اسلامی،1998ء)

جوزی، عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی، تفسیر زاد المسیر (بیروت: مکتب اسلامی،1407ھ)

خازن، علاء الدین بن علی بن محمد (بیروت: دار الکتب العلمیہ، طبع اول:1415ھ)

خیر الدین، محمود، زرکلی، الاعلام (بیروت: دار العلم للملایین، طبع خامس،2002ء

دار العلوم، شوال المکرم–ذی القعدہ 1441ھ مطابق جون–جولائی2020ء، شمارہ:7-6،

دائرۃ المعارف، ، طبع دوم، لاہور، 2001ء

دہلوی، سید احمد، ؛فرہنگ آصفیہ، مطبع رفاہ عام پریس، لاہور، مئی 1908ء

ڈاکٹر نیاز محمد، ڈاکٹر سعید الرحمٰن، اسلامی تحقیقات میں حوالہ نگاری و مصادر نویسی کے معاصر اسالیب کے اطلاق کا ناقدانہ جائزہ،

رازی، محمد بن عمرو، تفسیر مفاتیح الغیب المعروف بہ تفسیر رازی (بیروت: دار الفکر)

زیلعی، حافظ جمال الدین محمد عبد اللہ، نصب الرایۃ، مؤسسۃ الریان، بیروت، طبع اول: 1418ھ

سرخسی حنفی، المبسوط، دار المعرفۃ، بیروت، 1414ھ

سعیدی، غلام رسول، مقدمہ، نعمۃ الباری، طباعت اول (لاہور: رومی پبلی کیشنز، 2007ء)

سعیدی، غلام رسول، ذکر بالجہر، لاہور، فرید بک سٹال، 2006ء

سعیدی، غلام رسول، تبیان الفرقان، مکتبہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، 2015ء

سید ابو الاعلیٰ مودودی، دیباچہ تفہیم القرآن، سطن (لاہور: اداارہ ترجمان القرآن)

سید قطب، (مترجم) حامدی، خلیل احمد، معالم فی الطریق، ترجمہ: جادہ و منزل، طبع چہارم (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، 1975ء)

سید قطب، مشاھد القیامۃ في القرآن، چودھویں طباعت (مصر: دار الشروق، 2002ء)

سید مودودی، ترجمہ قرآن مع مختصر حواشی، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 2001ء)

سید محمد قطب شہید، فی ظلال القرآن، ادارہ منشورات اسلامی، لاہور، اکتوبر 1995ء

شاہ ولي اللہ، البدور البازغۃ، المکتبۃ الطوبی للابحاث، 10 صفر 1444ھ،

شاہ ولي اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، طبع اول (قاہرہ: دار الکتب الحدیثۃ، 1407ھ)

شگفتہ جبین، ڈاکٹر ہمایوں عباس، نعمۃ الباری کا منہج و اسلوب، ایم فل، شعبہ علومِ اسلامیہ، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد، 2014ء

شہید سیروس، اندیشہ ھای سیاسی سید قطب، انتشارات مرکز اسناد انقلاب اسلامی، 1383ھ

طبرانی، المعجم الکبیر (بیروت: دار احیائ التراث العربی)

طبری، جامع البیان فی تاویل آی القرآن، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، طبع اول: 1420ھ

عاصم نعمانی، مکاتیب سید ابو الاعلیٰ مودودی، ، حصہ دوم،

عبد، عبد الرحمٰن، مفکر اسلام سید ابو الاعلیٰ مودودی، اشاعت اول (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، 1988ء)

عثمانی، محمد شفیع، معارف القرآن (کراچی: ادارۃ المعارف)

عطاء الرحمٰن، دہلی میں دفن خزینے، اشاعت اول (لاہور: طیب پبلشرز، 2002ء)

عفت علی پور، اندیشہ سیاسی سید قطب، تہران، احسان 1388ھ

غزالی، محمد بن محمد، إحیاء علوم الدین، دار المعرفۃ، بیروت

فروخ، عمر، تاریخ الادب العربی (بیروت دار العلم للملایین)

فہیم الدین احمد، سید مودودی عہد جدید میں تحریک اسلامی کے امام (حیدرآباد، ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹر، 2006ء)

قرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر، الجامع لاحکام القرآن (قاھرۃ: دار الکتب المصریۃ، طبعہ ثانیہ: 1964ء)

گیلانی، سید اسعد، سید مودودی بچپن، جوانی، بڑھاپا، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 2014ء)
گیلانی، مناظر احسن، اخلاق وفلسفہ اخلاق، طیب پبلشرز، لاہور، طبع پنجم 2000ء
لقمان حکیم، لمحات من حیاۃ القاضي محمد تقي العثماني، (کراچی: مکتبۃ الحکمۃ، 1420ھ)
مالکي ابن رشد، بدایۃ المجتهد، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع دوم: 1392ھ
ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ 8-9، جلد: 101، ذی قعدہ - محرم 1438 ہجری مطابق اگست - ستمبر 2017ء
المجلس الاعلی للشوؤن الاسلامیۃ مصر، الفتاوی الاسلامیہ من دار الافتاء مصر
محمد اسماعیل قادری نورانی، فہارس شرح صحیح مسلم، فرید بک اسٹال اردو بازار، لاہور، طبع دوم، 2008ء
محمد اکبر شاہ، اکابر علماء دیوبند، طباعت جدید (لاہور، ادارہ اسلامیات، 1999ء)
محمد بن احمد ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (بیروت: دار الکتب العلمیہ، الطبعۃ الاولیٰ، 1998ء)
محمد ناصر چشتی، حیات سعید ملت، لاہور: فرید بکسٹال، س ن،
مریم جمیلہ، اسلام ایک نظریہ ایک تحریک، ترجمہ: شاہ پوری آباد (دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی، 2006ء)
مصطفیٰ امین، حیات سعید ایک نظر میں، طبع اول (دیوبند: مکتبہ دار العرفان،)
مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ضمیمہ الاحزاب (لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، 1952ء)
نصیر زرواق، مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ فی فکر الامام سید قطب، دار السلام مصر، 2009ء
نعیم صدیقی، المودودی، اشاعت چہارم (لاہور: الفیصل اردو بازار، 1989ء)
ہروی، ابوعبید القاسم بن سلام، غریب الحدیث (بیروت: دار الکتب العلمیہ)

ویب سائٹس
apkiawaznews.wordpress.com
darululoom-deoband.com
hawzah.net
Islaminsight.org
odabasham.net
okhowah.com
taqribstudies.ir
waraquetaza.com
www.aasheyaan.com
www.humsub.com.pk
www.humsub.com.pk
www.lajnatulmuallifeen.com
www.marefa.org
www.rekhta.org